مناقب اہل بیت

رضی اللہ عنہم

تالیف

ابو عاصم غلام حسین ماتریدی

ناشر: امیر قافلہ حجاز حاجی شمشیر احمد صاحب برنلے، یو کے

نام کتاب	مناقب اہل بیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تالیف	ابو عاصم غلام حسین ماتریدی
زیر اہتمام	الاستاذ قاری غلام مصطفی
کمپوزنگ	حلیمہ سعدیہ، عبداللہ، محمد مجتبیٰ

محرم الحرام ۱۴۴۰ھ — اکتوبر ۲۰۱۸ء

ملنے کے پتے

ادارہ رضائے مصطفی چوک دارالسلام گوجرانوالہ، پاکستان

جامعۃ النور اَسٹن اندرلائن **مانچسٹر، برطانیہ**

تجوید القرآن اکیڈمی وائیٹ فیلڈ کمیونٹی سینٹر مانچسٹر روڈ نیلسن برطانیہ

مکتبۃ المصطفی، ۸ کاسل سٹریٹ، برائرفیلڈ، برطانیہ برطانیہ

فہرست

صدقہ جاریہ کے کام

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام منظور ہے توفیض کے اسباب بنا ۔ پل بنا چاہ، بنا، مسجد بنا، تالاب بنا

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا اِذَا مَاتَ الۡاِنۡسَانُ اِنۡقَطَعَ عَنۡهُ عَمَلُهٗ اِلاَّ مِنۡ ثَلاَ ثَةٍ اِلاَّ مِنۡ صَدَقَةٍ جَارِيَّةٍ اَوۡعِلۡمٍ بِهٖ اَوۡ وَلَدٍ يَّدۡعُوۡ لَهٗ۔ (مشکوٰۃ کتاب العلم بحوالہ مسلم)

جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ مرنے کے بعد جاری رہتا ہے۔صدقہ جاریہ وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جاءے اور نیک اولاد جو مرنے کے بعد اس کے ل ءءے دعا کرے۔

اس حدیث میں اجمال ہے اور دوسری حدیث میں ان نیک کاموں کا تفصیلی بیان ہے۔

حضرت ابوھریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ مِمَّا يَلۡحَقُ الۡمُوۡمِنُ مِنۡ عَمَلِهٖ وَحَسَنَاتِهٖ بَعۡدَ مَوۡتِهٖ عِلۡمًا عَلَّمَهٗ وَنَشَرَهٗ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهٗ اَوۡ مُصۡحَفًا وَرَّثَهٗ اَوۡ مَسۡجِدًا بَنَاهُ اَوۡ بَيۡتًا لِاِبۡنِ السَّبِيۡلِ بَنَاهُ اَوۡ نَهۡرًا اَجۡرَاهُ اَوۡ صَدَقَةً اَخۡرَجَهَا مِنۡ مَّالِهٖ فِيۡ صِحَتِهٖ تَلۡحَقُهٗ مِنۡ بَعۡدِ مَوۡتِهٖ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم بحوالہ شعب الایمان ابن ماجہ بیھقی)

مومن کو اس کے جس عمل یا جن نیکیوں کا ثواب مرنے کے بعد ملتا ہے۔اس میں سے ایک تو علم ہے جس کو اس نے سیکھا اور اس کی اشاعت کی اور نیک اولاد ہے جس کو اپنے مرنے کے بعد چھوڑا اور قرآن مجید ہے جس کو وارثوں کے ل ءے چھوڑا اور مسجد ہے جس کو اپنی زندگی میں بنایا ہو اور مسافر خانہ ہے جس کو اس نے بنایا ہو اور پانی کی نہر جس کو اس نے جاری کیا ہو اور وہ صدقہ ہے جس کو اس نے اپنی زندگی میں نکالا ہو اپنے مال سے صحت اور تندرستی کی حالت میں انتمام امور کا ثواب مرنے کے بعد

ملتا ہے۔اس حدیث میں علم اور نیک اولاد کے بعد جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ صدقہ جاریہ میں داخل و شامل ہے۔(**اشعۃ المعات**) جس شخص نے اسلام کا اچھا طریقہ جاری کیا تو اس کے لئے اس کے اس عمل کا بھی اجر ہے اور قیامت تک جو بھی اس طریقے پر عمل کرے گا اس کا ثواب بھی ملتا رہے گا اور عمل کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔(مشکوٰۃ کتاب العلم بحوالہ مسلم، مرقاۃ)

صدقہ جاریہ میں دینی کتابیں بھی داخل ہیں۔بلکہ بہتر صدقہ جاریہ ہے ان کے ذریعہ سے دین کی نشر واشاعت ہوتی رہتی ہے۔اور کتاب لکھنے والے شائع کرنے والے اور وقف کرنے والے سب کے لئے ہمیشہ باعث اجر وثواب ہے۔اسی لئے صاحب بدایۂ منظوم لکھتے ہیں

اَجرِ تصنیفِ ایں کتاب خدا — برساناد والِدَ ین مرا

اس کتاب کی تصنیف کا ثواب اللہ تعالیٰ میرے والدین کو پہنچائے۔

علامہ رضی الدین حسن الصاغانی متوفی ۶۵۰ھ اپنی کتاب مشارق الانوار النبویہ کے متعلق لکھتے ہیں:وَھُوَ اَنِیْسِیْ (مُدَّۃُ حَیَاتِیْ فِی الدُّنْیَا وَیَشْفِیِ الْمُشَفَّعُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْعُقْبٰی ۔ (**خطبہ مشارق الانوار**) اور دنیا کی زندگی میں میری مونس ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا قیامت میں میری شفیع اور مشفع ہوگی۔

معلوم ہوا کہ دینی کتاب دنیا میں بھی مونس ہے۔اور قیامت کے دن شفاعت کا موجب ہوگی۔اور کتاب سب سے افضل تحفہ اور یادگار ہے۔

مخیر حضرات علماء کی کتابیں چھپوا کر اپنے لئے صدقہ جاریہ اور توشہ آخرت بنائیں۔

توشہ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ ابھی — کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے — فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

فرشتہ صفت زبیدہ خاتون بنت جعفر متوفی ۲۱۴ھ زوجہ خارون الرشید حج کے لئے گئی تو دیکھا کہ مکہ اور عرفات میں حجاج کو پانی بآسانی نہ ملنے کی وجہ سے بڑی دشواری ہے تو اس نے حنین کے پہاڑ طادوغیرہ سے پانی کی نہر نکلوا کر عرفات اور شہر مکہ میں پہنچائی تھی۔ جس سے حجاج کے لئے آسانی پیدا ہوئی۔ اور بارہ سو سال تک حجاج اور اہلیانہ مکہ اس نہر کا پانی سے سیراب ہوتے رہے ہیں۔ یہ زبیدہ خاتون کا عمل صدقہ جاریہ ہے۔ جس کی وجہ سے اس مرحومہ کا نام بھی زندہ ہے۔ اور اس نیک عمل کی یادگار بھی باقی ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں:

نمرد آنکہ ماند پس از وے بجائے　　　پل وخانی وخوان ومہماں سرائے

ہر آنکو نماند از پش یادگار　　　درخت وجودش نیاورد بار

وگررفت گے وایثار وخیرش نماند　　　نشاید پس مرگش الحمد خواند

وہ شخص نہیں مرا جس کے بعد اس کے قائم مقام پُل اور تالاب اور لنگر خانہ اور مسافر خانہ ہو۔

جس کے بعد اس کی یادگار نہ رہے اس کے وجود کا درخت کوئی پھل نہ لایا۔

اور اگر مرگیا اور کوئی قربانی وخیر نہ چھوڑی اس کے مرنے کے بعد اس پر فتحہ نہ پڑھنی چاہئے۔

حاجی شمشیر احمد صاحب کا خصوصی تعاون

محترم حاجی شمشیر احمد صاحب (برنلے، یوکے) کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں نہایت ہی معروف ومشہور ایک دینی شخصیت ہیں، جن کا دین سے انتہائی لگاؤ ہے۔ اور عرصہ دراز سے حرمین شریفین کی حاضری دے رہے ہیں، اور اپنے ہمراہ جن حجاج کو لے کر جاتے ہیں ان کی بڑے احسن طریقہ سے رہنمائی کرتے ہیں، حج کے مسائل پر خوب آگاہی رکھتے ہیں حجاج کو مسائل بتاتے ہیں تاکہ حج کی آدائیگی میں کوئی غلطی نہ ہو۔ راقم الحروف کو بھی محترم جناب حاجی صاحب کی معیت میں متعدد بار

حرمین شریفین کی حاضری دینے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔اور آپ کا جو حسن سلوک اور تعاون رہا وہ قابل تعریف ہے۔آپ خود بھی نعتیں لکھتے ہیں اور دوسروں کی نعتیں بھی خوب پڑھتے ہیں۔اور وسیع المطالعہ ہیں اس لئے مسائل بھی بیان کرتے ہیں۔ہر سال کئی بار مدینہ شریف جاتے ہیں اور بڑے شوق ذوق سے ھدیہ درود وسلام اور نعتوں کے تحائف بارگاہ رسالت میں پیش کرتے ہیں۔موصوف بڑے ذوق وشوق محبت والے ہیں متشرح نہایت ہی دیندار ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیاوی خوش حالی کے ساتھ دل کی کشادگی بھی عطا فرمائی ہے۔اس لئے دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر مال خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو قبول فرمائے۔بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ حاجی صاحب کے خصوصی تعاون سے کتاب فضائل اہل بیت رسول ﷺ کو قارئین اکرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔اور اس سے قبل بھی آپ نے متعدد کتابیں کثیر رقم سے چھپوا کر احباب کو تحفتاً پیش کی ہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست   تا نبخشد خدائے بخشندہ

اور یہ نیک بختی قوت بازو سے حاصل نہیں ہوتی ہے جب تک دینے والا خدا توفیق نہ دے۔

میں دل کی گہرائیوں سے حاجی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ حاجی صاحب کی اس دینی خدمت کو شرف قبولیت عطاء فرمائے،اور رسول اللہ ﷺ کی خصوصی شفاعت سے بہرورہ فرمائے۔صحابہ کرام اور اہل بیت سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اور ایمان وجان، مال اور اولاد کی سلامتی عطاء فرمائے اور ذکر مصطفیٰ ﷺ اور ذکر اہل بیت وصحابہ کرام اور دیگر نیک کاموں کو ہم سب کے لئے ذریعہ نجات اور صدقہ جاریہ بنائے۔آمین بجاہ النبی الکریم۔

حاجی صاحب سے رابطہ کے لیے فون نمبر یہ ہے 00447966226368

حرف آغاز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قارئین کرام اچھی طرح یادرکھیں۔کہ صحابہ کرام واہل بیت عظام دونوں کی محبت لازم ملزوم ہے۔

چنانچہ علامہ سید احمد زینی دخلان مکی (متوفی ۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں

فَیَجِبُ عَلٰی کُلِّ اَحَدٍ اَنْ یُحِبَّ اَہۡلَ بَیۡتِ النَّبِیِّ ﷺ وَجَمِیۡعَ الصَّحَابَۃِ مِنَ الۡعَرَبِ وَالۡعَجَمِ لَا سِیَّمَا جِنۡسِہٖ ﷺ وَلَا یَکُوۡنُ مِنَ الۡخَوَارِجِ فِیۡ بُغۡضِ اَہۡلِ الۡبَیۡتِ فَاِنَّہٗ لَا یَنۡفَعُہٗ حِیۡنَئِذٍ حُبُّ الصَّحَابَۃِ وَلَا مِنَ الرَّوَافِضِ فِیۡ بُغۡضِ الصَّحَابَۃِ فَاِنَّہٗ لَا یَنۡفَعُہٗ حِیۡنَئِذٍ حُبُّ اَہۡلِ الۡبَیۡتِ ولا من الاروام الذین یکرھون العرب بالطبع الملام ویرمونھم بسوء الکلام، فانہ یخشی منہ سوء الختام (السیرۃ النبویۃ والاثار الاحمدیۃ، ص ۱۴)

تو ہر ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت سے محبت رکھے اور تمام صحابہ کرام سے بلکہ عرب وعجم سے محبت کرے کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے۔اور بغض اہل بیت میں خوارج سے نہ ہونا چاہئے کیونکہ خوارج کو صحابہ کی محبت کوئی فائدہ نہیں دے گی (اہل بیت کی محبت کے بغیر) اور نہ رافضیوں سے ہونا چاہئے جو صحابہ سے دشمنی رکھتے ہیں کیونکہ رافضیوں کو اہل بیت کی محبت کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی صحابہ کی محبت کے بغیر (یعنی دونوں کی محبت لازم وملزوم ہے۔اور خوارج کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت اس وقت تک کبھی فائدہ نہیں دے سکتی جب تک کہ وہ اہل بیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغض میں گرفتار ہیں اور رافضیوں کو اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اس وقت تک کام نہیں دے گی جب تک کہ وہ بغض صحابہ کرام میں پھنسے ہوئے ہیں)۔اور نہ ان لوگوں کو محبت رسول کا کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہے جو باطن میں عربوں سے اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے انہیں ملامت کا نشانہ بناتے ہیں اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کو اس کے برے انجام سے ڈرنا چاہئے۔

محبت اہل بیت اور تعظیم صحابہ کرام کا عقیدہ اھل سنت وجماعت کے خصوصیات میں سے ہے

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۳۹ھ) ایمان کامل میں فرماتے ہیں

حبِ اہل بیت واصحاب نبی ☆ عین ایمان ست بشنوای اخی

کار ایشان رابسوی حق گذار ☆ وزعتاب شان دہان رابستہِ دار

مذہب روافض شنیع ست وقبیح ☆ خارجی خارج شداز دین ملیح

مذہب سنی کتاب وسنت ست ☆ جائے سنی درمیان جنت است

ترجمہ: کہ اہل بیت اور اصحاب نبی کی محبت عین ایمان ہے۔ان کے کام اللہ پر چھوڑ دے اور ان کو عتاب کرنے سے منہ کو بند رکھ۔اہل بیت اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی محبت عین ایمان ہے اے بھائی کان لگا کر سن لو۔روافض کا مذہب برا ہے۔خارجی دین مبارک سے باہر ہے،
سنی کا مذہب کتاب وسنت کے مطابق ہے۔سنی کی جگہ جنت کے درمیان ہے۔
حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی متوفی فرماتے ہیں:

دفتر دارم سیاہ ازمعصیت بے چارہ من ☆ گر شفاعت نامئہ نایدز دیوانِ تو ام

چوں بود عز شفاعت راحمای بس منیع ☆ آل واصحاب ترا پیش تو می آرام شفیع

(کلیات جامی ص۱۹)

ترجمہ: کیونکہ گناہوں کی کثرت سے مجھ غریب کا اعمالنامہ سیاہ ہو چکا ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفتر سے مجھے شفاعت نامہ نہ ملے تو میرا کوئی ٹھکانا نہیں، چونکہ مجھ گنہگار کی گندی فطرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا اعزاز حاصل کرنے میں مانع ہے۔اس لیے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آل اور اصحاب کو بھی حضور کی خدمت میں بطور سفارش پیش کر رہا ہوں۔

بعض لوگ ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج قرار دیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمہ کو مانتے دیگر صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں۔حضرت سیدہ فاطمہ کا ذکر کرتے ہیں اور ضرور کرنا چاہے مگر حضرت سیدہ زینب حضرت سیدہ رقیہ کی اور حضرت ام کلثوم رضی

اللہ عنہن کا ذکر بھی کرنا چاہئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء سب سے افضل ہیں۔مگر اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی ساری اولاد پیاری تھی کیا بنات ثلاثہ کے انکار کرنے یا ان کا ذکر خیر نہ کرنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مقدسہ خوش ہوگی یا ناراض قارئین ہی خود فیصلہ کریں فضائل اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر بے شمار کتابیں تحریر کی گئیں ہیں اب لکھنے کا مقصد صرف حصول ثواب اور اپنی عقیدہ ومحبت کا اظہار ہے۔یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے قرآن وحدیث اور علماء کرام کے ارشادات کی روشنی میں عقائد اہل سنت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت کے فضائل اور مناقب مدلل ذکر کئے گئے ہیں۔اور بہت سے فرائد وفوائد بھی جمع درج کردئے گئے ہیں۔ راقم السطور کو اپنی کم علمی کا پورا پورا احساس اور اعتراف ہے۔حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ کوئی فحش غلطی نہ رہ جائے۔پھر بھی غلطیوں کا ہونا ممکن ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ مسکین کی کاوش کو شرف قبولت عطا فرمائے اور سب معاونین کے لئے بھی صدقہ جاریہ اور ذریعہ نجات بنائے۔رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا، (سورہ بقرہ ۲۸۶) اے ہمارے رب نہ ہماری گرفت فرما اگر ہم بھول جائیں یا بے ارادہ ہم سے غلطی صادر ہوجائے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (سورہ بقرہ ۲۰۰) اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور ہمیں آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔

طالب دعا بندہ ناچیز غلام حسین عاصم ماتریدی

مصطفی منزل، ۸۵ بی بلاک کشمیر کالونی جہلم پاکستان

حال مقیم برائر فیلڈ برطانیہ

۱۴۴۰ھ ۲۰۱۸ء

پہلا باب: اَہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمومی فضائل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

قارئین کرام! اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل ومناقب کے سلسلہ میں متعدد (بقول بعض سترہ) آیات اور بیشمار حدیثیں کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔ یہاں حصول ثواب کی خاطر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد سے بعض مناقب اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان کئے جاتے ہیں۔

آیت تطہیر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (احزاب ۳۳)۔ ترجمہ: بیشک اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کردے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک صاف کردے۔

اس آیت کا آغاز کلمہ اِنَّمَا سے کیا گیا ہے اور اِنَّمَا (سوائے اس کے نہیں بس) کلمہ حصر ہے اِنَّ حرف مشبہ بالفعل مَا کَافَّہ جس نے اِنَّ کے عمل کو روک دیا ہے اور اسی لئے اِنَّ فعل مضارع پر داخل ہوا۔ يُرِيْدُ فعل مضارع باب افعال، اِرَادَةً (اراد کرنا چاہنا) سے بنا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (البقرہ ۲۵۳) اور لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

لِيُذْهِبَ میں لام کے بمعنی تا کہ اِذْهَابٌ (لے جانا، دور کردینا) سے بنا ہے۔ اَلرِّجْسُ گندگی پلیدی فسق وفجور مراد ہے۔

لفظ اَهْلَ الْبَيْتِ (گھر والے) کا اعراب اس طرح بیان کی گیا ہے و أَهْلَ الْبَيْتِ نصب على النِّداء، أوْ على المَدْح۔ وفي هذا دليلٌ بيِّن على انَّ نِسَاءَ النبيِّ ﷺ مِن أهلِ

بَیْتِہٖ (تفسیر کشاف مع الفتوح الغیب، ج ۱۲، ص ۴۲۱)۔ وَاَھْلِ بَیْتِ (اور گھر والے) نداء کی وجہ سے منصوب ہے یا مدح کی بناء پر۔ تو اس آیت میں واضح دلیل ہے اس بات کی کہ نبی کریم ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کی اہل بیت ہیں۔ قاضی ناصر الدین البیضاوی لکھتے ہیں کہ لفظ اَھْلَ الْبَیْتِ حرف ندا (یا) کی وجہ سے منصوب ہے۔ اصل میں یَا اَھْلَ الْبَیْتِ۔ (اے گھر والوں) ہے۔ یا مدح کی بناء پر منصوب ہے اصل میں ہے اَمْدَحُ اَھْلَ الْبَیْتِ۔ میں (نبی ﷺ کے) گھر والوں کی تعریف کرتا ہوں (تفسیر البیضاوی)۔

اس آیت میں اَھْلَ الْبَیْتِ لفظاً مذکر ہے اور معنی مؤنث ہے۔ مذکر ضمیروں (عَنْکُمْ اور یُطَھِّرَکُمْ) کے لانے میں لفظ کی رعایت ہوتی ہے، معنیٰ کی رعایت نہیں ہوتی (تبیان القرآن)۔ یُطَھِّرُ کا عطف لِیُذْھِبَ پر ہے اس لئے منصوب ہے تَطْھِیْرًا (پاک کرنا، متقین بنانا) مفعول مطلق جو فعل یُطَھِّرَ کی تاکید کے لئے ہے

شیخ شہاب الدین احمد بن حجر مکی الھیتمی (متوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں وَھٰذِہِ الْاٰیَۃُ الشَّرِیْفَۃُ اِنَّھَا مَنْبَعُ فَضْلِھِمْ لِاِشْتِمَالِھَا عَلٰی غُرَرٍ مِنْ مَآثِرِھِمْ، وَالْاِعْتِنَاءِ بِشَأْنِھِمْ۔ حَیْثُ ابْتُدِئَتْ اِنَّمَا الْمُفِیْدَۃُ لِحَصْرِ اِرَادَتِہٖ بِاِنَّمَا الْمُفِیْدَۃُ لِحَصْرِ اِرَادَتِہٖ تَعَالٰی فِیْ اِذْھَابِ الرِّجْسِ وَالَّذِیْ ھُوَ الْاِثْمُ وَالشَّکُّ فِیْمَا الْاِیْمَانُ بِہٖ عَنْھُمْ، وَتَطْھِیْرُھُمْ مِنْ سَائِرِ الْاَخْلَاقِ السَّیِّئَۃِ وَالْاَحْوَالِ الْمَذْمُوْمَۃِ۔ (الصواعق المحرقۃ، ج ۲، ص ۴۲۵)۔ اور یہ ایت اہل بیت نبوی کے فضائل کا منبع ہے کیونکہ ان میں ان کے روشن کارناموں اور بلند شان کا ذکر ہے۔ اس کی ابتدا انما کے لفظ سے ہوئی ہے جو حصر کے لئے آتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ اس سے اس ناپاکی کو دور کردے گا۔ جو ایمانیات میں فساد اور شک کو موجب ہوتی ہے اور انہیں دیگر اخلاق واحوال مذمومہ سے پاک کردے گا۔

وَخَتَمَتْ بِالْمَصْدَرِ الَّذِیْ هُوَ: تَطْهِیْرًا، لِلْمُبَالَغَةِ فِیْ وُصُوْلِهِمْ لِاَعْلَاهُ، وَفِیْ رَفْعِ التَّجَوُّزِ عَنْهُ، وَتَنْوِیْنُهُ تَنْوِیْنُ التَّعْظِیْمِ وَالتَّکْثِیْرِ وَالْاِعْجَابِ، وَهُوَ یُفِیْدُ اَنَّ هٰذَا التَّطْهِیْرَ لَیْسَ مِنْ جِنْسِ مَا یُتَعَارِفُ وَیُؤْلَفُ۔ (الصواعق المحرقۃ، ج۲،ص ۴۲۷) اوراس آیت تطہیر کومبالغہ پر ختم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ وہ طہارت کے اعلیٰ مقام پر پہنچیں گے اوراس سے آگے بھی بڑھ جائیں گے۔ پھراس (تطہیرا) کی تنوین، تعظیم،اور تکثیر مفید کے لئے ہے کہ یہ طہارت متعارف اور تالیف کی جنس سے نہیں۔ روافض کہتے ہیں کہ آیت تطہیر پہلی آیت سے جدااور منقطع ہےاور پہلی آیت میں ازواج پاک کا بیان ہےاور آیت تطہیر میں حضرت علی ،حضرت فاطمہ زہراءاور حضرت حسنین کریمین (رضی اللہ عنہم) اہل بیت کا ذکر ہےاور یہ انہی کے ساتھ خاص ہے۔اور یہ دعوی غلط ہے اہل سنت کے نزدیک یہ آیت منقطع اور جدا نہیں ہے بلکہ متصل ہے۔اس میں ازواج مطہرات اوراولاد پاک دونوں کا ذکر ہے۔

چنانچہ امام ابومنصور محمد ماتریدی (متوفی ۳۳۳ھ) لکھتے ہیں قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ هٰذِهِ الْاٰیَةَ مَقْطُوْعَةٌ عَنِ الْاُوْلٰی لِاَنَّ الْاُوْلٰی فِیْ اَزْوَاجِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَهٰذِهٖ فِیْ اَهْلِ بَیْتِهٖ وَهُوَ قَوْلُ الرَّوَافِضِ۔۔۔ وَاَمَّا عِنْدَنَا فَهِیَ غَیْرُ مَقْطُوْعَةٍ مِنَ الْاُوْلٰی اِمَّا اَنْ یَّکُوْنَ عَلَی الْاِشْتِرَاكِ بَیْنَهُنَّ وَبَیْنَ مَنْ ذَکَرَ مِنْ اَوْلَادِهٖ اِذْ اِسْمُ اَهْلِ الْبَیْتِ مِمَّا یَجْمَعُ ذَالِكَ کُلَّهٗ فِی الْعُرْفِ (تاویلات اہل القرآن،، ج۸،ص ۳۸۲، ۳۸۳)۔

کہ بعض نے کہا کہ یہ آیت پہلی آیت سے مقطوع ہےاس لئے کہ پہلی آیت ازواج کے بارے میں ہےاور یہ آپ کے اہل بیت کے حق میں ہےاور یہ رافضیوں کاقول ہے۔لیکن یہ ایت اشتراق پر دلالت کرتی ہے ازواج اوراولاددونوں کے درمیان دونوں کے لئے جامع ہے۔اور یہ سب باتیں عرف میں ثابت ہیں۔

اہل بیت کا معنی

اس آیت تطہیر میں اہل بیت کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور اہل بیت کا معنی ہے گھر والے۔ بعض نے کہا ہے کہ اہل اور آل دونوں مترادف المعنی ہیں اور لفظ آل باعتبار لفظ کے مفرد ہے اور باعتبار معنی کے جمع ہے۔

درود شریف میں آل محمد پڑھا جاتا ہے اور آیت تطہیر میں اہل البیت ذکر کیا گیا ہے۔

آل اور اہل کے متعدد معانی ہیں۔ اولاد، ذریت، مطیع، اہل خانہ، اہل قرابت، اہل دین، گھر والے، ازواج مطہرات، اولاد، وغیرہ۔

علامہ عبدالحق حقانی لکھتے ہیں، اہل بیت کے لغوی معنی گھر والے کے ہیں اور اصطلاح میں خصوصا عرب کے عرف میں اس لفظ کا اطلاق خاص بیوی پر ہوتا ہے گو گھر میں بیٹا، بیٹی، پوتا، نواسہ، نواسی بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح نوکر چاکر، خادم بھی۔ اور اسی طرح قرآن مجید میں ایک جگہ یہی اہل بیت کا لفظ خاص حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پر بھی استعمال ہوا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (سورہ ھود ۱۱: ۷۳)۔ ترجمہ: فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکم سے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔ اور عرب بولتے ہیں كَيْفَ اَهْلُكَ کہ تیرے گھر والے کیسے ہیں؟ گھر والی کی خیریت پوچھتے ہیں۔ ہمارے عرف میں بھی اہل خانہ گھر والی بیوی کو کہتے ہیں۔ اس لئے علماء اسلام کا ایک جم غفیر اس کا قائل ہوا ہے کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ہیں (تفسیر فتح المنان، ۴:۷)۔

اسی طرح سورہ قصص میں لفظ اھل البیت آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا۔

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ (قصص ۱۲) کیا میں تمہیں بتادوں ایسے گھر والے۔

اہل بیت کون ہیں؟

اس بارے میں چند قول ہیں کہ اہل بیت سے کون حضرات سمراد ہیں: (۱) حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم (۲) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن (۳) آپ کی اہل بیت اور ازواج مراد ہیں (الصواعق المحرقۃ وغیرہ)۔

امام فخر الدین رازیؒ (متوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں اِخْتَلَفَ الْاَقْوَالُ فِيْ اَهْلِ الْبَيْتِ وَالْاَوْلٰى اَنْ يُّقَالَ هُمْ اَوْلَادُهٗ وَاَزْوَاجُهٗ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ مِنْهُمْ وَعَلِيٌّ مِنْهُمْ لِاَنَّهٗ كَانَ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ بِسَبَبِ مُعَاشَرَةِ بِبِنْتِ النَّبِيِّ وَمُلَازَمَتِهٖ ﷺ (تفسیر کبیر، اشعۃ المعات)۔ کہ اہل بیت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں اور بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ حضور کی اولاد، ازواج، حضرت حسن اور حضرت حسین آپ کی آل سے ہیں اور حضرت علی بھی آل میں سے ہیں (رضی اللہ عنھم اجمعین) کیونکہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ زندگی گزارنے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی رہنے کی وجہ سے آل بیت سے ہیں۔

امام العقائد نجم الدین ابو حفص عمر نسفی رحمہ اللہ متوفی ۵۳۷ھ لکھتے ہیں قال ابن عباس و عکرمہ هم ازواج النبی ﷺ علی الخصوص لان ما قبلها وما بعدها فیهن قال الحسن بن الفضل وهو الصحیح وبه قال الامام ابو منصور الایة فی اهل النبی ﷺ من الازواج وغیرهن وفی حدیث ام سلمه انها قالت یا رسول الله وانا من اهل البیت قال نعم والخطاب بالکاف والمیم (کم) هھنا لشموله الذکران والاناث (التیسیر فی التفسیر ج ۳ مخطوط ورق ص ۱۴۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ ابن عباس اور عکرمہ کہتے ہیں کہ خصوصی طور پر اہل بیت سے مراد ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہیں۔ کیونکہ آیت تطہیر کے ماقبل اوراس کے بعد کی آیات ازواج ہی کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔
حسن بن فضل کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے وریہی بات امام ابومنصور نے فرمائی کہ آیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل
بیت کی شان میں ہے۔یعنی ازواج اوران کے سوا۔حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ انہوں
نے کہا یارسول اللہ وَاَنَامِنْ اَھْلِ الْبَیْتِ اور میں اہل بیت سے ہوں آپ نے کہا ہاں۔اور
کاف میم (کم) کے ساتھ خطاب (کم) سے۔یہاں مردعورتوں کی شمولیت کی وجہ سے ہوا ہے۔
امام ابوعبداللہ محمد قرطبیؒ (متوفی ٦٦٨ھ) فرماتے ہیں اَنَّهَا عَامَّةٌ فِیْ جَمِیْعِ اَھْلِ الْبَیْتِ مِنَ
الْاَزْوَاجِ وَغَیْرِهِمْ وَاِنَّمَا قَالَ وَیُطَهِّرُکُمْ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَعَلِیًّا وَحَسَنًا وَ
حُسَیْنًا کَانَ فِیْهِمْ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْمُذَکَّرُ وَالْمُؤَنَّثُ غُلِّبَ الْمُذَکَّرُ فَاقْتَضَتِ
الْاٰیَةُ اَنَّ الزَّوْجَاتِ مِنْ اَھْلِ الْبَیْتِ لِاَنَّ الْاٰیَةَ فِیْهِنَّ وَالْمُخَاطَبَةُ لَهُنَّ۔ یَدُلُّ
عَلَیْهِ سِیَاقُ الْکَلَامِ (تفسیر قرطبی)۔بیشک یہ آیت عام ہے کہ تمام اہل بیت،ازواج اوران
کے علاوہ سب اس میں داخل ہیں۔اوراس میں ضمیر مذکراس لئے لائی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
حسن وحسین اورعلی (رضی اللہ عنھم) اس میں داخل ہیں۔اور جب مذکرومؤنث جمع ہوں توتغلیباً مذکر
کا صیغہ لایا جاتا ہے۔اوراس آیت سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات تواہل بیت میں داخل
ہیں کیونکہ یہ آیت انہیں کے بارے میں ہے اور خطاب بھی ان ہی سے کیا گیا ہے۔اور سیاق کلام بھی
اسی پردلالت کرتا ہے۔
علامہ سید میر عبدالواحد بلگرامیؒ (متوفی ۱۰۱۷ھ) لکھتے ہیں کہ اہل بیت کی تین قسمیں ہیں۔(۱) پہلی
قسم اصل اہل بیت (۲) دوسری قسم داخل اہل بیت (۳) تیسری قسم لاحق اہل بیت۔اصل اہل بیت
تیرہ نفر ہیں: نوازواج مطہرات اور چار صاحبزادیاں (رضی اللہ عنھن)۔اور داخل اہل بیت تین نفر
ہیں: علی مرتضیٰ، حسن اور حسین (رضی اللہ عنہم) اور لاحق اہل بیت وہ لوگ ہیں جن کواللہ تعالیٰ نے ناپا

کیوں اور گناہوں سے پاک کر دیا ہے اور ان کو کمال تقویٰ اور پاکیزگی عنایت فرمائی ہے خواہ وہ سادات ہوں یا سادات کے علاوہ۔ چنانچہ حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) اگرچہ سید نہ تھے لیکن ناپاکی سے کمال طہارت کی وجہ سے اہل بیت سے لاحق تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان من آھل البیت۔ سلمان ہمارے اہل بیت سے ہیں (سبع سنابل، ص ۹۴)

(۴:) علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی بغدادی لکھتے ہیں وَیَدْخُلُ فِیْ ذٰلِکَ اَزْوَاجُہٗ وَالْاَرْبَعَۃُ اَھْلُ الْکِسَاءِ وَعَلِیٌّ کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ مع مَالَہٗ مِنَ القرابَۃِ من رَّسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم (روح المعانی)۔ اس میں ازواج مطہرات اور چاروں چادر والے اور علی کرم اللہ وجہہ مع اس قرابت کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رکھتے ہیں، داخل ہیں۔

علامہ سید نعیم الدین مرادابادی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ثابت ہوا بیبیاں اہل بیت میں داخل ہیں۔ اس آیت سے اہل بیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور اہل بیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواج مطہرات، حضرت خاتون جنت فاطمہ زہراء، حضرت علی المرتضی اور حسنین کریمین سب داخل ہیں۔ آیات واحادیث کو جمع کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے اور یہی امام ابو منصور ماتریدی سے منقول ہے (خزائن العرفان، سورہ احزاب ۱۱: ۳۳، حاشیہ ۱۵۶، تفصیلات احمدیہ)۔ مفتی احمد یار خان نعیمیؒ بیان فرماتے ہیں کہ اہل بیت کے معنی ہیں گھر والے۔ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند معنوں میں آتا ہے۔

(۱) جن پر زکوۃ لینا حرام ہے یعنی بنی ہاشم، عباس، علی، جعفر، عقیل، حارث کی اولاد۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں پیدا ہونے والے یعنی اولاد۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں رہنے والے جیسے ازواج پاک (رضی اللہ عنھن)۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں آنے جانے والے جیسے حضرت زید ابن حارثہ اور اُسامہ

ابن زید (مراۃ شرح مشکوۃ ۸:۴۵۰، اشعۃ اللمعات)۔

انبیاء و رسل کے سوا کوئی معصوم نہیں

آیت تطہیر میں تطہیر سے دنیا میں شرک و کفر اور گناہوں سے پاک ہونا مراد ہے اور آخرت میں مغفرت فرمانا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی، حضرت فاطمہ زہراء اور حسنین کریمین اور دیگر ائمہ اہل بیت معصوم عن الخطا ہیں۔ یہ استدلال درست نہیں اس لئے کہ یہ آیت عصمت پر دلالت نہیں کرتی۔ ارادہ تطہیر کا معنی عطاء عصمت (معصوم ہونا) نہیں۔ تقوی، تزکیہ نفس اور تہذیب باطن مراد ہے۔ نیز گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اگر عصمت مراد ہو تو ہر طھارۃ (وضوء) کرنے والے بھی معصوم ہوں گا کیونکہ آیت وضوء میں تمام ایمانداروں کو خطاب کیا اللہ تعالی فرماتا ہے مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (سورہ مائدہ ۵:۶)۔ ترجمہ: اللہ تم کو کسی قسم کی تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن وہ تم کو پاک کرنے کا اور تم پر اپنی نعمت کے پورا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ اور ان دونوں آیتوں میں اللہ کا ارادہ تطہیر مشروط ہے۔ آیت وضو میں مشروط بالوضو ہے اور آیت تطہیر میں مشروط بالتقوی ہے کہ وضو کرو گے تو نجاست بدنی سے پاک ہو جاؤ گے۔ اسی طرح تم اے اہل بیت تقوی اختیار کرو گے تو گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ غزوہ بدر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے لِيُطَهِّرَكُمْ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ (سورہ انفال ۸:۱۱)۔ ترجمہ: تاکہ پاک کرے تم کو اور دور کرے تم سے شیطان کی پلیدی۔

تو ایسا نہیں کہ طھارۃ کرنے والے گناہوں سے پاک اور معصوم ہوں۔ لہٰذا آیت تطہیر میں تقوی پرہیز گاری مراد ہے اور آیت وضو میں نجاست کا دور کرنا ہے اس لئے اہل سنت و جماعت کے نزدیک عصمت نبیوں اور فرشتوں کے سوا اور کسی کے لئے ثابت نہیں۔

عصمت انبیاء کرام علیہم السلام کی حکمت

امام ابومنصور ماتریدیؒ (متوفی ۳۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ انبیاء کے حق میں وجوب عصمت کی تاکید ملائکہ کے حق میں تاکید کرنے سے زیادہ اہم ہے کیونکہ لوگ حضرات انبیاء علیہم السلام کی متابعت پر مامور ہیں اور ملائکہ کی اطاعت پر مامور نہیں (المعتمد فی المعتقد ،ص ۸۳)۔ چونکہ انبیاء کرام کے قول وفعل کی اطاعت ضروری ہوتی ہے۔اس سے ان کا گناہوں سے پاک ہونا لازمی ہے۔کسی اور کے لئے عصمت شرط نہیں ہے اور نہ کوئی معصوم عن الخطاء ہے۔

عظمت امہات المؤمنین

اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو مسلمانوں کی مائیں فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (سورہ احزاب ۶:۳۳)۔ترجمہ: یہ نبی مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں اور ان کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں۔

(ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بڑی شان ہے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرماتا ہے۔یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (سورہ احزاب ۳۲)۔اے نبی کی بیویو! اگر تم اللہ سے ڈرتی رہو تو تم (دنیا کی) کسی بھی عام عورت جیسی نہیں ہو،لہٰذا تم ایسے نرم لہجے میں بات کرو کہ دل کی بیماری والا شخص کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے، ہاں دستور کے مطابق اچھی بات کہو۔

اس ایت کی تفسیر میں امام ماتریدی فرماتے ہیں فِی الْفَضِیْلَةِ عَلٰی غَیْرِهِنَّ مِنَ النِّسَاءِ لِاَنَّهُنَّ یَكُنَّ اَزْوَاجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِی الْاٰخِرَةِ وَیَرْتَفِعْنَ اِلٰی دَرَجَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَیَكُنَّ مَعَهٗ فَاِنْكُنَّ لَسْتُنَّ كَغَیْرِكُنَّ مِنَ النِّسَاءِ فِی الْفَضِیْلَةِ وَالدَّرَجَةِ (تاویلات القرآن ج ۱۱ ص ۳۳۸،۳۳۹)۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام اور آپ کے عظم مرتبہ کی وجہ سے اس آیت میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواج پاک کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔اس لئے ان کو حق تعالیٰ نے خود مخاطب فرمایا دوسرے تمام عورتوں کے درمیان میں جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو خطاب فرمایا اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کر اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع کر تم دوسری عورت سے فضیلت میں بے مثل ہو اس لئے کہ تم آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ہوں گی اور تم بلند مرتبہ ہوں گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ درجوں میں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہو گی جنت میں۔تو بیشک تم فضیلتس اور درجوں میں دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو (بشرطیکہ پرہیز گاری اختیار کرو)

اور آیت تطہیر سے پہلے فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں اور اس آیت کے بعد بھی ازواج سے خطاب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (سورہ احزاب ۳۴)۔ترجمہ: اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمتوں سے جو پڑھی جاتی ہے تمہارے گھروں میں۔ان آیات سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواج اہل بیت ہیں۔دنیا اور آخرت میں آپ کی ازواج مطہرات ہیں۔اسی لئے امت کے لئے ان سے نکاح کرنا حرام فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا (سورہ احزاب ۳۳:۵۳)۔ ترجمہ: اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی۔

چونکہ انہوں نے ہر مشکل وقت میں ایمانداری، وفاداری اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتا ہے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ (سورہ احزاب ۳۳:۵۲)۔ترجمہ: حلال نہیں آپ کے لئے دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کرلیں ان ازواج سے دوسری بیویاں اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن بجزء کنیزوں کے۔

اورسورہ احزاب کی آیت ۵۰ اور ۵۲ میں ازواج مطہرات کے متعلق احکام بیان ہوئے ہیں اور خصوصی طور پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی طہارت اور شان میں سورہ نور کی تقریبا 17 آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

درود شریف میں ازواج مطہرات کو شریک کیا گیا

ازواج مطہرات کی یہ فضیلت کی دلیل ہے کہ ان پر بھی درود شریف پڑھا جاتا ہے۔

حضرت ابوحمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ تو آپ نے فرمایا تم کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ، وَبَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (الصحیح البخاری، ۳۳۶۹) ترجمہ: اے اللہ تو درود بھیج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی ازواج اور اولاد پر جیسے تو نے درود بھیجا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر اور برکت بھیج محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی بیویوں پر اور ان کی اولاد پر جیسے تو نے برکت بھیجی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر۔ تو بلاشبہ تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اس بات کو پسند کرے کہ اس کے پیمانے میں پورا ثواب دیا جائے تو وہ یوں درود بھیجے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ وَاُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَذُرِّیَّاتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ (صحیح مسلم)۔ ترجمہ: اے اللہ! اُمی نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی بیویوں اور ایمانداروں کی ماؤں اور ان کی اولاد پر اور اہل بیت پر رحمت بھیج جیسے تو نے رحمت بھیجی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر۔ بیشک تو حمد و بزرگی والا ہے۔

ازواج مطہرات کے اسماء گرامی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (۱) پہلی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا یہاں تک کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی۔اور آپ کے بہت سے فضائل اور مناقب بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد جن خواتین سے نکاح کیا (ان کے نام یہ ہیں):

(۲) حضرت سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا (متوفی ۱۷ رمضان ۵۴ھ) اور اس سے قبل وہ سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں (۳) حضرت سیدہ عائشہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا۔اور ان سے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کیا اور اس وقت وہ چھ سال کی تھیں۔اور ان کی رخصتی کے وقت ان کی عمر ۹ برس تھی۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ برس تھیں۔

(۴) حضرت سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا (۴۱ھ یا ۴۵ھ) (۵) زینب بنت خذیمہ ھلالیہ ام المساکین (۶) حضرت سیدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان۔ان کا نکاح نجاشی نے آپ سے کیا تھا اور ان کا مہر ان کی طرف سے چار صد دینار ادا کئے تھے (۷) سیدہ ہند بنت ابی امیہ ام سلمہ (۸) سیدہ زینب بنت جحش اور یہی ام الحکم ہیں (۹) سیدہ جویریہ بنت حارث خُزاعیہ (۱۰) سیدہ صفیہ بنت حییّ (بن اخطب)۔(۱۱) سیدہ میمونہ بنت حارث ھلالیہ۔(رضی اللہ عنھن)۔

ان میں سے حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال سے پہلے ہی فوت ہوگئیں تھیں۔اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت نو ازواج مطہرات زندہ تھیں۔

اہل اسلام کی مادرانِ شفیق   بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

جلوہ گیان بیت الشرف پر درود   پردگیان عفت پہ لاکھوں سلام

(حدائق بخشش)

ابناء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّآ أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۔ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ
اے محبوب بیشک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرزند حضرت قاسم کا وصال ہوا تو کفار نے آپ کو ابتر یعنی منقطع النسل کہا اور یہ کہا کہ اب ان کی نسل نہیں رہی ان کے بعد اب ان کا ذکر بھی نہ رہے گا یہ سب چرچا ختم ہوجائے گا اس پر سورہ کریمہ نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی تکذیب کی اور ان کا بلیغ رد فرمایا۔ (حزائن العرفان)

(۱) حضرت قاسم رضی اللہ عنہ پہلے مولود ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر میں حضرت خدیجہ طاہرہ کے بطن سے پیدا ہوئے پاؤں پر چلنا سیکھ گئے تھے کہ فوت ہو گئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر ہے۔

(۲) اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ انہی کا لقب طیب طاھر ہے۔ مکہ معظّمہ میں بعثت نبوت کے بعد پیدا ہوئے تھے مکہ معظّمہ میں ہی میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان ہی کے وفات پر سورہ کوثر نازل ہوئی۔

(۳) حضرت ابراھیم رضی اللہ عنہ جو سیدہ ماریہ قبطیہ کے شکم اطہر سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور بچپن میں وفات پا گئے تھے۔ اور ان کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے جدامجد حضرت خلیل الرحمن کے نام پر ابراہیم رکھا۔

حضرت براءٔ بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرزند) ابراہیم کا (شیرخوارگی کی عمر میں) انتقال ہوا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ابراہیم کو جنت میں (پہنچا دیا گیا

ہے اور وہاں) اس کے لئے ایک دودھ پلانے والی یعنی دایہ (مقرر ہوگئی) ہے (جوان کے دودھ پلانے کے زمانہ کو پورا کرے گی ۔(بخاری حدیث ۱۳۸۲)۔

بعض شارحین نے دودھ پلائے جانے سے یہ مراد لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کے لئے جنت کی تمام نعمتیں مہیا کر دی ہیں اور وہ بہشت میں مزے لوٹ رہے ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب کسی لفظ کے حقیقی معنی امکان وقوع رکھتے ہوں تو اس کے مجازی معنی مراد لینا جائز بھی نہیں ہے (مظاہر حق جدید)۔

یہ حدیث ظاہرا اس بات کی دلیل ہے کہ پاک نفس و پاکباز لوگ مرنے کے بعد اسی وقت جنت میں پہنچا دیئے جاتے ہیں اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ موعودہ جنت وجود میں آ چکی ہے اور موجود ہے۔(مظاہر حق)

علامہ علی قاری لکھتے ہیں فیہ دلالۃ ظاھرۃ ان ارباب الکمال یدخلون الجنۃ فی الحال عقیب الانتقال، وان الجنۃ الموعودۃ مخلوقۃ موجودۃ۔ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۸۹)

بنات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اہل سنت و جماعت کے نزدیک باتفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ہی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء تھیں اور حضرت زینب رقیہ، ام کلثوم یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاذ اللہ حقیقی بیٹیاں نہیں تھیں ۔ بلکہ ربائب (پروردہ) تھیں اور یہ دعوی قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ کے خلاف ہے،

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (سورہ احزاب ۵۹)،اے نبی اپنی بیویوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی

عورتوں سے فرما دو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں اس سے نزدیک تر ہے ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اور اس آیت میں لفظ ازواج زوجۃ کی جمع، بنات بنت کی جمع، اور نساء امراۃ کی جمع من غیر لفظہ ہے اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اضافت کرتے ہوئے بَنَاتِكَ (آپ کی بیٹیاں) فرمایا ہے، اور یہ لفظ بناتك حضرت فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ عنہا) پر نہیں بولا گیا کیونکہ یہ جمع کا صیغہ ہے۔ اور بنات تین یا تین سے زائد پر بولا جاتا ہے، کیونکہ جمع کا صیغہ ہے۔ اس لئے آپ کی ایک صاحبزادی نہیں ہوسکتیں۔ لہٰذا دو سے زائد ہوسکتی ہیں۔ اور اسلامی تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں ہیں۔ اولاد کو ان کے باپوں کے نام سے بلانے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ (سورہ احزاب ۵) ان کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو یہی بات اللہ کے نزدیک سچ اور انصاف کی ہے۔

(۱) امام محمد بن اسحاق مدنی متوفی ۱۵۲ھ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

ولدت خديجة لرسول الله صلى الله عليه وآله وسلم غلامين واربع نسوة: القاسم، وعبدالله، وفاطمة، وام كلثوم، وزينب، ورقية۔ (السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق ۲۷۲)۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہ) کے بطن سے دو صاحبزادے قاسم اور عبداللہ اور چار صاحبزادیاں فاطمہ، ام کلثوم، زینب اور رقیہ پیدا ہوئیں۔

(۲) امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں کہ سیدہ زینب سیدہ رقیہ سیدہ فاطمہ سیدہ ام کلثوم (طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۱) اور امام محمد بن سعد نے طبقات الکبریٰ کی آٹھوی جلد کے صفحہ سولہ پر اسی ترتیب سے بنات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات بیان کئے: ۱) حضرت سیدہ فاطمہ ۲) حضرت سیدہ زینب ۳) حضرت سیدہ رقیہ اور ۴) حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن۔

(۳) مورخ احمد بن یعقوب (روافض) متوفی ۲۸۴ھ لکھتے ہیں: وَوَلَدَتْ لَهُ قَبْلَ أَنْ يَبْعَثَ. اَلْقَاسِمُ وَرُقِيَّةُ وَزَيْنَبُ وَاُمُّ كُلْثُوْمٍ وَبَعْدَ مَا بُعِثَ عَبْدُ اللهِ وَهُوَ الطَّيِبُ وَالطَّاهِرُ لِاَنَّهُ وَلَدَ فِي الْاِسْلَامِ وَفَاطِمَةُ (تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۹)، اور آپ کی بعثت سے قبل آپ کے ہاں قاسم، رقیہ، زینب اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ اور بعثت کے بعد عبداللہ پیدا ہوئے، اور وہی طیب اور طاہر کے (لقب سے مشہور ہیں) اس لئے کہ وہ اسلام میں پیدا ہوئے اور حضرت فاطمہ زہراء پیدا ہوئیں۔

حافظ شرف الدین عبدِ المؤمن دمیاطی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے بیان کیا ہے كَانَ اَوَّلُ مَنْ وُّلِدَ لِرَسُوْلِ اللهِ بِمَكَّةَ قَبْلَ النُّبُوَّةِ الْقَاسِمُ وَبِهٖ يُكَنّٰى ثُمَّ وُلِدَ لَهُ زَيْنَبُ ثُمَّ رُقَيَّةُ ثُمَّ فَاطِمَةُ ثُمَّ كُلْثُوْمُ ثُمَّ وُلِدَ فِي الْاِسْلَامِ عَبْدُ اللهِ فَسُمِّيَ الطَّيِّبُ وَالطَّاهِرُ (سیرت النبویہ ۴۹)۔

اور چاروں حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن پاک سے تھیں اور سب کی ولادت مکہ معظّمہ میں ہوئی تھی۔ چاروں کے نام یہ ہیں:

(۱) حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

رضی اللہ تعالیٰ عنہا (المتوفیہ ۸ ھ) ان کا نکاح مکہ ہی میں ابو العاص بن ربیع بن عبد الشّمس بن عبد مناف سے ہوا تھا ابو العاص کی والدہ ھالہ بنت خولید حضرت حدیجہ الکبری کی سگی بین تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ہجرت کے موقع پر راہ خدا میں شدید تکلیف برداشت کی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی منقبت میں فرمایا هِيَ اَفْضَلُ بَنَاتِيْ اُصِيْبَتُ فِيَّ (زرقانی ج ۳ ص ۱۹۵)۔ یہ میری بیٹیوں میں سے افضل بیٹی ہے میرے لیے اسے مصیبت پہنچی۔ ان کی صاحبزادی کا نام امامہ تھا سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بہت پیار فرمایا کرتے تھے اور ان کو اپنی گود میں لے کر نماز بھی پڑھی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا اَحَبُّ اَهْلِيْ اِلَيَّ (مسلم) (اھل بیت میں میری سب سے زیادہ پیاری نواسی ہے)

(۲) حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

رضی اللہ تعالیٰ عنہا (المتوفیہ ۲ ھ) ان کا نکاح حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) سے ہوا تھا۔ نبی ﷺ کی دوسری بیٹی ہیں جو حضور کی ۳۳ سالہ عمر میں پیدا ہوئیں۔ ان کا نکاح مکہ ہی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ اس وقت یہ بات مکہ بھر میں مشہور تھی اَحۡسَنَ زَوۡجَیۡنِ رَاٰهُمَا اِنۡسَانٌ رُقَیَّةُ وَزَوۡجُهَا عُثۡمَانُ (سب سے اچھا جوڑا جو دیکھا گیا ہے۔ وہ حضرت رقیہ اور ان کے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں)۔

سیدہ رقیہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ہجرت فی سبیل اللہ کی سنت کو اپنے شوہر کا ساتھ دے کر قائم کیا اور ہر ایک ہجرت کرنے والے کے لیے شاہرہ ہدایت کا افتتاح ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے فرمایا تھا حاکم کرنے یہ حدیث ان کی منقبت میں روایت کی ہے اِنَّهُمَا لَاَوَّلُ مَنۡ هَاجَرَ بَعۡدَ لُوۡطٍ وَّ اِبۡرَاهِیۡمَ لوط اور ابراہیم علیہ السلام کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جنہوں نے راہ خدا میں ہجرت کی ہے۔ حضرت سیدہ رقیہ کے بطن سے ایک فرزند عبداللہ پیدا ہوئے تھے۔ اور عبداللہ سبط رسول اپنی والدہ کے بعد دو سال تک زندہ رہے ان کی عمر ۶ سال کی تھی ایک مرغ نے ان کی آنکھ کے قریب ٹھونک ماری جس سے زخم ہو گیا تھا پھر آخر اسی تکلیف میں وفات پا گئے۔ (عام کتب) لیکن بعض نے لکھا ہے کہ عبداللہ سبط رسول ﷺ زندہ رہے تھے۔ اور ان کی اولاد ہوئی۔ جو سادات رقیہ کے نام سے مشہور رہے۔ واللہ اعلم۔ اور آپ کی وفات مدینہ منورہ ۲ھ میں ہوئی

(۳) نبی ﷺ کی تیسری دختر حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

المتوفیہ ۹ھ کا نکاح ۳ھ میں حضرت عثمان غنی سے ہوا تھا۔ اسی لئے اپ کو ذوالنورین (دو نوروں والا) کہا جاتا ہے۔ اور جن دنوں سیدہ رقیہ کا انتقال ہوا تھا انہی دنوں عمر فاروق کی دختر حفصہ بھی بیوہ ہو گئی تھیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کا ذکر کیا انہوں نے انکار سا

کردیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے رنج کا اظہار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلَا اَدُلّ عثمانَ عَلٰی مَنۡ ھُوَ خَیۡرٌ لّٰہٗ مِنۡھَا وادلُّھَا عَلٰی مَنۡ ھُوَ خَیۡرٌ لَھَا مِنۡ عثمان عثمان کو حفصہ سے بہتر زوجہ ملے گی اور حفصہ کو عثمان سے بہتر شوہر ملے گا۔ اس ارشاد کے بعد حفصہ بنت فاروق کو ام المؤمنین ہونے کا شرف عطا ہوا اور عثمان غنی کو ذوالنورین بننے کی عزت حاصل ہوئی۔ سیدہ ام کلثوم کے اولاد نہیں ہوئی ۹ سنہ ھ میں انتقال ہوا حضرت علی مرتضی و فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے مراسم تدفین پورے کیے۔ صحیح بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام کلثوم کی قبر پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر دو چشمان نورانی میں پانی تھا۔ (رحمۃ للعالمین) کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی وفات کا رنج و غم ہوا تھا۔

(۴) اور سیدۃ نساء العلمین حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنۡھَا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں غالباً آپ کی ولادت نبوت کے پانچویں سال ہوئی ہے۔ حضرت امیر المؤمنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اور حضرت حسنین کریمین کی والدہ ماجدہ ہیں۔ سیدہ فضائل ومناقب کے اعتبار سے سب سے افضل ہیں۔ حضرت سیدہ ابھی عمر کے لحاظ سے چھوتی تھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ میں نماز پڑھنے گئے وہاں بہت سے کفار قریش موجود تھے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدہ میں گئے تو عقبہ بن معیط نے اونٹ کی اوجھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ پر لا رکھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح سجدہ میں تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا خبر ملنے پر آئیں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت سے اوجھ کو گرادیا اور عقبہ کے لیے دعا ضرر فرمائی۔ (صحیح بخاری باب مالقی النبی واصحابہ من المشرکین) حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ سیدہ کا نکاح واقعہ بدر کے بعد اُحد سے پہلے ہوا تھا۔ حضرت سیدہ کی وفات ۳ھ رمضان المبارک ۱۱ھ۔

شیخ محب الدین طبری لکھتے ہیں وَ اَمَّا الۡبَنَاتُ فَأَدۡرَکۡنَ الۡاِسۡلَامَ وَ آمَنَ بِہٖ وَ اتَّبَعۡنَہٗ وَ

هَاجَرْنَ مَعَهُ (خلاصۃ سیر سید البشر، ص ۱۷۴۔ السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق ص ۱۳۰)۔ بہرحال چاروں بیٹوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کی اور آپ کے ساتھ ہجرت بھی کی۔

امام ابن سید الناس لکھتے ہیں وَ اَمَّا بَنَاتُهُ فَكُلُّهُنَّ اَدْرَكْنَ الْاِسْلَامَ وَ اَسْلَمْنَ وَ هَاجَرْنَ مَعَهُ (عیون الاثر)۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں میں سے ہر ایک نے اسلام کے زمانہ کو پایا اور اسلام لے آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ انہوں نے ہجرت کی۔ (اور اسی طرح الزرقانی شرح المواھب میں ہے)

تمسک قرآن اور محبتِ اہل بیت کی وصیت

حدیث ثقلین میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمسک قرآن اور محبتِ اہل بیت کی وصیت فرمائی چنانچہ حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کی واپسی پر ایک دن مکہ ومدینہ کے درمیان پانی والے مقام پر کہ جس کا نام ''خم'' ہے خطاب عام کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے، پہلے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر لوگوں کو (اچھی باتوں اور اچھے اعمال کی) نصیحت فرمائی۔ پھر فرمایا: امابعد (حمد وثنا کے بعد)۔ اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ، میں (تمہاری ہی مانند) ایک انسان ہوں (اس امتیاز کے ساتھ کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے مجھ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر وحی آتی ہے) وہ وقت قریب ہے جب میرے پروردگار کا فرستادہ (یعنی ملک الموت علیہ السلام مجھ کو اس دنیا سے لے جانے کے لئے آئیں گے اور میں اپنے پروردگار کا حکم قبول کروں گا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وَ اَنَا تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ۔ اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيهِ الْهُدٰى وَ النُّوْرُ۔ فَخُذُوْا بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ۔ فَحَثَّ عَلٰى كِتَابِ اللّٰهِ وَرَغَّبَ فِيهِ (الصحیح المسلم کتاب فضائل الصحابۃ ہے حدیث نمبر ۴۴۰۸) میں تمہارے درمیان دو

عظیم اورنفیس چیزیں چھوڑ جاؤں گا جن میں سے ایک کتاب اللہ ہےجس میں ہدایت (یعنی دین ودنیا کی فلاح وکامیابی تک لے جانے والی راہ راست کا بیان)اورنور ہے پس تم کتاب اللہ کومضبوط پکڑلو(یعنی اپنے مسائل کا حل اسی کی روشنی میں تلاش کرواوراسی کواپنا رہنمااور مستدل بناؤ،اس کو یاد کر کے اپنے سینوں میں محفوظ کرواوراس کے علوم ومعارف کوحاصل کرو) غرض یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کوکتاب اللہ کے بارے میں خوب جوش دلایااوراس کی طرف راغب کیا،اور یک روایت میں (جن میں سے ایک کتاب اللہ کی جگہ) یہ الفاظ ہیں: کتاب اللہ،اللہ کی رسی ہے،جوشخص کتاب اللہ کی اطاعت کرے گا(یعنی اس پر ایمان لائے گااس کو یاد کرے گا اخلاص کے ساتھ اس کاعلم حاصل کرے گااوراس پرعمل پیرار ہے گا) تو وہ راہ ہدایت پر رہے گااور جوشخص اس کوچھوڑ دے گا (یعنی نہ تواس پر ایمان لائے گا نہ اس کو یاد کرے گا نہ اس کے علم وعمل میں مخلص ہوگا) تو وہ گمراہ ہوگا۔

ثقلین کا معنی دو بھاری چیزیں،دونفیس چیزیں اور حدیث ثقلین بڑی مشہورومعروف حدیث ہے جو مختلف اسناداور الفاظوں سے بیان کی گئی ہے(۱) اس میں کتاب اللہ پرعمل کرنے کی تاکید کی گئی اور قرآن کی شان بھی بیان فرمائی۔(۲)اوراہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب واحترام اوران کے ساتھ انتہائی محبت کرنے کی بار بار ترغیب دلائی گئے ہے۔اور فضائل ومناقب کی سب حدیثوں اور روایتوں کی اصل حدیث ثقلین ہے

بعض علمانے فرمایا کہ قرآن پاک اوراَہل بیت کواس لئے ثَقَلْ فرمایا کہ ان کواپنانااوران کی پیروی کرنا مشکل ہے ہرشخص یہ بوجھ نہیں اٹھاسکتا جن اور انسان کوبھی ثقلین کہتے ہیں کہ یہ زمین کا بوجھ ہیں (اشعۃ اللمعات)۔

اللہ تعالیٰ نے وحی (قرآن) کوقول ثقیل فرمایا ہے اِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا سورۃ مزمل

قول ثقیل کی تفسیر اوامر ونواہی سے کی گئی ہے کیونکہ امتثال اوامر واجتناب مشقت کے ممکن نہیں۔(مرقاۃ) تو قرآن مجید امر ونواھی کا مجموعہ ہے اور اس پر عمل کرنے کی بھی تاکید ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ سولم نے فرمایاوَ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَالَنْ تَضِلُّوْ ابَعْدَہُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ کِتَابُ اللہ (مشکٰوۃ) ترجمہ: اور میں وہ چیز چھوڑ تا ہوں کہ اس کے ہوتے تم گمراہ نہ ہوگئے جب تک تم اسے تھامے رہو یعنی (اللہ کی کتاب) قرآن کریم (ا) کتاب وسنت کی اتباع کرنے کی تاکید۔(ا) کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب اللہ کے حکم میں ہے (اشعۃ اللمعات)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایایَآیُّھَا النَّاسُ اِنِی قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَالَنْ تَضلُّوا بَعْدَہُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ کِتَابَ اللہِ وَاَنْتُمْ مَسْئُوْلُوْنَ عَنِّیْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟ (مستدرك حاکم کتاب علم حدیث نمبر ۳۱۸)۔ اے لوگو میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ کر جارہا ہوں اگر اس کو مضبوطی سے تھام لوگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔وہ کتاب اللہ۔اور تم سے میرے بارے میں سوال کیا جائے گا تم کیا جواب دوگے۔(صحابہ نے عرض کیا اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام رسالت پونچادیا اور امت کو نصیحت کی)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایااَھْلُ بَیْتِی اُذَکِّرُکُمُ اللہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِی اُذَکِّرُکُمُ اللہَ فِی اَھْلِ بَیْتِی (اُذَکِّرُکُمُ اللہَ فِی اَھْلِ بَیْتِی) (مسلم ۲۴۰۸) (ان دو عظیم چیزوں میں سے دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں۔میں تمہیں اپنے اہل بیت کے (حقوق کی ادائیگی کے) بارے میں اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے ڈراتا ہوں (تین مرتبہ فرمایا) (مشکوۃ بحوالہ مسلم)

یہاں ثانہما ان دو میں سے دوسری چیز نہیں فرمایا۔جیسے قرآن مجید کے لئے اولھما ان دو میں سے پہلی چیز فرمایا۔بہر حال حدیث ثقلین میں قرآن مجید کے بعد اہل بیت کا ذکر فرمایا ہے جس کا

مطلب یہ ہے کہ تم قرآن کے احکام پر عمل کرو اور اہل بیت کی تعظیم اور تکریم کرو۔ اور اہل بیت کے متعلق اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہ میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں کہ اہل بیت کے بارہ میں اللہ سے ڈرو۔ اور یہ کلمات مبالغہ اور تاکید کے لئے ہے اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ تم اہل بیت سے محبت کرو۔ اور ان کی تعظیم ان کے حقوق اور آداب کی رعایت کرو۔ اُذَکِّرُکُمْ تَذْکِیْر سے ہے تذکیر کا معنی یاد دلانا، یاد کرنا، نصیحت کرنا ہے۔ اَیْ اُحَذِّرُکُمْ فِیْ شَانِہِمْ بِاَنْ تَحْفَظُوْ حَقُوْقَھُمْ وَلَا تُؤْذُھُمْ (لمعات التنقیح ج۹ س ۷۰۰)۔ یعنی میں تمہیں ان کی شان کے بارے میں ڈراتا ہوں یہ کہ تم ان کے حقوق کی حفاظت کرو اور ان کو ایذاء مت دو۔

اس (حدیث ثقلین پر عمل کرنے والے اہل سنت و جماعت کے سوا کوئی نہیں ہے اور نہ ہوا ہے خوارج ونواصب نے اہل بیت کو چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ ظلم وستم کئے اور روافض نے قرآن کریم کی تعلیمات سے منہ موڑ لیا صحابہ کرام کے دشمن بن گئے اس لئے ان دونوں نے قرآن حکیم اور اہل بیت کے دامن کو چھوڑ دیا۔

قرآن کی پیروی کرنے والا اور اَہل بیت کے حقوق ادا کرنے والا گمراہ نہیں ہوگا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حج کے موقع پر عرفہ کے دن اپنی قصواء نامی اونٹنی پر خطبہ دیتے سنا کہ آپ فرما رہے تھے: یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِہٖ لَنْ تَضِلُّوْا کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ (رواہ الترمذی واحمد) اے لوگو! بے شك میں میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری اولاد، میرے اہل بیت (ترمذی)۔

علامہ علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں: والمراد بالاخذ بہ التمسک بمحبتھم

ومحافظة حرمتهم والعلم بروايتهم والاعتماد علی مقالتهم۔ وهو لا ینافی اخذ السنة من غیرهم لقوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم۔

ولقوله تعالی: فَاسْأَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (الانبیاء۷)، وقال ابن الملک التمسک بالکتاب العمل بما فیه، وهو الائتمار باوامر اللّٰه و الانتهاء بنواهیه۔ ومعنی التمسک بالعترة محبتهم والاهتداء بهدیهم وسیرتهم۔ زاد السید جمال الدین۔ اذا لم یکن مخالفا للدین قلت: فی اطلاقه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشعار بان من یکون من عترته فی الحقیقة لا یکون هدیه وسیرته الا مطابقا للشریعة والطریقة (مرقاة، ج۱۱،ص۳۰۷)۔

ان کو مضبوطی سے پکڑنے سے مراد ان کی محبت رکھنا، ان کی حرمت کی حفاظت کرنا، اوران کی روایات پر عمل کرنا، ان کے اقوال پر اعتماد کرنا ہے۔ یہ بات دوسرے حضرات صحابہ کرام کے منافی نہیں۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے صحابہ کرام ستاروں کی مثل ہیں، ان میں سے جن کی بھی اقتداء کروگے ھدایت پاؤ گے۔ نیز اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: پس پوچھو علم والوں سے اگر تم نہیں جانتے۔ علامہ ابن الملک فرماتے ہیں: کتاب کو پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے، اور عترت کو پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ: (۱) ان سے محبت کی جائے (۲) ان کی سیرت اختیار کی جائے، (۳) ان کو قولاً وفعلاً کسی بھی طرح ایذا نہ دی جائے۔

سید جمال الدین (شرازی) رحمہ اللہ نے اس پر یہ بات اضافی فرمائی کہ بشرطیکہ دین کے خلاف نہ ہو۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عترتی اهل بیتی کو مطلقاً ذکر فرمایا ہے۔ یہ درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو آپ کی عترت سے ہوگا اس کا طریقہ اوراس کی سیرت

،شریعت وطریقت کے مطابق ہی ہوگی (مخالف نہ ہوگی)۔
مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض جاہل کہتے ہیں کہ یہاں اہل بیت سے مراد قیامت تک کے سید ہیں مگر یہ غلط ہے، سید کہلانے والے لوگ بعض مرزائی، روافض وغیرہ ہیں بعض فساق پھران کی اطاعت کیسی ان لوگوں کوراہ راست پر لانے کی کوشش کی جاوے۔(مرأۃ شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۴۶۷)۔اطاعت تو ان ہی کی ہے جن کے عقائدواعمال درست ہوں گے۔

قرآن اوراَہل بیت ایک دوسرے سے جدانہیں ہوں گے

قرآن کریم اوراہل بیت ایک دوسرے سے جدانہیں ہوں گے۔ بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ ہی رہیں گے۔
حضرت زید بن ارقم (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:اِنِّیْ تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ۔ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ۔ كِتَابُ اللهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَيْتِیْ۔ وَلَنْ يَّتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِيْهِمَا۔ (رواہ الترمذی،احمد،مشکوٰۃ)،(سنن الترمذی،ابواب المناقب ۴۰۴۰) ترجمہ: میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہاہوں کہ اگرتم اسے تھامے رہوگےتو میرے بعد گمراہ نہ ہوگے۔ان میں ایک چیز دوسری سے عظیم ترہے(اور جوبڑی ہےوہ قرآن کریم ہے جوعظمت والاہے(قرآن)۔اوراہل بیت کے لئے نمونہ ہے)۔اللہ کی کتاب جوآسمان سے زمین تک دراز رسی ہے(گویاقرآن کریم اللہ کی رسی ہے جوبلندی حاصل کرنے کاذریعہ ہے)۔اورمیری عترت یعنی میرےاہل بیت پس تم لوگ سوچ لوکہ تم میرے بعد ان سے کیا معاملہ کرتے ہواورکیسے پیش آتے ہو۔
علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں **فكانه** ﷺ **يوصى الامة**

بقيام الشكر، وقيد تلك النعمة به ويحذرهم عن الكفران فمن اقام بالوصية وشكر تلك الصنيعة بحسن الخلافة فيهما لن يفترقا فلا يفارقانه فی مواطن القيامة ومشاهدها حتی يردا الحوض۔ فشكرا صنيعه عند رسول الله ﷺ فحينئذ هو بنفسه يكافئه والله تعالى يجازيه بالجزاء الاوفى، ومن اضاع الوصية وكفر النعمة فحكمه على العكس۔ (مرقاۃ ج۱۱ ص ۳۸۵)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اس (حدیث) کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ قرآن اور اہل بیت آپس میں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے اہل بیت ہمیشہ قرآن وحدیث پر عامل رہیں گے قرآن ان کے دل ودماغ اور عمل میں رہے گا۔ دوسرے یہ کہ قرآن اور اہل بیت کبھی مجھ سے جدا نہ ہوں گے حتی کہ یہ دونوں میرے حوض پر پہونچ جاویں گے۔ اور حضور کی بارگاہ عالی میں ان کی سفارش کریں گے۔ جنہوں نے ان دونوں کا حق ادا کیا۔ تم غور کرو ان دونوں میں میرے بعد کیا معاملہ کرتے ہو۔ یعنی کس طرح معاملہ کرتے ہو اور کس طرح انہیں مضبوطی سے پکڑتے ہو۔ (مراۃ ج ہشتم ص ۴۶۸)۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمسک کی تاکید

اور بعض کہتے ہیں کہ لفظ اہل بیت اور عترت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے جیسا کہ صاحب کتاب عقیدہ امامت اور حدیث غدیر خم نے لکھا ہے کہ (یہ بات) بالکل واضح ہے کہ کتاب اللہ کے بعد دوسری بھاری چیز بلاشبہ سنت رسول اللہ ہی ہے۔ اور اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ اہل اسلام کی اس میں دورائے ہیں کہ کتاب اللہ کے بعد سنت رسول اللہ ہی کا درجہ ہے۔ اس لئے یہی کہنا ہوگا کہ یہاں حدیث ثقلین میں بھی اہل بیت کے ذکر سے سنت رسول اللہ ہی مراد ہے کیونکہ اہل بیت سنت نبوی کے سچے عاشق اور اس پر صدق دل کے ساتھ عمل کرنے والے تھے اس لئے ان

کا تذکرہ درحقیقت سنت نبوی ہی کے قائم مقام ہے۔ (عقیدہ امامت اور حدیث غدیر خم، ص ۶۶)۔

قرآن وسنت دونوں کو مضبوطی سے تھامنے کا تاکیدی حکم دیا گیا،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (سورہ آل عمران ۳۲)، آپ فرمادیجئے اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (سورہ نساء ایت ۵۹)، اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (سورہ حشر ۷) اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا : كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ

(موطا امام مالک کتاب الجامع حدیث نمبر ۲۸۴۸، مشکوۃ المصابیح۔ کتاب الایمان، ۱۸۶) میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تم ان کو پکڑے رہوے گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس کے نبی کی سنت۔ ایک روایت میں سُنَّتَ رُسُوْلِهٖ ہے اس کے

رسول کی سنت ۔(موطا امام مالک)۔

حضرت ابوھریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَھُمَا ، کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ، وَلَنْ یَّتَفَرَّقَا حَتّٰی یَرِدَ عَلَیَّ الْحَوْضَ ، (مستدرک حاکم کتاب العلم حدیث نمبر ۳۱۹) بیشک میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جن کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور میری سنت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ دونوں حوض کوثر پر میرے پاس آجائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے روانگی سے قبل صحابہ کرام راضی اللہ عنہم کو اور ان کے توسط سے پوری امت کو وصیت فرمائی کہ دو اہم اور نفیس چیزوں کو بہت مضبوطی سے تھام لو: قرآنِ کریم اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم و نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اِعْتَصَمْتُمْ بِہٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا اَمْرًا بَیْنًا کِتَابَ اللّٰہِ وَسُنَّتِ نَبِیِّہٖ (سیرت ابن هشام، خطبه حجة الوداع) کہ اے لوگو میری بات سمجھو تحقیق میں نے دین کی تبلیغ کی اور میں نے تم لوگوں میں وہ واضح روشن چیز چھوڑی ہے اگر تم اس کو اخذ کروگے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے وہ اللہ کی کتاب ہے اور اس کے نبی کی سنت ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس مرض میں فوت ہوئے ہیں۔ اس میں ہمارے پاس تشریف لائے ہم صبح کی نماز میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنِّیْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَسُنَّتِیْ فَاسْتَنْطِقُوْا الْقُرْآنَ بِسُنَّتِیْ فَاِنَّہٗ لَنْ تَعْمِیَ اَبْصَارَکُمْ وَلَنْ تَزِلَّ اَقْدَامُکُمْ وَلَنْ تَقْصُرَا یَدِیْکُمْ مَا اَخَذْتُمْ بِھِمَا (الصواعق المحرقۃ ،فضائل علی مرتضیٰ، فصل دوم حدیث ۴۰) کہ میں نے تمہارے درمیان اللہ کی کتاب اور اپنی

سنت چھوڑی ہے پس قرآن کی تشریح میری سنت کے ذریعے کرو تمہاری آنکھیں اندھی نہ ہوں گی اور تمہارے قدم نہ پھسلیں گے اور تمہارے ہاتھ کوتاہی نہ کریں گے جب تک تم لوگ کتاب وسنت کو اخذ کئے رکھو گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمسک" (پیروی کرنا) کتاب اللہ کے بعد ضروری ہے۔ مگر مخالف اور بدعتی فرقہ کی وجہ سے ثقل ثانی (اہل بیت) کی تاویل کر کے ان کی فضیلت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا تمسک واجب ہے۔ اور اہل بیت کی تعظیم تکریم محبت بھی لازمی ہے۔

اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کشتی نوح میں مماثلت

حضرت ابوذر جندب بن جنادہ غفاری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت یہ فرماتے ہوئے سنا جب کہ میں کعبہ کے دروازہ کو پکڑے ہوئے تھا: اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَهْلِ بَيْتِيْ فِيْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ، مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ۔ (مسند احمد، مستدرک حاکم، مشکوۃ المصابیح) آگاہ رہو کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال حضرت نوح کی کشتی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا ہلاک ہو گیا۔

علامہ علی قاری لکھتے ہیں وَتَوْضِيْحُهٗ اَنَّ مَنْ لَّمْ يَدْخُلِ السَّفِيْنَةَ كَالْخَوَارِجِ هَلَكَ مَعَ الْهَالِكِيْنَ فِيْ اَوَّلِ وَهْلَةٍ وَمَنْ دَخَلَهَا وَلَمْ يَهْتَدِ بِنُجُوْمِ الصَّحَابَةِ كَالرَّوَافِضِ ظُلُمَاتٍ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۲۷) یعنی اس حدیث کی وضاحت یہ ہے کہ لوگ اس کشتی میں نہیں بیٹھے وہ ہلاک ہو گئے؟ لیکن جو لوگ اہل بیت کی کشتی میں بیٹھ گئے مگر صحابہ کے ستاروں سے رہنمائی حاصل نہیں کی وہ تو بھی ایسے اندھیروں میں ڈوب گئے کہ نکلنا ممکن نہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ (مرقاۃ ج ۱۱ ص

۱۵۴، جامع بیان علم وفضلہ) کہ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہے جس کی تم پیروی کروگے ہدایت پا جاؤگے۔(اَوْ کَمَا قَالَ)، یا جیسے کہ آپ نے فرمایا۔

امام فخر الدین رازی نے (سورہ شوریٰ کی ایت المودۃ) کی تفسیر میں بڑی پیاری بات لکھی ہے کہ ہم اہل سنت وجماعت الحمد اللہ اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہوئے اور راہ ہدایت کے ستاروں یعنی اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ راہ یاب ہوئے چنانچہ ہم قیامت کی ہولنا کیوں، تاریکیوں اور دوزخ کی ہلاکت خیزیوں سے نجات کی، اور درجات نجات اور وہاں کی ابدی نعمتوں تک پہنچے کا راستہ پانے کی امید رکھتے ہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو شخص اس کشتی میں سرے سے سوار ہی نہیں ہوا جیسے خوارج تو وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اول دہلہ (پہلی ہی بار) ہی میں ہلاک ہو گیا، اور جو شخص اس کشتی میں سوار تو ہوا لیکن ہدایت کے ستاروں کے ذریعہ راستہ پانے سے محروم رہا جیسے روافض تو وہ گمراہی اور تاریکیوں میں اس طرح پھنس کر رہ گیا کہ اس کا زندہ سلامت بچ نکلنا ناممکن ہے۔(مظاہر حق)

علامہ علی قاری لکھتے ہیں:وَتَوضِیحُہُ اَن مَن لَم یَدخُل وَالهِدَایَةِ اِلَی مَا یُوجِبُ دَرَجَاتِ الجنان وَالنعیم المُقیم ۔ وَتَوْضِیْحُہُ اَنَّ مَنْ لَم یَدخُلِ السَّفِینَة کَالخَوَارِجِ هَلَكَ مَعَ الهَالِکِیْنَ فِی اَوَّلِ وَهْلَةٍ، وَمَنْ دَخَلَهَا وَلَم یَهْتَدِ بِنُجُوْمِ الصَّحَابَةِ کَالرَّوَافِضِ ضَلَّ وَوَقَعَ فِی ظُلُمَاتٍ لَیسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا (مرقاۃ المفاتیح ج۱۱ ص۳۲۷)

اوراس حدیث کی وضاحت یہ ہے کہ جو لوگ اس کشتی میں نہیں بیٹھے وہ ہلاک ہو گئے؟ لیکن جو لوگ اہل بیت کی کشتی میں بیٹھ گئے مگر صحابہ کے ستاروں سے رہنمائی حاصل نہیں کی تو وہ بھی ایسے اندھیروں میں ڈوب گئے کہ نکلنا ممکن نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دھلوی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ علماء نے فرمایا ہے: علامة السعادة وطریق القرب الی اللہ والوصول الی مرضاته شیئان: تعظیم صحابة الرسول ومحبة آھل بیت النبوة سلام اللہ علیھم بحیث لا یخل احدھم بالاخر، ولا یجتمعان الا فی قلب مؤمن تقی صحیح الایمان رزقنا اللہ۔ (لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب المناقب ج۹ ص ۷۲۵)

کہ نیک بختی کی نشانی اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ اور اس کی خوشنودی تک پہنچے کا طریقہ۔ رسول اللہ کے صحابہ کی تعظیم کرنا اور اہل بیت نبوت سے محبت کرنا ہے ان پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہو۔ ان دونوں میں سے کسی کیے ساتھ کوتاہی نہ کرے دوسرے کی وجہ سے اور نہ ان میں سے کسی کی محبت کو دوسرے کی وجہ سے ترک کردے۔ دونوں باتیں صحیح الایمان والے متقی ایماندار کے دل میں جمع ہوتی ہیں اللہ ہمیں یہ دولت محبت عطا فرما۔

اہل سنت دا ایہو طریقہ ودھ گھٹ کسے نہ کہناں — وچ محبت فرق نہ پانا ہر دا نوکر رہناں

فضائل ومراتب میں تو فرق ہے مگر محبت میں فرق نہیں کرنا چاہیے ایک سے زیادہ محبت کرے اور دورے سے دشمنی رکھے۔ یہ جائز نہیں ہے۔ لہٰذا اہل بیت وصحابہ دونوں سے محبت کرے۔

اہل بیت کا سلسلہ روز قیامت تک جاری رہے گا

علامہ عبدالحق حقانی دھلوی لکھتے ہیں کیا حضرت علی وجعفر وعقیل وعباس کی اولاد بھی جو سینکڑوں برس کے بعد پیدا ہوئی اور ہوگی سب اہل بیت ہیں؟ حقیقت میں اہل بیت اور آل وہی لوگ تھے جو حضرت کے سامنے موجود تھے اور ان کی اولاد کو جو اہل بیت اور آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے تو مجازاً اور ادباً ہے۔ اس لئے کہ نہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں کبھی رہے ہیں، نہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیالت کرتے تھے۔ حق بات یہی ہے۔ باقی افراط وتفریط ہے جو تعصب یا فرط محبت پر مبنی

ہے (تفسیر حقانی، ج ۳، ص ۹)۔

اگر مجازاً اہل بیت کہا جاتا ہے مگر حکم حقیقی اہل بیت جیسا ہے۔ اس لئے کہ اہل بیعت ہونے کا شرف اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک حاصل ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَھْدِیْ میری اولاد سادات سے پیدا ہوں گے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت (محمد) مھدی بن عبداللہ کے درمیان بُعْدُ الْمَشْرِقَیْنِ (بہت دوری) ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا اَلْمَھْدِیُّ مِنْ عِتْرَتِیْ مِنْ اَوْلَادِ فَاطِمَۃَ (رواہ ابوداود) کہ مھدی میرے رشتہ دار یعنی فاطمہ کی اولاد سے ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ یُوَاطِیُٔ اِسْمُہٗ اِسْمِیْ وَاِسْمُ اَبِیْہِ اِسْمَ اَبِیْ (ابوداود، ترمذی)۔ میرے اہل بیت میں سے ہوں گے جن کا نام میرے نام پر اور جن کے باپ کا نام میرے والد کے نام پر (محمد مھدی بن عبداللہ) ہوگا۔ وہ تمام روئے زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے جس طرح اس وقت سے پہلے تمام روئے زمین ظلم وجود سے بھری تھی۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے مِنْ عِتْرَتِیْ وَاَھْلِ بَیْتِیْ مَذکور (مشکوٰۃ المصابیح باب اشراط الساعۃ)، محمد مہدی کے والد گرامی کا نام عبداللہ ہوگا۔ اس میں اہل تشیع کے موقف کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ مہدی موعود امام محمد بن حسن عسکری ہیں جن کا انتظار کیا جاتا ہے۔ حالانکہ محمد مھدی بن عبداللہ ہوں گے۔ علامہ علی قاری لکھتے ہیں فِیْہِ رَدٌّ علی الشیعۃ حیث یقولون المھدی الموعود ھو قائم المنتظر ھو محمد بن الحسن العسکری (مرقاۃ المفاتیح ج ۱۰ ص ۹۰)۔

عترت کا معنی ہے خاص رشتہ دار اور عترۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبدالمطلب کی اولاد مراد ہے۔ بعض کے نزدیک سارے قریش مراد ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح)

آل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صدقہ لینا حرام ہے

ایک قول کے مطابق اہل بیت کا اطلاق ان حضرات پر ہوتا ہے جن پر صدقہ (زکوۃ) حلال نہیں ہے۔ چنانچہ عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ اَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم وَّلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح مسلم) ترجمہ: بے شک یہ صدقات لوگوں کے مال کی میل کچیل ہے اور یہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے حلال نہیں ہیں۔

اس حدیث میں آل کا اطلاق ان حضرات پر ہوا ہے جن کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں ہے یعنی بنی ہاشم، حضرت عباس، حضرت علی، حضرت عقیل، حضرت حارث اور ان کی اولاد۔ اور صدقہ کی حرمت کی وجہ ان کی کرامت و بزرگی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے زمانہ جاہلیت اور اپنے زمانہ اسلام میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی تھی۔

امام مسلمؒ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اے لوگو!) بیشک میں نے تمہیں اپنے گھر والوں (اہل بیت) کے بارے میں خبردار کیا ہے۔ یہ جملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ حضرت حصین نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا اے زید! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج پاک اہل بیت میں شامل نہیں ہیں؟ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج تو اہل بیت ہی ہیں لیکن اہل بیت وہ حضرات ہیں جن کے لئے مال زکوۃ حرام کر دیا گیا ہے۔ پھر حضرت حصین رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ تو حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا آل علی، آل عقیل، آل جعفر اور آل عباس (رضی اللہ عنہم) (صحیح مسلم، ۲۴۰۸)۔

اس روایت میں یہ بھی ہے ہم نے کہا آپ کی اہل بیت آپ کی ازواج ہیں کہا نہیں اللہ کی قسم اایک

عورت مرد کے ساتھ ایک زمانہ رہتی ہے پھر وہ اس کو طلاق دے دیتا ہے تو اپنے باپ اور قوم کی طرف چلی جاتی ہے۔ اہل بیت سے مراد آپ کے والد گرامی اور آپ کے عصبات ہیں۔ جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے (مسلم شریف کتاب الفضائل) حضرت زید بن ارقم نے پہلی روایت میں فرمایا ہے کہ ازواج مطہرات اہل بیت سے ہیں اور دوسری روایت میں اس کی نفی کی تو اس سلسلہ میں پہلے ہی روایت معتبر ہے۔ باقی رہی دوسری روایت جس میں اس بات کی نفی ہے، وہ غیر معتبر ہے۔ اور اس میں جو دلیل ذکر کی گئی ہے وہ عام بیویوں کے بارے میں تو درست ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ازواج مطہرات کے بارے میں صحیح نہیں کیونکہ آپ کی ازواج مطہرات کا آپ سے نسبی تعلق جیسا ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوسکتا بلکہ وہ دنیا میں بھی آپ کی بیویاں تھیں اور آخرت میں بھی آپ کی بیویاں ہوں گی۔ (فضل الاہل البیت وعلو مکانتھم)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے صدقہ کی ایک کھجور اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کے طور پر کَخْ کَخ کے کلمات فرمائے اور ارشاد فرمایا: کہ پھینک دو کیا تم نہیں جانتے کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے۔ (ریاض الصالحین، باب ۸ ۳ ص ۱۸۰)

علامہ عبدالعزیز پڑھاروی لکھتے ہیں **وَقِيلَ اَتْبَاعُهٗ وَهُوَ الْمُخْتَارُ** (النبراس شرح شرح العقائد، ص ۱۰) اور کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت سے مراد اتباع کرنے والے لوگ ہیں اور یہی مختار ہے۔

علامہ محمد برخوردار ملتانی رحمہ اللہ رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں **وَالْحَقُّ اَنَّهٗ لَيْسَ بِصَحِيحٍ عِنْدَ الْاَبْرَارِ لِقَوْلِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يَصِحُّ الصَّدَقَةُ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ وَلَوْ كَانَ الْاٰلُ جَمِيعَ الْاَتْبَاعِ حَرُمَتْ عَلَيْهِمُ الصَّدَقَةُ وَلَمْ يَقُلْ بِهٖ اَحَدٌ وَقَوْلُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنِّيْ تَارِكٌ فِيكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا ۔ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِيْ**

وَاَهْلَ بَيْتِیْ۔ لَوْ كَانَ الْاٰلُ جَمِيْعَ الْاُمَّةِ اَوْ جَمِيْعَ الْاَتْبَاعِ لَكَانَ الْمَاْمُوْرُ وَالْاَمْرُ التَّمَسُّكُ بِهٖ شَيْئًا وَاحِدًا وَهُوَ بَاطِلٌ (حاشیہ نبراس، ص ۱۰)۔ اور حق بات یہ ہے کہ یہ ابرار کے نزدیک درست نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد پر صدقہ جائز نہیں اور اگر تمام اتباع کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل ہوتے تو ان پر صدقہ حرام ہوتا اور یہ بات کسی نے بھی نہیں کہی کہ اتباع کرنے والوں پر صدقہ حرام ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑ رہا ہوں اگر تم اس کو پکڑے رکھو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ تعالی کی کتاب، میری عترت اور میری اہل بیت۔ جب تمسک کرنے کا حکم دیئے گئے ہیں تو اگر ان دونوں میں سے ایک چیز سے تمسک کیا جائے گا تو وہ باطل ہے تو دونوں کا تمسک صحیح ہو گا۔

صدقہ اور ہدیہ میں کیا فرق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائی جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دریافت فرماتے اَهَدِيَّةٌ اَمْ صَدَقَةٌ۔ کیا یہ ھدیہ ہے یا صدقہ؟ اگر کہا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب سے فرماتے تم کھاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود نہ کھاتے اور اگر کہا جاتا کہ یہ ھدیہ ہے تو اپنے ہاتھ دراز فرماتے اور صحابہ کے ساتھ کھاتے (بخاری و مسلم)۔

صدقہ و ھدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ وہ چیز ہے جو فقراء و مساکین کو بطور شفقت و مہربانی دی جائے اور ثواب آخرت کا ارداہ کیا جائے۔ صدقہ میں اس کے لینے والے کے لئے قدرے خواری اور ذلت پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس ھدیہ وہ چیز کہلاتی ہے جو تعظیم و اعزاز کے ارادے سے اغنیاء کو دی جائے (اشعۃ اللمعات)۔ بعض علماء کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر طرح کا صدقہ، خواہ واجب ہو یا نفل، حرام ہے اور باقی بنی ہاشم پر صدقہ واجب حرام ہے (اشعۃ اللمعات)۔

آل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہر نماز میں درود پڑھا جاتا ہے

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (سورہ احزاب ۵۶)۔ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ (تابعی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت کعب بن حجرہ (صحابی) رضی اللہ عنہ ملے تو بولے کہ کیا میں تمہیں وہ ھدیہ (تحفہ) نہ دوں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں وہ ھدیہ (تحفہ) مجھے ضرور عنایت کریں۔فرمایا ایک مرتبہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی نے تو (نماز میں التحیات کے ذریعہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام بھیجنا ہمیں سکھا دیا ہے۔تو ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یوں کہو اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ ۔ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ ۔ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ (بخاری کتاب الانبیاء، حدیث نمبر ۳۳۷۰)۔

اے اللہ! محمد اور آل محمد پر رحمتیں بھیج جیسے حضرت ابراھیم اور آل ابراھیم پر رحمتیں کہیں۔ بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے۔اے اللہ! تو برکت نازل فرما محمد اور آل محمد پر جیسے تو نے رحمت نازل کی محمد پر اور آل محمد پر۔ بیشک تو ہی لائق تعریف و بزرگی والا ہے۔

اس میں اہل بیت کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس لئے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم ہے اسی طرح آپ کی اتباع میں آپ کی اہل بیت پر بھی بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اہل بیت کی طرف جھوٹی نسبت جوڑنا حرام ہے:

بہترین نسب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب مبارک ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت بلند ترین نسبت ہے، جو اہل بیت کے واسطے سے ہو بشرطیکہ وہ نسب صحیح ہو۔ عرب وعجم میں بے شمار لوگ اس نسبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ جو شخص واقعتاً اہل بیت میں سے ہو اور وہ صاحب جب ایمان بھی ہو اسے تو عظیم فضیلت حاصل ہے، کیونکہ اسے دو شرف حاصل ہیں: ایمان کا شرف بھی اور خاندانی شرف بھی۔ لیکن جو شخص جھوٹا دعویٰ کرے اس نے ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کیا، کیونکہ اس نے ایسی چیز کے حصول کا دعویٰ کیا جو اسے حاصل نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَلْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ (صحیح مسلم، الادب، باب النھی عن التزویر فی اللباس جو شخص ایسی چیز کے حصول کا دعویٰ کرے جو اسے حاصل نہیں وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے جھوٹ کا لباس (یا جعلسازی والا لباس) پہن رکھا ہو۔

بہت سی صحیح احادیث میں اپنے نسب کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کی حرمت بیان کی گئی ہے، ان میں سے ایک حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: لَيْسَ مِنْ رَّجُلٍ ادَّعٰى لِغَيْرِ اَبِيْهِ وَهُوَ يَعْلَمُهٗ اِلَّا كَفَرَ بِاللّٰهِ، وَمَنِ ادَّعٰى قَوْمًا لَيْسَ لَهٗ فِيْهِمْ نَسَبٌ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (صحیح البخاری، المناقب، باب ۵، ح: ۳۵۰۸، وصحیح مسلم، الایمان، باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم: یا کافر ح ۱۱۲)۔ جو شخص جانتے بوجھتے ہوئے اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب ہونے کا دعویٰ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے اور جو شخص ایسی قوم کی طرف نسبت کا دعوی کرے جن سے اس کا کوئی نسبی تعلق نہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے رویات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّ

مِنْ اَعْظَمِ الْفِرَیٰ اَنْ یَدَّعِیَ الرَّجُلُ اِلٰی غَیْرِ اَبِیْهِ، اَوْ یُرِی عَیْنَهٗ مَا لَمْ تَرَ، اَوْ یَقُوْلَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مَا لَمْ یَقُلْ (صحیح البخاری، المناقب، باب ۵، ح ۳۵۰۹)، سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے باپ کی بجائے کسی اور کو اپنا باپ کہے یا جھوٹا خواب بنائے جو اس نے نہیں دیکھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف عمداً ایسی بات منسوب کرے جو آپ نے نہیں فرمائی۔

دوسرا باب وجوب محبت اور تعظیم اہل بیت

اہل بیت کی تعظیم اور تکریم ضروری ہے۔ گستاخی اور بے ادبی موجب ہلاکت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کی تعظیم تکریم لازمی ہے۔ یہ حضرات شعائر اللہ (اللہ کی نشانیوں) میں داخل ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے ذٰلِكَ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْب (سورہ حج ایت ۳۲)۔ بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی (سورہ الشوری ۲۳)۔ ترجمہ: آپ کہیں کہ میں اس (تبلیغ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا سوائے قرابت کی محبت کے۔ اس آیت شریفہ میں جو القربی مذکور ہے اس کی تفسیر میں چند قول ہیں

(۱) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ تبلیغ دین کا صلہ، معاوضہ اور اجرت صرف اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے کہ آپ نے فرمایا میں تم سے اس تبلیغ دین پر کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ صرف یہی چاہتا ہوں کہ تم اللہ کا قرب حاصل کرلو، اللہ کو ایک مانو، اور اللہ والے ہی بن جاؤ۔ یعنی تم اللہ عزوجل سے محبت کرو اور عبادت کر کے اس کا قرب حاصل کرو۔ یہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔ انہوں نے

کہا القربیٰ سے مراد اللہ کا قرب ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) اس آیت میں قربیٰ سے مراد رحم قرابت ہے کیونکہ مکہ کے تمام قبائل میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت تھی اور فرمایا جارہا ہے کہ تم قرابت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور تبلیغ رسالت کی ذمہ داری سے عہدہ براء ہونے میں میری مدد کرو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کے نزدیک اس ارشاد باری تعالیٰ **اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی** (سورہ شوریٰ ۲۳) میں القربیٰ سے قرابت ہی مراد ہے (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ)

حضرت طاؤس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سورہ شوریٰ کی آیت ۲۳ کے بارے میں سوال کیا گیا تو سعید بن جبیر نے ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کی موجودگی میں کہا کہ القربیٰ سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ تو حضرت ابن عباس نے رضی اللہ عنہما نے کہا اس کی تفسیر میں تم نے جلدی کی ہے کہ قریش کے قبیلوں میں سے کوئی ایسا قبیلہ نہیں تھا مگر اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رشتہ داری تھی (خواہ قبائل مکہ میں تھے یا مدینہ میں)۔

(۳) عکرمہ، مجاھد، السدی، ضحاک، اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم میرے قرابت داروں اور میری عترت اور آل سے محبت رکھو اور تم میری حفاظت کرو یعنی آیت میں قربیٰ سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت ہیں اور وہ حضرت فاطمۃ زھراء اور حسنین کریمین (رضی اللہ عنہم) ہیں (نعمت الباری، تبیان القرآن)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب سورہ شوریٰ کی آیت ۲۳ نازل ہوئی تو صحابہ نے یہ عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کون لوگ ہیں جن کی محبت ہم پر لازم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ)، حضرت فاطمہ زہراء (رضی اللہ عنہا) اور ان کے دونوں بیٹے (حسنین شریفین) ہیں (مرقاۃ بحوالہ مسند)۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے دریافت کیا مَنْ اَهْلُ قَرَابَتِكَ آپ کی قرابت والے کون ہیں؟ فرمایا، علی، فاطمہ اور ان کے دونوں فرزند رضی اللہ عنہم ہیں۔ لیکن درست یہی ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام قرابت دار حضرات شامل ہیں۔ اور ان میں یہ چاروں تن عمدہ ہیں اور باقی سب ان کے تحت ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں صحابہ کرام کا مکمل حصہ ہے کیونکہ انہیں معنوی قرابت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بدرجہ اتم حاصل ہے (رضوان اللہ علیہم اجمعین)۔ (مدارج النبوۃ حصہ اول)

امام فخر الدین محمد الرازی الشافعی متوفی ۶۰۴ھ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: والحاصل ان ھذہ الایۃ تدل علی وجوب حب آل رسول اللہ ﷺ وحب اصحابہ (التفسیر الکبیر ج ۲۷)

خلاصہ یہ ہے کہ بیشک یہ آیتِ مودت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کی محبت واجب ہے اور آپ کے صحابہ کی محبت بھی واجب ہے (یہ اہل سنت و جماعت ہی ہیں کہ جنہوں نے عترت اور صحابہ کی محبت کو دلوں میں جمع کر رکھا ہے)۔

علامہ سید محمود الوسی ۱۲۷۰ھ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وَالْحَقُّ وَجُوْبُ مُحَبَّةِ قَرَابَتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنْ حَيْثُ اِنَّهُمْ قَرَابَتُهٗ ﷺ كَيْفَ كَانُوْا ... وَكُلَّمَا كَانَتْ جِهَّةُ الْقُرَابَةِ اَقْوٰى كَانَ طَلَبُ الْمُوَدَّةِ اَشَدَّ، فَمُوَدَّةُ الْعَلَوِيِّيْنَ الْفَاطِمِيِّيْنَ اَلْزَمُ مِنْ مُحَبَّةِ الْعَبَّاسِيِّيْنَ عَلَى الْقَوْلِ بِعُمُوْمِ الْقُرْبٰى (روح المعانی، ج ۲۵، ص ۴۴)۔ اور حق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتداروں کی محبت واجب ہے اس اعتبار سے کہ بیشک وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتدار ہیں جیسے بھی ہوں۔ اور جب قرابت کی جہت زیادہ قوی ہو تو محبت کی طلب بھی زیادہ ہوگی۔ تو علوین فاطمین کی محبت زیادہ لازم ہے عباسین کی محبت سے۔ کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب ہیں۔

تبلیغ کی اجرت محبت اہل بیت ہے

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تبلیغ کی اجرت محبت اہل بیت ہے جب کہ نص قطعی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت والوں کی محبت ثابت ہے اور دعوت کی اجرت ان کی محبت مقرر کی گئی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی۔ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَۃً نَّزِدْلَہٗ فِیْھَا حُسْنًا (سورہ شوریٰ)۔ترجمہ: اے رسول۔ان سے کہہ دیں کہ تم سے اہل قرابت کی دوستی کے سوا اور کچھ اجر نہیں مانگتا۔اور جو شخص ایک نیکی کمائے گا ہم اس کی نیکیوں میں اور نیکیاں زیادہ کریں گے (دفتر اول، مکتوب ۲۶۶)

اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت سے محبت رکھنے کی تاکید

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِّعْمَۃٍ وَاَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوْا اَھْلَ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ (ترمذی)، تم اللہ سے محبت رکھو کیونکہ وہی تمہیں اپنی نعمتوں سے رزق پہنچاتا ہے اور تمہاری پرورش کرتا ہے اور جس وجہ سے تم اللہ سے محبت رکھتے ہو مجھ سے محبت رکھو اور میرے اہل بیت کو میری محبت کی وجہ سے عزیز و محبوب رکھو۔

یَغْذُوْکُمْ اَیْ یَرْزُقُکُمْ وہ تمہیں رزق دیتا ہے، اور کسی انسان کے ساتھ جب کوئی دوسرا انسان احسان کرتا ہے تو وہ اس کا غلام بن جاتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کا احسان ماننا چاہئے!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا بِکُمْ مِّنْ نِعْمَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ (نحل ۵۳) کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں۔اسی لئے اللہ کا شکر ادا کرو۔

لِحُبِّ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کی بنیاد پر مجھ سے محبت رکھو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت رکھو کیونکہ میں تمہارا ابھی رسول ہوں۔

علامہ علی قاری فرماتے ہیں لِاَنَّ مَحْبُوْبَ الْمَحبُوْبِ مَحْبُوْبٌ۔ (مرقاۃ، ج ۱۱، ص ۳۲۶)
کیونکہ محبوب کا محبوب بھی محبوب ہوتا ہے۔ صحابہ کرام واہل بیت عظام سے محبت کرنا اسی لئے ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان سے محبت فرماتے تھے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَحَبَّنِیْ وَاَحَبَّ هٰذَیْنِ وَاَبَاهُمَا وَاُمَّهُمَا كَانَ مَعِیَ فِیْ دَرَجَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ (ترمذی حدیث ۳۷۳۳، مسند ۵۷۶) ۔ جو مجھ سے محبت کرتا ہے اور ان دونوں سے محبت کرے اور ان دونوں کے والد سے محبت کرے اور ان دونوں کی والدہ سے محبت کرے وہ میرے ساتھ ہوگا درجہ (جنت) میں قیامت کے دن یعنی میرے قریب رہے گا۔ اور زیادہ دیدار سے مشرف ہوتا رہے گا۔

امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی ۲۰۴ھ رحمہ اللہ فرماتے ہیں

یَا آلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللهِ حُبُّكُمْ فَرْضٌ مِنَ اللهِ فِی الْقُرْآنِ اَنْزَلَهٗ
اے ال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے محبت رکھنا بحکم قرآن امت پر فرض ہے
یَكْفِیْكُمْ مِنْ عَظِیْمِ الْفَخْرِ اَنَّكُمْ مَنْ لَمْ یُصَلِّ عَلَیْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهٗ
تمہارا عظیم المرتبہ ہونا اسی سے سمجھ میں اجاتا ہے کہ جو تم پر صلوۃ نہ بھیجے اسکی نماز نہیں ہوتی
(دیوان شافعی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت داروں کی پاسداری ضروری ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۵۶ھ نے رسول اللہ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابتداروں کے مناقب کے سلسلہ میں ایک باب باندھا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابتداروں اور رشتہ داروں کے مناقب بیان کئے ہیں۔ مال میراث او مال فدک کے مطالبہ کے موقع پر حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت فاطمہ زہراء اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) دونوں کو فرمایا وَالَّذِیْ

نَفۡسِی بِیَدِہٖ لَقَرَابَۃُ رَسُوۡلِ اللّٰہِ ﷺ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنۡ اَصِلَ مِنۡ قَرَابَتِیۡ (بخاری کتاب فضائل الصحابہ، المناقب حدیث ۳۷۱۲)۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابتداروں سے حسن سلوک کرنا میرے نزدیک اپنے قرابتداروں سے حسن سلوک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

حدیث میں قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں شارحین صحیح بخاری لکھتے ہیں مراد از قرابت پیغمبر خدا کسے کہ منتسب است بعبد المطلب و مومن است چنانکہ علی مرتضی و اولاد او (رضی اللہ عنہم)۔ (تیسیر القاری ج ۳ ص ۵۰۴ طبع لکھنو ۱۳۰۲ھ)

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت سے مراد وہ مومن حضرات ہیں کہ جن کا سلسلہ نسب خواجہ عبد المطلب سے ملتا ہے جیسے حضرت علی مرتضیٰ اور ان کے صاحبزادگان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور اسی طرح دیگر شارحین نے بھی لکھا ہے اور دوسرے حضرات جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی

حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا اُرۡقُبُوۡا مُحَمَّدًا ﷺ فِیۡ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ (بخاری کتاب فضائل الصحابہ، المناقب)۔ ترجمہ: سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کا خیال رکھو۔

یعنی نہ تو کسی معاملہ میں ان کو اذیت پہنچے اور نہ ان حضرات کے ساتھ کسی قسم کا بُرا برتاؤ ہونے پائے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یخاطب بذلك الناس ویوصیھم بہ والمراقبۃ للشیء المحافظۃ علیہ. یقول احفظوہ فیھم فلا تؤذوھم ولا تسیئوا الیھم (فتح الباری ج ۷ ص ۹۹)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخاطب کرتے ہوئے اس کے ساتھ لوگوں کو وصیت کرتے اور

مراقبہ کسی چیز کی حفاظت کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔آپ فرماتے ہیں اہل بیت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لحاظ کی خاطر حفاظت کرواوران کواذیت مت دواوران کو برا بھلامت کہو۔

مراقبہ کا معنی ہے کہ کسی چیز کا خیال رکھنا، پابندی کرنا اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کے اہل بیت کا احترام کرو۔انہیں تکلیفیں نہ دواوران سے بدسلوکی نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہما کا لحاظ کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسامہ بن زید کی سالانہ تنخواہ تین ہزار پانچ سو درہم مقرر کی اوراپنے فرزند کی تین ہزار درہم۔اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما نے اَپنے باپ سے عرض کیا کہ آپ نے اسامہ کو مجھ پر کیوں ترجیح دی حالانکہ بخدا اسامہ نے کسی مشہد (جنگ) میں مجھ پر سبقت و بازی حاصل نہیں کی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:اس کی وجہ یہ ہے کہ اسامہ کا باپ (حضرت زید) رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہارے باپ (یعنی مجھ) سے زیادہ عزیز ومحبوب تھے اوراسامہ حضوراکرم کو تم سے زیادہ محبوب تھے۔لہٰذا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب کو اپنے محبوب پر ترجیح دی۔ (مشکوٰۃ، ترمذی) اس میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا درس دیا گیا ہے۔

اہل بیت کی محبت اہل سنت وجماعت کا سرمایہ ہے

حضرت مجدالف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۳۴ھ) فرماتے ہیں برسراصل سخن رویم وگویم چہ گونہ عدم محبت اہل بیت درحق اہل سنت گمان بردہ شود کہ ان محبت نزد این بزرگواراں جزو ایمان است وسلامتی خاتمہ رابرسوخ ان محبت مربوط ساختہ اند۔الخ (مکتوبات دفتر دوم ص ۲۸ مکتوب نمبر ۳۶)۔

اب ہم اصل بات بیان کرتے اورکہتے ہیں کہ اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا اہل سنت کے حق میں کس طرح گمان کیا جاسکتا ہے جبکہ یہ محبت ان بزرگواروں کے نزدیک ایمان کا جزو ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر وابستہ ہے اس فقیر کے والد بزرگوار جو کہ ظاہری وباطنی علوم کے عالم تھے

اکثر اوقات اہل بیت کی محبت کیلئے ترغیب فرمایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کیا اس محبت کو خاتمہ کی سلامتی میں بڑا دخل ہے اس کی بڑی رعایت کرنی چاہئے ، ان کے مرض الموت میں یہ فقیر حاضر تھا جب ان کا معاملہ انجام کو پہنچا اور اس جہان کا شعور کم ہو گیا تو اس وقت فقیر نے ان کی بات (محبتِ اہل بیت) کو انہیں یاد دلایا اور اس محبت کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو اس بیخودی کے عالم میں انہوں نے فرمایا کہ میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں ، اس وقت میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔

اہل بیت کی محبت اہل سنت و جماعت کا سرمایہ ہے۔

بعض لوگوں نے اپنی نہ سمجھی کی وجہ سے اَہل سنت کو خوارج ونواصب سمجھا ہے

مخالف لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور اس متوسط و معتدل محبت سے جاہل ہیں ، مخالفوں نے اپنی افراط کی جانب کو اختیار کیا ہے اور افراط کے سوا کو تفریط خیال کر کے خروج کا حکم کیا ہے اور خوارج کا مذہب سمجھا ہے، نہیں جانتے کہ افراط و تفریط کے درمیان حدو سچ ہے جو حق کا مرکز اور صدق کی جگہ ہے اور اہل سنت و جماعت شَکَرَ اللّٰہُ سَعْیَہُمْ (اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کی قدر فرمائے)۔ کو حصہ نصیب ہوا ہے۔

تعجب ہے کہ خوارج کو اہل سنت نے قتل کیا اور اہل بیت کے دشمنوں کے بیخ کنی بھی انہوں نے کی ہے۔ اس وقت رافضیوں کا نام ونشان بھی نہ تھا اور اگر تھا بھی تو نہ ہونے کے برابر۔ مگر یہ لوگ اپنے زعمِ فاسد سے اہل بیت کا محب رَفَضَہ کو تصور کرتے ہیں ۔ اور اہل سنت کو روافض کہتے ہیں ۔ عجیب معاملہ ہے کہ کبھی تو اہل سنت کو خوارج میں سے شمار کرتے ہیں جو افراطِ محبت نہیں رکھتے اور کبھی ان بزرگوں میں نفسِ محبت کا احساس کرتے ہوئے انہیں روافض سمجھنا شروع کر دیتے ہیں ۔ آلِ محمد علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کی حب کا اظہار کرتے ہیں ، روافض میں گمان کرتے ہیں ۔ اور اہل سنت میں سے بہت سے علماء کرام کو جو اس محبت میں افراط سے روکتے ہیں اور حضرات خلفاء ثلثہ کی تعظیم و توقیر

میں کوشش کرتے ہیں کو خارجی جانتے ہیں۔ ان کی نامناسب جرأتوں پر افسوس ہزار افسوس۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس محبت میں افراط وتفریط سے بچائے۔ یہ افراط محبت ہی کا نتیجہ ہے کہ خلفاء ثلثہ وغیرہم سے بیزاری ونفرت کو حضرت امیر کی محبت کی شرط قرار دیتے ہیں۔ انصاف کرنا چاہیئے کہ یہ کیا محبت ہے جس کے حصول کی شرط پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں سے بیزاری ہو اور اصحاب خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰت والتحیات کو دشنام طرازی اور ان پر لعن طعن ہو۔ اہل سنت کا یہی گناہ ہے کہ وہ اہل بیت کی محبت کے ساتھ ساتھ سرور کائنات کے سب صحابہ کرام علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کی تعظیم وتوقیر بھی بجالاتے ہیں۔ اور صحابہ کرام میں سے کسی کو بھی ان کی باہمی مخالفتوں اور تنازعات کے باوجود برائی سے یاد نہیں کرتے۔ اور صحبت پیغمبر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم اور ان کے حضور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھی ہونے کی عزت کی بناء پر انہیں خواہش اور تعصب سے دور جانتے ہیں۔ حق والے کو حق پر تسلیم کرتے ہیں اور غلط کو غلط کہتے ہیں لیکن اس کی غلطی کو ہوا وہوس سے دور رکھتے ہیں۔ اور فکر واجتہاد کے سپرد کرتے ہیں۔ روافض اہل سنت سے اس وقت خوش ہوں گے جبکہ اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے صحابہ کرام سے بیزاری دکھائیں اور ان اکابردین سے بدگمان ہوجائیں جس طرح خوارج کی خوشنودی اہل بیت سے عداوت اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بغض رکھنے سے وابستہ ہے۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ اے ہمارے پروردگار ہمیں ہدایت عطا فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر۔ اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عبا فرمائے۔ بیشک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔ (دفتر دوم مکتوب ۳۶)۔ اے اللہ ہمیں صحابہ واہل بیت کی محبت عطاء فرما، اور اس پر استقامت نصیب فرما۔ آمین۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کو اہل بیت سے اس قدر عقیدت ومحبت تھی اور اہل بیت کے فیوض وبرکات کے

قائل تھے کہ اسی لئے آپ نے فضائل اَہل بیت کے فضائل کے سلسلہ میں پندرہ حدیثیں نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے ان دوشعروں پر مکتوب کو ختم کیا ہے:

الٰہی بحق بنی فاطمہ ✿ کہ برقول ایمان کنی خاتمہ

اگر دعوتم رد کنی ور قبول ✿ من و دست دامان آل رسول

(مکتوبات دفتر ۲ کے مکتوب نمبر ۳۶)

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

اہل بیت کی محبت شیعت نہیں ہے بلکہ سنیت ہے۔حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

لَوْ كَانَ رَفْضًا حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ ✿ فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّي رَافِضٌ

آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رفض نہیں جیسا کہ لوگوں نے گمان کیا اگر اس محبت کا نام رفض ہے تو پھر اس طرح کا رفض مضموم نہیں ہے۔جن وانس گواہ بن جائیں میں رافضی ہوں (محبت کرنیوالا ہوں) رفض صحابہ کو تبرا بازی کرنا ہے (مکتوباب ۳۶ دفتر دوم)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کے ساتھ محبت کرتے تھے ان کے ساتھ محبت کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا ہے۔

سچی محبت اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے

قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی (متوفی ۸۴۸ھ) لکھتے ہیں اَلْمَوَدَّةُ نِهَايَةُ الْمَحَبَّةِ وَالْمَحَبَّةُ اَلْاِطَاعَةُ وَالْاِنْقِيَادُ لَهُ وَضِدُّهَا الْاِسْتِكْبَارُ وَالْعِنَادُ (مناقب السادات قلمی ورق ص۶)۔مودت کا معنی نہایت ہی اور انتہائی محبت ہے اور محبت اطاعت و فرمانبرداری ہے اور اس کی ضد (مخالف) تکبر و عناد (دشمنی) ہے۔

اور اس کی دلیل شاعر (امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ) کا یہ شعر ہے

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ ✿ اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ يُطِيْعُ

اگر تو محبت میں سچا ہوتا تو اسکی اطاعت کرتا کیونکہ محبت کرنے والا جس کے ساتھ محبت کرتا ہے اس کی فرمانبرداری کرتا ہے۔(دیوان شافعی)

وعلامت انست کہ اولاد رسول ﷺ را دوست دارد وطریقہ دوستی آنست کہ از دیدن ایشاں خوش شود (مناقب سادات، ص ۱۴)۔ اور محبت کی علامت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اولاد کو دوست رکھے اور دوستی کا طریقہ یہ ہے کہ ان کو دیکھنے سے خوش ہو جائے۔ اھل بیت رسول اللہ ﷺ سے محبت کرنے اور ان کی تعظیم وتکریم کرنے کے بے شمار فوائد ہیں۔ اور سب سے بڑا فائدہ نجات کا ذریعہ ہے۔ اس لئے ان کی توہین سے بچنا ضروری ہے۔ کیونکہ موجب ہلاکت ہے۔

دشمنِ اہل بیت لعنتی اور جہنمی ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا (سورہ احزاب ۵۷)، بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے رسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُبْغِضُنَا أَهْلَ الْبَيْتِ رَجُلٌ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ (صحیح ابن حبان، ج ۷، حدیث ۶۹۷۸)۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جو بندہ بھی ہمارے اہل بیت سے بغض رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں ڈالے گا۔

قاضی شہاب الدین احمد دولت آبادی (متوفی ۸۴۸ھ) لکھتے ہیں بس مودت قربی بر مومن سنی بنص صریح واجب است وثابت شد ہر کہ قبول ومعتقد شود مومن موحد باشد والا کافر وملحد وملعون ومرتد باشد۔ بدانکہ دشمن سادات تحقیق دشمن مصطفیٰ ﷺ است ودشمن مصطفی دشمن خدا است۔ وعلوی محبوب رسول ﷺ است ہر کہ گوید محبوب رسول را دوست نمید ارم کافر شود (مناقب السادات ورق ۱۰)۔

(تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کی محبت سنی مؤمن پر نص صریح سے واجب اور ثابت ہے۔ جو کوئی قبول کرے اور معتقد ہو وہ مؤمن مؤحد ہوگا ورنہ کافر، بے دین، لعنتی مرتد ہوگا)

جاننا چاہئے کہ سادات کرام کا دشمن یقینا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہے۔ اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ اور سادات علوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ہیں۔ جو کوئی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب کو دوست نہیں رکھتا وہ کافر ہو جاتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مَنۡ اَبۡغَضَ اَوۡلَادِیۡ فَقَدۡ اَبۡغَضَنِیۡ وَمَنۡ اَبۡغَضِنِیۡ فَقَدۡ اَبۡغَضَ اللّٰہَ تَعَالٰی وَمَنۡ اَبۡغَضَ اللّٰہَ تَعَالٰی فَھُوَ فِی النَّارِ (مناقب السادات ورق ۹ بحوالہ الاربعین)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اولاد سے دشمنی رکھی بلاشبہ اس نے میری ساتھ دشمنی رکھی اور جس نے میرے ساتھ دشمنی کی تو بیشک اس نے اللہ سے دشمنی کی اور جس نے اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھی تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

وَبِاھَانَۃِ عَلَوِی رَا عَلَوِیک گوید یا مُوئے مُصۡطَفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رَا مُوَیک گوید کافر گردد و نیز کسی محبوب رسول را دشمن دارد کافر گردد بحدی اگر گوید مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کدو را دوست دارد من دوست نمی دارم کافر شود۔ (مناقب السادات قلمی ص ۹)۔ اور توہین علوی یہ ہے کہ علویک (چھوٹا سا علوی) کہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی بال مبارک کو چھوٹا سا بال کہے تو کافر ہو جائے گا۔ اور نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی دوست کو دشمن رکھنے سے کافر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدّو کو پسند فرماتے تھے، میں اس کو پسند نہیں کرتا تو کافر ہو جائے گا۔

امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سادات کرام کی تعظیم فرض ہے اور ان کی توہین حرام، بلکہ علمائے کرام نے ارشاد فرمایا جو کسی عالم کو مولویا یا کسی سید کو میروا بروجہ تحقیر کہے کافر ہے

اَلۡاِسۡتِخۡفَافُ بِالۡاَشۡرَافِ وَالۡعُلَمَآءِ کُفۡرٌ وَمَنۡ قَالَ لِعَالِمٍ عُوَیۡلِمٌ اَوۡ عَلَوِیٍّ

عُلَیْوِیٍ قَاصِدًا بِہِ الْاِسْتِخْفَافُ کُفْرٌ ، (فتاوی رضویہ ج ۱۴ ص ۲۲۹ بحوالہ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، باب المرتدج ۲ ص ۵۰۹) سادات ورعلماء کی تحقیر کفر ہے جو عالم کو (مولویا) (یا سید کو میروا) کو علیوی اس کی تحقیر کی نیت سے ہووہ کافر ہو جاتا ہے (کیونکہ اس میں علم دین اور سادات کی توہین پائی جاتی ہے)۔

کیا روافض وخوارج پر لعنت کرنا جائز ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِینَ یُؤْذُونَ اللّٰہَ وَرَسُولَہُ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ (سورہ احزاب ایت ۵۷)۔ جولوگ اللہ اوراس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر دنیا وآخرت میں لعنت کی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ یزیدو روافض اور خوارج پر لعنت بھیجنے کو جائز کہتے ہیں چنانچہ کتاب السیف المسلول میں فرماتے ہیں کہ ان پر جواز لعنت کی یہ دلیل ہے کہ انہوں نے صحابہ واہل بیت کو ایذاء پہنچائی ہے، اور ایذاء پہنچاتے رہتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہُ (جامع ترمذی، ج ۲، ص ۲۴۹)۔ جس نے ان (اھل بیت وصحابہ کو) ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی ہے۔ اور اولا د رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین کرنے والے پر لعنت کی گی ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں لعنت بھیجتا ہوں اور خدا نے بھی ملعون قرار دیا ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے (میری دعا بھی قبول ہوئی) اَلزَّائِدُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ وَالْمُتَسَلِّطُ بِالْجَبَرُوْتِ لِیُعِزَّ مَنْ اَذَلَّہُ اللّٰہُ وَیُذِلَّ مَنْ اَعَزَّہُ اللّٰہُ وَالْمُسْتَحِلُّ لِحَرَمِ اللّٰہِ

وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِيْ۔ (رواہ البیقی فی المدخل ورزین فی کتابہ (مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان باب القدر)۔(پہلا) کتاب اللہ میں زیادتی کرنے والا (دوسرا) تقدیر الٰہی کو جھٹلانے والا (تیسرا) وہ شخص جو زبردستی غلبہ پانے کی بناء پر اسے شخص کو معزز بنائے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کر رکھا ہو اور اس شخص کو ذلیل کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت وعظمت کی دولت سے نوااز رکھا ہو (چوتھا) وہ شخص جو حدود اللہ سے تجاوز کر کے اس چیز کو حلال جانے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو۔ (پانچواں) وہ جو میری اولاد سے وہ چیز (قتل) حلال جانے جو اللہ نے حرام کی ہے۔اور (چھٹا) وہ شخص ہے جو میری سنت کو چھوڑ دے۔

وَالْمُسْتَحَلُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ (ان چھ افراد میں سے پانچواں وہ ہے) اور جو میری ال کے متعلق وہ باتیں حلال سمجھنے والا جنہیں اللہ نے حرام کیا ہے)۔

شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں اور (پانچواں) وہ شخص جو میری قوم وقبیلہ اور میرے اہل وعیال کے ساتھ وہ کچھ حلال جانے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں کرنا حرام قرار دیا ہے یعنی انہیں تکلیف دے۔ان کی تعظیم نہ کرے اور ان کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے۔اگرچہ ہر قوم کے حرام کو حلال جاننا زجر وسزا کا مستحق بنا دیتا ہے۔چاہے خدا تعالیٰ وتقدس کے حرم شریف سے تعلق رکھتا ہو۔یا انخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت سے یا اور چیزوں سے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت سے متعلق حرام شدہ امور کو حلال جاننا نہایت سخت اور برا ہے۔اس لیے زیادہ اہتمام حرام سمجھنے کی زیادہ تاکید اور زیادہ شرف اور حق وتعظیم اور حرمت کا بہت زیادہ خیار کھنے کے لیے خصوصیت سے اس کی وصیت فرمائی۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا من عترتی میں من بیانیہ ہے۔یعنی جو شخص میری اولاد اور میرے اہل قرابت میں سے کسی چیز کو حلال جانے گا وہ عتاب اور سزا کا زیادہ مستحق ہوگا۔کہ جسے میرا شرف

فرزندی حاصل ہو اور میرے ساتھ تعلق قرابت ہونے کے باوجود حرام کاموں کا مرتکب ہو۔ تو وہ سخت گرفت اور سزا کا مستوجب ہوگا جیسا کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے بارے میں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یَا نِسَاءَ النَّبِیِّ مَن یَأْتِ مِنکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا (سورہ احزاب ۳۰) کہ اے پیغمبر کی بیویو تم میں جو جو بھی فحش کام اور بدکاری کا ارتکاب کرے گی اسے دُگنا عذاب ہوگا۔ اس میں شرفاء وسادات کرام کو تنبیہ ہے کہ محرمات کے قریب نہ جائیں اور نافرمانی اختیار نہ کریں۔ اور عزت سیادت کا پردہ چاک نہ کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کے تعلق کے غیر مناسب کسی فعل کے مرتکب نہ ہوں۔ اور حضور علیہ السلام کے ساتھ رشتہ داری سے مغرور اور دھوکے میں نہ ائیں۔

بیت

شرمے از روئے خوب خویش بدار ❁ کہ بداں روئے کار زشت کنی

عجب جمیل وجلیلی عجب ملیح وصبیحی ❁ ولے چہ سود کہ قدر جمال خویش ندانی

تجھے اپنے خوبصورت چہرے سے شرم آنی چاہیے۔ کہ ایسا چہرہ رکھتے ہوئے ایسے برے کام کرتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تو عجیب جمیل وجلیل اور عجیب خوبصورت وصاحب جمال ہے لیکن اس کا کیا فائدہ اگر تو اپنے جمال کی قدر نہ کرے۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ کتاب الایمان باب القدر)۔

وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِیْ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ کے ماتحت علامہ علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: یعنی ان کو ایذاء دے اور ان کی تعظیم نہ کرے اور عترت قریبی رشتہ داروں کو کہتے ہیں اور یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور ان کی اولاد کی اولاد ہے (مرقاۃ المفاتیح)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی بے حرمتی ان

پر ظلم وستم کرنے والا عترت رسول اللہ اولا دفاطمہ زہرا ہے ان کی تعظیم داخل فی الدین ہے جب قرب کعبہ کی وجہ سے حرم کی زمین کا احترام ہے تو قرابت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے سادات کرام کا احترام یقینا لازم ہے۔ یا اس جملے کے معنی یہ ہیں کہ جو میری اولا د ہو اور اللہ کے حرام کو حلال جانے اس پر لعنت ہے (اشعۃ اللمعات)

کہ اگرچہ جرم سب کے لیے برا ہے مگر سادات کے لیے زیادہ برا اس سے سید حضرات کو عبرت پکڑنی چاہیے وہ اپنے باپ دادوں کا نمونہ بنے نہیں صرف سید ہونے پر فخر نہ کریں۔ (مراۃ المناجیح، ج ا ص ۱۱۲)۔

پہلے معنی کے اعتبار سے اولا د رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین اور گستاخی کرنے والے پر شدید ترین لعنت کی گئی ہے۔ اس لیے خوارج اور نواصب عبرت پکڑیں

حضرت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ متوفی ۱۲۲۵ھ سوال و جواب کی صورت میں لکھتے ہیں ؎

سوال: از اولا د سادات و پیرزادگاں اگر کسے فاسق یا کافر یا رافضی باشد با او چہ سلوک باید کرد۔

جواب: اگر فاسق باشد نصیحت باید کرد و ادائے حق باید نمود و اگر رافضی و مانند آن باشد کہ بکفر رساند با او دوستی نباید نمود حق تعالیٰ میفر ماید (حقیقت الاسلام، ص ۱۲)

سوال: سیدوں اور پیرزادوں میں اگر کوئی فاسق (نافرمان) یا رافضی (روافض) ہو ان کے ساتھ کیسا سلوک و معاملہ کرنا چاہیے۔

جواب: اگر فاسق (بدعمل) ہو تو نصیحت کرنا چاہیے (کہ برے کام آپ کی شان کے لائق نہیں ہیں) اور حقوق ادا کرنا چاہئے اور اگر رافضی ہو اور اس کی مثل عقیدہ اور عمل کفر تک پہنچتا ہو تو اس کے ساتھ دوستی نہیں رکھنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا

مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ (سورہ ممتحنہ ۱۳)۔اے ایمان والو ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہے وہ آخرت میں آس توڑ بیٹھے ہیں جیسے کافر آس توڑ بیٹھے قبر والوں سے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (سورہ ھود ۴۶)۔وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالایق ہیں۔

عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ کو باواز بلند فرماتے سنا،خفیہ طور پر نہیں۔آپ فرمارہے تھے اِنَّ آلَ اَبِیْ فُلَانٍ لَیْسُوْا بِاَوْلِیَائِیْ اِنَّمَا وَلِیِّیَ اللّٰہُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنْ لَھُمْ رَحِمٌ اَبُلُّھَا بِبَلَاھَا (صحیح البخاری کتاب الادب حدیث ۵۹۹۰)۔بیشک ابی ابی فلاں میرے اولیاءنہیں ہیں میرا ولی تو اللہ ہے صالح مؤمنین میں لیکن ان کے لئے رحم ہے میں اس کی تیری تر کرتا رہتا وہ میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سادات اور پیروں کی اولاد اور اپنے رشتدار اگر کافر ہوں یا رافضی یا خارجی ہوں یا ان کے عقائد واعمال کفر تک پہنچ گے ہوں ان کو دوست نہیں بنانا چاہئے لیکن ہمدردی صلہ رحمی اور احسان وحسن سلوک کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ (سورہ ممتحنہ ۸)۔اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو۔

یعنی کفار اہل ذمہ پر بھی احسان کرنا اور ان سے نیکی کرنا منع نہیں ہے(کیونکہ وہ کسی سے جنگ نہیں کرتے)۔ (حقیقت الاسلام ص ۱۲)

ابوالعباس ابن حجر الھیتمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں **وینبغی الاغضاء عن انتقادھم ومن ثم ینبغی ان الفاسق من اھل البیت لبدعۃ اوغیرھا انما نبغض افعالہ لا ذاتہ لانھا بضعۃ منہ ﷺ وان کان بینہ وبینھا وسائط** ۔ (الصواعق المحرقۃ، ج ۲، ص ۵۰۷)۔
ان پر نکتہ چینی سے چشم پوشی کرنی چاہیئے اور اگر کوئی اہل بیت میں سے بدعت وغیرہ کے باعث فاسق ہو جائے تو اس کے افعال سے بغض رکھنا چاہیئے نہ کہ اس کی ذات سے۔ اس لئے کہ وہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ٹکڑا ہے اگرچہ اس کے اور آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے درمیان وسائط ہیں۔

امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، ان اعمال کے سبب اس سے تنفر نہ کیا جائے نفس اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حدِ کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی، ہاں اگر اس کی بدمذہبی حدِ کفر تک پہنچے جیسے افضی وہابی قادیانی نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی یعنی سیادت، وہی نہ رہی۔ **قال اللہ تعالیٰ انہ لیس من اھلك انہ عمل غیر صالح** اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے نوح (علیہ السلام) وہ یعنی تیرا بیٹا تیرے خاندان اور گھرانے والوں میں سے نہیں اس لئے کہ اس کے کام اچھے نہیں۔

شریعت نے تقویٰ کو فضیلت دی ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو)۔ مگر یہ فضل ذاتی ہے فضل نسب منتہائے نسب کی افضیلت پر ہے سادات کرام کی انتہائے نسب حضور سید عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر ہے، اس فضل انتساب کی تعظیم ہر متقی پر فرض ہے کہ وہ اس کی تعظیم نہیں حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعظیم ہے واللہ اعلم۔ (فتاوی رضویہ ج ۲۲ ص ۴۲۳)۔

مسئلہ: اَہل سنت وجماعت کا اتفاقی مسئلہ ہے کہ مؤمن گناہ کبیرہ کے ارتقاب سے کافر نہیں ہوتا ویسے

ہی سید بھی فسق کے سبب سیادت کے خارج نہیں ہوتا۔

گوہر گر در خلاب افتد ہماں نفیس است ❁ غبار گر بر آسماں رود ہماں خبیث است

موتی اگر کیچڑ میں گر پڑے تو پاک ہی رہتا ہے۔زمین کا کوڑا کرکٹ اگر آسمان پر چڑھ جائے تو ویسا ہی پلید ہوتا ہے(تحفۃ الاحباب ص ۲۵)

عمل صالح کی ترغیب

اھل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام و مرتبہ سب سے بلند ہے اس لئے عمل صالحہ کی ترغیب دی جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَن يَأْتِ مِنكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۔ وَمَن يَقْنُتْ مِنكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا (احزاب ۳۰)۔اے نبی کی بی بیو جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے اس پر اوروں سے دونا عذاب ہوگا اور یہ اللہ کو آسان ہے۔ اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے اور نیک کام کرتی رہے ہم اسے اس کا دگنا ثواب دیں گے اور ہم نے اس کے لئے باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ن بیان کیا کہ جب اللہ عزوجل نے یہ ایت نازل کی وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ (الشعراء ۲۱۴)۔ اپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرایئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِشْتَرُوْا اَنْفُسَكُمْ لَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا بَنِيْ عَبْدِ مُنَافٍ لَا اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا عَبَّاسُ ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَا اُغْنِيْ عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَيَا فَاطِمَةُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَلِيْنِيْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِيْ لَا اُغْنِيْ عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (بخاری کتاب الوصایا حدیث

۲۷۵۳) اوراے قریش کی جماعت یااس کی مثل کوئی اور الفاظ فرمائے تم اپنی جانوں کو (ایمان لاکر) عذاب سے بچالو میں تمہیں (اللہ کی اجازت کے بغیر) اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچاؤں گا اعبد مناف (میں اذن الٰہی کے بغیر) تم کو اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچاؤں گا اے عباس بن عبد المطلب میں تمہیں (حکم الٰہی کے بغیر) اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچاؤں گا اور اے صفیہ رسول اللہ پھوپھی (اذن الٰہی کے بغیر) میں تم کو اللہ کے عذاب سے بالکل نہیں بچاؤں گا اور اے فاطمہ بنت محمد تم میرے مال سے جو چاہو سوال کرو (اللہ کی اجازت کے بغیر) میں تم سے اللہ کا عذاب بالکل دور نہیں کروں گا۔ اس حدیث کا محمل (مطلب) یہ ہے کہ اپ کے رشتہ داروں میں س جواپ پر ایمان نہیں لایا اور موت تک کفر اور شرک پر قائم رہا اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی شفاعت نہیں فرمائیں گئے اور اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کریں گے۔ لیکن جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے ایا اور اس سے عمل میں کچھ تقصیر ہوگئی اور اَپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے عام مسلمانوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے تو پھر اَپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خواص اور اپنے اقربینکی شفاعت کیوں نہی فرمائیں گے (نعمۃ الباری ج ۵ ص ۱۰۶)۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ (مسلم کتاب الذکر والدعا، حدیث ۶۷۲۸، ریاض الصالحین اربعین نوویہ حدیث نمبر ۳۶) ترجمہ: جس آدمی کا عمل تاخیر کرے اس کا نسل اس کے لئے جلدی نہیں کرتا کہ جس نے نیک عمل نہ کئے اس کا نسب اس کو آگے نہیں کرسکتا اس کا حسب ونسب اس کو فائدہ نہیں دے گا۔ حضرت نوح کے بیٹے کو نسب کام نہ آیا کیونکہ وہ نبی کا منکر تھا۔

شیخ عبدالحق صاحب لکھتے ہیں: یعنی جس نے عمل میں کوتاہی اختیار کی وہ چاہے کتنا ہی عالی نسب کیوں نہ ہو اس کے اس نقصان کی تلافی نہیں ہوسکتی بیت،

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی ❁ کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ترجمہ: اے جامی جب تو بندۂ عشق بن گیا تو اب خاندانی نسب پر فخر کرنا چھوڑ دے کیونکہ اس راہ میں فلاں بن فلاں کوئی چیز نہیں۔(اشعۃ اللمعات) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہی معزز ہے جو متقی ہے۔

علم دین کی برکت سے آزاد کردہ غلام بھی مراتب پا گئے

بہت سے اعلیٰ حسب ونسب والے گم ہو گئے ہیں۔حصول علم کی دولت سے آزاد کردہ غلام مراتب پا گئے۔علامہ علی قاری وَمَنۡ بَطَّاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمۡ یُسۡرِعۡ بِهٖ نَسَبَهٗ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی جس کو اس کا عمل آخرت میں یا اس کی کوتاہی دنیا میں عمل صالح کرنے سے اور سعادت کے درجے کو پہنچنے سے مؤخر کرے اور سست کر دے۔تو اس کا نسب اسے آگے نہیں لائے گا۔یعنی اس کی کوتاہی کا ازالہ اپنی قوم میں اس کے اچھے نسب والا ہونے کی وجہ سے نہیں ہوگا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قربت نسب کی وجہ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اعمالِ صالحہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔چنانچہ اللہ کا فرمان ہے اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ (سورۃ الحجرات ۱۳)۔بیشک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے متقی ہو۔

اور اس بات کی شہادت اس سے ملتی ہے کہ اکثر علماء سلف وخلف کے ایسے نسب نہ تھے جن کے ذریعے وہ فخر کرتے بلکہ بہت سے علماء سلف آزاد کردہ غلام تھے۔اس کے باوجود وہ امت کے سردار اور رحمت کے چشمے بن گئے تھے۔جبکہ بڑے بڑے نسب والے جو اس طرح نہ تھے وہ اپنی جہالت کے میدانوں میں نسیاً منسیاً ہو گئے۔اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس دین کی بدولت بہت سی قوموں کو بلندی عطاء فرماتا ہے اور اسی کے ذریعے دوسری قوموں کو پستی میں گرا دیتا ہے، اس کی تائید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حدیث میں وارد ہونا، اشارہ کرتا ہے (جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) اے (حضرت) صفیہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پھوپھی اے حضرت فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! قیامت کے دن میرے پاس اپنے اعمال کے ساتھ آنا نہ کہ اپنے نسب کے ساتھ اس لئے کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے

کسی قسم کا فائدہ (اس کی اجازت کے بغیر) نہیں پہنچا سکتا۔

ایمان وعمل کے بغیر کوئی تم میں سے بایزید رحمہ اللہ جیسا نہیں بن سکتا

حضرت ابو یزید قدس سا اللہ سرہ کے بارے میں منقول واقعہ بھی اس کی تائید کر رہا ہے کہ ان کا ایک مرید ان کے پیچھے ان کے نشاناتِ قدم پر چل رہا تھا۔ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اللہ کی قسم اللہ کی قسم اگر تم ابو یزید کی جلد اتار لو اور اسے اپنے جسم پر پہن لو تب بھی تم اس کے مقامات میں سے رائی کے دانے کے برابر بھی حصہ نہیں حاصل کر سکتے جب تک تم اس جیسے اعمال اختیار نہ کرو۔ پھر انہوں نے یہ شعر پڑھے

مَا بَالُ نَفْسِكَ اَنْ تَرْضٰى تَدْنُّسُهَا ۞ وَثَوبُ جِسمِكَ مَغسُولٌ مِّنَ الدَّنَسِ
تَرجُو النَّجَاةَ وَلَم تَسلُكْ مَسَالِكَهَا ۞ اِنَّ السَّفِينَةَ لَا تَجرِی عَلَی اليُبسِ

تیرے نفس کا کیا حال ہے جبکہ تو اسکے میلا ہونے پر راضی ہے۔ حالانکہ تیرے جسم ے کپڑوں سے میل دھودی گئی ہے۔ تو نجات کی امید کرتا ہے حالانکہ تو نجات کے راستوں پر چلتا نہیں ہے۔ بے شک کشتی خشکی پر نہیں چل سکتی (مرقاۃ)

جو حسب ونسب پر فخر کرتے ہیں اور اسی کو اپنی نجات کا ذریعہ اور کامیابی کا زینہ سمجھتے ہیں وہ اس وہ حدیث اور اس واقعہ سے عبرت حاصل کرتے ہیں

لَعَمْرُكَ مَا الْاِنْسَانُ اِلَّا بِدِيْنِهٖ ۞ فَلَا تَتْرُكِ التَّقْوٰی اِتِّكَالًا عَلَی النَّسَبِ
لَقَدْ رَفَعَ الاسلام سَلْمَانَ فَارِسٍ ۞ وَقَدْ وَضَعَ الشرك النسيب اَبَا لَهَبٍ

(جامع العلوم والحکم)

تیری زندگی کی قسم انسان نہیں مگر دین کے ساتھ۔ نسب پر بھروسہ کرتے ہوئے پرہیزگاری (عبادت) کو مت چھوڑ ا۔ بیشک اسلام نے سلیمان فارس کا مرتبہ اونچا کیا۔ اور بیشک شرک نے گرا

دیا ذلیل کردیا نسب والے ابولہب کو۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں بعض حضرات بے خبری میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم حضور کی آل ہیں تم لوگ حضور کی امت ہو تمہیں نیک اعمال کرنے چاہئیں ہم کو چنداں ضرورت نہیں۔ یہ بہت ہی بُری بات ہے اولاتو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضور کی امت نہیں یہ اپنے کفر کا اقرار ہے۔ اوراقرار کفر بھی کفر ہے ہر مؤمن حضرت کا امت اجابت ہے۔ اور ہر مخلوق حضور کا امت دعوت ہے۔ امت نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ میں مسلمان نہیں۔ تمام صحابہ تمام ازواج اولاد بلکہ خود حضور کے والدین کریمین حضور کی امت ہیں۔ اورسب کے لئے حضور کا امتہ ہونا فخر ہے (امیر معاویہ پر ایک نظر، ص۹۹)۔

مفتی احمد یار خان صاحب نعیمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں بعض حضرات بے خبری میں کہہ دیتے ہیں کہ ہم حضور کی آل ہیں تم لوگ حضور کی امت ہو تمہیں نیک اعمال کرنے چاہئیں ہم کو چنداں ضرورت نہیں۔ یہ بہت ہی بُری بات ہے اولاتو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضور کی امت نہیں یہ اپنے کفر کا اقرار ہے۔ اوراقرار کفر بھی کفر ہے ہر مؤمن حضرت کا امت اجابت ہے۔ اور ہر مخلوق حضور کا امت دعوت ہے۔ امت نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ میں مسلمان نہیں۔ تمام صحابہ تمام ازواج اولاد بلکہ خود حضور کے والدین کریمین حضور کی امت ہیں۔ اورسب کے لئے حضور کا امت ہونا فخر ہے (امیر معاویہ پر ایک نظر ص۹۹)۔

تیسرا باب: اہل بیت کے خصوصی فضائل

اہل بیت کے بعض عمومی فضائل بیان کرنے کے بعد اب اہل بیت کے بعض نفوس قدسیہ کے خصوصی فضائل ومناقب بیان کئے جاتے ہیں ان سے مراد وہ شخصیات ہیں جن کے اسماء گرامی لے کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فضائل بیان فرمائے ہیں۔ اور ان نفوس قدسیہ میں چارتن تمام اہل بیت کے افراد میں سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں، واین چارتن عمدہ ونخبہ ان جماعت اند (مدارج النبوت ج ۱ ص ۳۱۰)۔ اور یہ چارتن (حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم) عمدہ اور برگزیدہ ہیں۔ اور باقی سب ان کے ماتحت ہیں۔

اور حدیث کساء (چادر شریف) میں اہل بیت کے ان ہی چارتنوں (نفوس قدسیہ) کو لیا گیا تھا۔ وہ تمام اہل بیت سے عمدہ اور برگزیدہ ہیں

اہل بیت کے چارتنوں کی فضیلت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک (دن) صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ آپ پر کالی اون کی مخطوط چادر تھی۔ فَجَآءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ فَاَدْخَلَهٗ۔ ثُمَّ جَآءَ الْحُسَيْنُ فَدَخَلَ مَعَهٗ۔ ثُمَّ جَآئَتْ فَاطِمَةُ فَاَدْخَلَهَا۔ ثُمَّ جَآءَ عَلِيٌّ فَاَدْخَلَهٗ۔ ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (سورہ احزاب ۳۳:۳۳، صحیح مسلم حدیث ۲۴۲۴)۔ تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چادر میں داخل کر لیا۔ پھر حضرت جناب حسین رضی اللہ عنہ آئے۔ وہ بھی ان کے ساتھ خود داخل ہو گئے۔ پھر جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں۔ انہیں بھی داخل کر لیا۔ پھر جناب علی رضی اللہ عنہ آئے۔ انہیں بھی داخل کر لیا۔ پھر فرمایا اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کر دے اور تم کو خوب پاک اور صاف فرمائے۔

اس حدیث میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے فَدَخَلَ مَعَہٗ (مشکوۃ المصابیح،ص ۵۶۸)۔تو وہ ان کے ساتھ بذات خود داخل ہو گئے کیونکہ وہ عمر میں چھوٹے تھے۔

شروح مشکوۃ کے بعض نسخوں میں فَاَدْخَلَہٗ ہے کہ حضرت حسین کو بھی اپ نے چادر میں داخل کیا تھا۔

حضرت عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروردہ) کہتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا (سورہ احزاب ۳۳:۳۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حضرت ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی۔تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہراء اور حسن اور حسین (رضی اللہ عنھم) کو بلایا۔پھر آپ نے ان کو چادر میں لپیٹ لیا۔اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے تھے تو ان پر بھی چادر لپیٹ کر فرمایا اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ فَاَذْھِبْ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھِّرْھُمْ تَطْھِیْرًا۔اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔پس ان سے ناپاکی دور کردے اور انہیں خوب پاکیزہ بنا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں بھی ان کے ساتھ ہوں فرمایا۔اپنی جگہ ٹھہرو۔وَاَنْتِ عَلٰی خَیْرٍ۔تم بھلائی پر ہو(زوجہ کے اعتبار سے پہلے ہی اہل بیت میں ہو) (ترمذی،کتاب التفسیر،سورہ احزاب،کتاب المناقب)۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اَدْخِلْنِیْ مَعَھُمْ۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّکِ مِنْ اَھْلِیْ (جامع البیان،ج ۱۹،ص ۱۰۶ مطبوعۃ القاھرہ)

اے اللہ کے رسول! مجھے بھی چادر میں ان کے ساتھ داخل فرمائیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ تم میری اہل سے ہو۔تمہارا اہل بیت ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اِنَّکِ عَلٰی خَیْرٍ اَنْتِ مِنْ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ (حاشیہ جامع

البیان، ج ۲۲،ص ۱۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت لبنان)۔اے ام سلمہ بیشک آپ بھلائی پر ہیں کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں میں سے ہو۔تو بیویاں اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بَلٰی۔

وَاَنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَام اَدْخَلَهَا الْكِسَاءَ بَعْدَ مَا قَضٰى دُعَائَهٗ لَهُمْ (روح المعانی)۔

فرمایا کیوں نہیں۔اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہ کو بھی چادر میں لے لیا دعا فرمانے کے بعد۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس موقع پر عرض کیا کہ کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت ہوں۔فرمایا تم بھی اہل بیت ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہما کو بھی کمبل میں لے لیا۔پھر دعا فرمائی (مراۃ، ج ۸،ص ۴۵۴، الصواعق المحرقہ، ج ۲،ص ۲۲۴)۔حضرت علی، فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم کی دعا سے فارغ ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اپنی کساء (چادر) میں داخل کر کے ان کے لئے دعا فرمائی (معارف القرآن بحوالہ روح المعانی، صواعق محرقہ)۔اور دوسری صاحبزادیاں کا چادر میں نہ لینا ان کی نفی کی دلیل نہیں ہے۔

اس حدیث کساء سے روافض استدلال کرتے ہیں کہ اہل بیت سے مراد صرف حضرت فاطمہ زہراء، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنی چادر میں لے کر آیت تطہیر تلاوت کی۔اور اس سے عصمت بھی ثابت کرتے ہیں اور ازواج کا اہل بیت سے ہونے کا انکار کرتے ہیں۔استدلال روافض سے کب لازم آتا ہے کہ دوسرے حضرات اہل بیت میں شامل نہیں اور حدیث بھی اس پر دال نہیں۔

قاضی ناصر الدین عبد اللہ بیضاوی (متوفی ۶۸۵ھ) فرماتے ہیں وَالْاِحْتِجَاجُ بِذٰلِكَ عَلٰى عِصْمَتِهِمْ وَ كَوْنِ اِجْمَاعِهِمْ حُجَّةً ضَعِيْفٌ لِاَنَّ التَّخْصِيْصَ بِهِمْ لَا يُنَاسِبُ

مَاقَبلَ الاٰیَۃِ وَمَا بَعۡدَھَا و الحدیث یقتضی اَنَّھُمۡ اَھۡلَ الۡبَیۡتِ لَا اَنَّہٗ لَیۡسَ غَیۡرَھُمۡ (اسرارالتنزیل)

اَھلُ الۡعَبَاءِ رَسُوۡلُ اللہِ وَ ابۡنَتَہٗ ❁ وَالۡمُرۡتَضٰی ثُمَّ سِبۡطَاہُ اِذَا جَمَعُوۡا

کمبل والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور دونوں نواسے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ ہیں جب یہ سب اکٹھے ہو جائیں۔

چار نفوس قدسیہ کو چادر میں داخل کرنے کی حکمت

ازواج پاک پہلے ہی نصِ قرآنی سے اہل بیت ہیں کیونکہ آیات میں انہیں سے خطاب کیا گیا ہے۔
اور ان چار نفوس قدسیہ کو یعنی حضرت علی، فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو بھی چادر میں داخل کر کے واضح کر دیا کہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں تا کہ کوئی ناصبی و خارجی ان کو اہل بیت سے خارج نہ سمجھے۔

اور حدیث کساء سے کوئی یہ مطلب نہ لیا جائے کہ زواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں ہیں۔
حضرت علی، حضرت فاطمۃ زہراء اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کا اہل بیت ہونا حدیث کساء سے ثابت ہے۔ اور اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک ازواج واولاد سب اہل بیت ہیں۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اہل بیت کے چار نفوس قدسیہ کے لئے خصوصی دعا فرمائی۔
اور چار نفوس قدسیہ کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر میں اس لئے لیا تھا تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ حسن، حسین، فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہم تمام قرابت داروں سے افضل ہیں۔ اس لئے ھٰٓؤُلَاءِ اَھۡلُ بَیۡتِیۡ (کہ یہ میری اَہل بیت ہے) فرمایا اور اپنی رحمت کی چادر میں لیا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وبالجملہ باطلاق اہل بیت برین چارتن پاک شائع ومشہور است (اشعۃ اللمعات، ج ۴، ص ۲۸۱)۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ اہل بیت کا اطلاق ان چار

پاکیزہ حضرات پر مشہور و معروف ہے یعنی حضرت فاطمہ زہراء، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں خیال رہے کہ لفظ پنج تن پاک (شرک وکفر سے پاک) اس حدیث (کساء) سے لیا گیا ہے اور یہ واقعہ متعدد بار ہوا۔ کبھی ام سلمہ کو کمنبل شریف میں نہیں داخل کیا اور کبھی داخل فرما لیا ہے (مراۃ، ج ۸، ص ۴۵۳)۔

شیخ اخوند درویزہ ننگرہاری علیہ الرحمۃ الباری لکھتے ہیں لفظ پنجتن پاک ولفظ دوازدہ از اقوال روافض است ہم چنین لفظ چھاردہ معصوم پاک وپنج فرق ودہ گیسوہ از کلمات روافض است زیرا کہ این لفظہا نہ در آیت قرآن ونہ حدیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمدہ ونہ در آثار اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ونہ در روایت اماماں دین آمدہ بلکہ روافض این لفظ پیدا کردہ اند (شرح بدء الامالی، ص ۲۱)

مولوی محمد نجم الغنی خان لکھتے ہیں کہ ۱۱۶۶ھ میں بمقام دہلی سنی اور روافض کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہوا تو ان (اہل سنت) کی آواز کی علامت یہ تھی۔ یعنی سنی دم چار یار اور روافض دم پنجتن کہتے تھے (مذاہب اسلام، ص ۴۴۱)۔ جس معنی میں ان الفاظ کو روافض استعمال کرتے ہیں اس معنی میں اہل سنت کو لکھنا بولنا نہیں چاہیے کیونکہ وہ ائمہ اہل بیت کو نبیوں کے برابر بلکہ ان سے بھی افضل سمجھتے اور مانتے ہیں۔ اس لئے ان کی مشابہت سے بچنا چاہیئے۔ اور لفظ چار یار بولنا نئی بات نہیں ہے۔

فضائل چھپانے کے دعوی کی تردید

اس حدیث کساء کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے اس شخص کا جھوٹ ظاہر ہوتا ہے جو کہتا ہے کہ صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل چھپاتے تھے۔ اور یہ بھی کذب بیانی ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض وکینہ اور دشمنی رکھتی تھیں حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہی حضرت علی، حضرت فاطمہ

زہراء، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے فضائل کی متعدد حدیثیں روایت فرمائی ہیں

(سیرت امیر المومنین الخلفاء الراشدین حسن بن علی، ص ۸۹)۔

فِيهِ الرَّدُّ عَلَى مَنْ زَعَمَ اَنَّ الصَّحَابَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ يَكْتُمُوْنَ فَضَائِلَ اَهْلِ الْبَيْتِ (کتاب الاربعین فی فضائل آل بیت الطاھرین، ص ۱۹)۔اس میں رد ہے اس کا جو گمان کرتا ہے کہ صحابہ کرام فضائل اہل بیت کو چھپاتے تھے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ زہراء، حسن اور حسین سے فرمایا اَنَا حَرْبٌ لِّمَنْ حَارَبَكُمْ وَسِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَكُمْ (صحیح ابن حبان ،حدیث ۶۹۷۷) کہ تمہارے دشمن کا میں دشمن ہوں اور تمہارے دوست کا میں دوست ہوں۔ کیونکہ ایک دوسرے کی محبتیں متصل ہیں۔ دوسری حدیث میں چار نفوس قدسیہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے حق میں فرمایا کہ جو کوئی ان سے لڑے میں اس سے لڑوں گا اور جو کوئی ان سے مصالحت رکھے میں اس سے مصالحت رکھوں گا۔ (ترمذی)۔

اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جس نے ان چہار تن پاک کو دوست اور محبوب رکھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوست و محبوب رکھا۔ اور جس نے ان چاروں کو دشمن رکھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمن رکھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی رکھنے کا نتیجہ دنیا آخرت کی بربادی ہے۔

حضرت فاطمہ کے گھر دروازہ سے گزرتے ہوئے آیت تطہیر کا پڑھنا

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھ ماہ تک صبح کی نماز کے لئے جاتے ہوئے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے کے پاس سے گزرتے رہے اور (وہاں پہنچ کر) فرمایا کرتے: اَلصَّلَاةَ. اَلصَّلَاةَ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب ۳۳)۔نماز،نماز (پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ آیت تلاوت فرماتے) اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی کو دور کردے اور تمہیں اچھی طرح پاک کردے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نمازِ فجر کے لئے نکلتے تھے تو چھ ماہ تک فاطمہ کے گھر کے پاس آیا کرتے تھے اور فرماتے: اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب ۳۳)۔اے اہل بیت! نماز (کا وقت ہوگیا)،اے اہل بیت! نماز (کے لیے اٹھ جاؤ)،اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی کو دور کردے اور تمہیں اچھی طرح پاک کردے (فضائل الصحابۃ)۔

آیت مباہلہ اور اہل بیت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت مباہلہ نازل ہوئی فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (سورہ آل عمران ۶۱:۳)۔ترجمہ: پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس (عیسیٰ علیہ+ السلام) بارے میں اس کے بعد کہ آگیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یقینی علم (کہ عیسیٰ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجیے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی۔پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں،پس بھیجیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی لعنت جھوٹوں

دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلِيًّا وَّفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَّحُسَيْنًا (صحیح مسلم،باب فضائل علی، ۲۴۰۴)۔تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب علی،فاطمہ اور حسنین کریمین کو بلایا۔اور عرض کیا

اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ ،اے اللہ میرے گھر والے یہ ہیں۔اورانہی چار نفوس قدسیہ کو اپنے ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے گئے۔

اس آیت کو آیت مباہلہ کہتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عزیز ترین،قریب ترین اہل بیت کو مباہلہ کیلئے اس طرح لے کر نکلے کہ حسنین کو اپنی گود میں اٹھا رکھا، حضرت فاطمہ زہراء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھیں اور حضرت علی حضرت فاطمہ زہراء کے پیچھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میں مباہلہ کی دعا کروں تو تم سب نے مل کر آمین کہنا ہے۔جب نصاریٰ کے پیشواء کی نظر ان نورانی چہروں پر پڑی تو اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کریں کہ اس پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھیڑ دے تو یقینا اللہ تعالیٰ ان کی درخواست کو قبول کرے گا۔پھر اس عیسائی نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ مباہلہ ہرگز نہ کرنا ورنہ جڑ سے اکھیڑ دئے جاؤ گے۔آخر ان عیسائیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مباہلہ نہیں کیا تھا۔جزیہ قبول کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی اطاعت پر مجبور ہو گئے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاہ چادر اوڑ کر اس موقع پر باہر تشریف لے گئے جَآءَ الْحَسَنُ فَاَدْخَلَہٗ ثُمَّ جَآءَ الْحُسَیْنُ فَاَدْخَلَہٗ ثُمَّ فَاطِمَۃُ ثُمَّ عَلِیٌّ ثم قال اِنَّمَا یُرِیْدُ اللہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (سورہ احزاب ۳۳:۳۳)(تفسیر غرائب القران ج ۲:۱۷۸

ترجمہ:حضرت حسن آئے،ان کو چادر میں داخل کرلیا۔پھر حضرت حسین آئے،ان کو داخل کرلیا۔پھر حضرت فاطمہ زہراء پھر حضرت علی کو اس میں داخل کیا۔پھر یہ آیت تلاوت کی (بیشک اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے دور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو!اور تم کو پوری طرح پاک صاف کر دے)۔

اس واقعہ میں اہل بیت سے حضرت علی،حضرت فاطمہ،حضرت حسن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عظیم فضیلت بیان کی گئی ہے۔

امام ابن عساکر نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد (رضی اللہ عنہم) سے اسی ایت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ جب یہ ایت نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوبکر اور ان کے بیٹے حضرت عمر اور ان کے بیٹے حضرت عثمان اور ان کے بیٹے اور حضرت علی اور ان کے بیٹے کو ساتھ لائے (در منثور ج ۲ ص ۲۲۸، روح المعانی ج ۳ ص ۲۵۰)۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں وَهٰذَا خِلَافُ مَا رَوَاهُ الْجُمْهُوْرُ (روح المعانی ج ۳ ص ۲۵۰)۔ اور یہ اس کے خلاف ہے جس کو جمہور نے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان ہی کو ساتھ لے کر گئے جن کے لے جانے کا حکم دیا گیا۔ اور اس آیت میں اَبْنَاءَنَا اَبْنَاءَنَا (ہم اپنے بیٹوں) کو، مراد حسن حسین اور حضرت علی جو مجازا بیٹوں کے کے حکم میں ہیں نِسَاءَنَا وَنِسَاءَ کُمْ بیویاں مراد نہیں بلکہ بیٹیاں ہیں فقط نسا سے مطلق عورتیں مراد ہوتی ہیں، عیسائی اپنی عورتوں کو اپنے ساتھ لے کر نہیں ائے تھے بلکہ صرف دعا میں شریک ہوئے تھے۔ (تفسیر نعیمی)

نِسَاءَنَا (ہماری عورتیں) سے حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء مراد ہیں۔ اور دوسری صاحبزادیاں اس واقعہ سے پہلے ہی وفات پا چکی تھیں۔ حضرت زینب ۸ ھ میں فوت ہوئی تھیں، حضرت رقیہ ۲ ھ میں فوت ہوئیں اور ام کلثوم نے ۹ ھ میں وفات پائی (رضی اللہ عنھن)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَنْفُسَنَا سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔ اَبْنَاءَنَا سے مراد حسنین کریمین اور نِسَاءَنَا سے سیدہ فاطمہ مراد ہیں (تفسیر الدر المنشور)۔

نواسوں کو بیٹا کہا جاتا ہے

اَبْنَاءَنَا (اپنے بیٹے) اس کی تفسیر میں امام ابو عبداللہ محمد قرطبی فرماتے ہیں: دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ اَبْنَاءِ الْبَنَاتِ يُسَمُّوْنَ اَبْنَاءً وَذٰلِكَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَاءَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَفَاطِمَةُ تَمْشِيْ خَلْفَهٗ وَعَلِيٌّ خَلْفَهَا وَهُوَ يَقُوْلُ لَهُمْ اِنَّ اَنَا دَعَوْتُ فَاَمِّنُوْا وَهُوَ مَعْنٰى قَوْلِهٖ ثُمَّ

نَبْتَهِلْ اَیْ نَتَضَرَّعُ فِی الدُّعَآءِ مِنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ (تفسیر قرطبی، ج ۴ ص ۱۰۴)۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ بیٹیوں کے بیٹوں کو بیٹا کہا جاتا ہے اور اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن حسین و فاطمہ کو ساتھ لائے اور وہ آپ کے پیچھے چلتی تھی اور حضرت علی ان کے پیچھے چلتے تھے آپ فرماتے ان کے لئے بیشک میں دعا کروں تم آمین کہو اور یہی اس ارشاد کا معنی ہے پھر ہم گرگڑھا کر دعا کریں یعنی بہت دعا میں عاجزی کریں یہ ابن عباس سے مروی ہے۔

نَبْتَهِلْ ہم کوشش کریں، گڑگڑا کر دعائیں کریں۔ مُبَاهِلَه کا صیغہ باب مفاعلہ سے بَهَلٌ یا بَهْلَةٌ سے بنا ہے جس کے معنی لعنت بھیجنے اور لعنت کرنے کے ہیں۔ اور مُبَاهِلَه کا مطلب ہوتا ہے ایک دوسرے پر لعنت بھیجنا اور ملعون ہونے کی بد دعا کرنا۔ عیسائی مباہلہ کے لئے ڈر اور خوف سے نہ آئے۔ اور انہوں نے جان لیا کہ وہ جھوٹے ہیں اس کے باوجود انہوں نے حق کا اقرار نہیں کیا۔

رافضیوں کے استدلال کا ردّ

حضرت قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی (متوفی ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں کہ اس آیت سے رافضیوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی نفی ہوتی ہے اور حضرت علی شیر خدا ہی حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ برحق تھے۔ انہوں نے کہا یہاں ابناء سے مراد حضرات حسن و حسین ہیں، نساء سے مراد حضرت فاطمہ زہراء ہیں اور انفسنا سے مراد حضرت علی شیر خدا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نفس بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت علی شیر خدا کو فضائل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم پلہ بنا دے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں میں ان کی ذاتوں سے بھی بڑھ کر تصرف کا حق رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (سورہ احزاب ۳۳:۶)۔ (یہ نبی مومنوں کی جانوں سے زیادہ ان کے قریب ہیں)۔ پس حضرت علی شیر خدا بھی ایسے ہی ہوئے، پس وہی امام ہوئے۔

اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا جاتا ہے(۱)النفس جمع کا صیغہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین پر دلالت کرتا ہے۔ یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ان دونوں کی ذات ایک ہے کیونکہ اس کا بطلان ظاہر ہے۔

(۲) یہ بھی جائز ہے کہ حضرت علی شیر خدا ابناء میں شامل ہوں جس طرح حسن وحسین اَبۡنَآءُ میں شامل ہیں۔ یہاں ابناء سے عموم مجاز امراد ہے کیونکہ عرف میں داماد پر ابن کا اطلاق ہوتا ہے۔

(۳) یہ جائز ہے کہ انفس سے مراد وہ لوگ ہوں جو نسب اور دین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ متصل ہوں جس طرح رب العالمین کا ارشاد ہے وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ۔ (سورہ بقرہ) اپنوں کو اپنی بستیوں سے نہ نکالنا۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ ۔(سورہ بقرہ) (اپنوں کو قتل کرنے لگے)۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا ۔(سورہ احزاب) مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنو پر نیک گمان کیا ہوتا۔

ان سب آیات میں یہی معنی موجود ہے۔اس وجہ سے ان میں مساوات کے معنی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۴) حضرت علی شیر خدا کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام صفات میں مساوات باطل ہے۔اس میں دونوں فریقوں کا اتفاق ہے۔بعض چیزوں میں مساوات ہے۔اس مساوات کا فائدہ نہیں دیتی جس میں ہم بحث کر رہے ہیں۔

(۵) اگر یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی شیر خدا زیادہ تصرف کرنے والے ہیں تو یہ اس کو بھی لازم ہوگی کہ وہ آپ کی زندگی میں ایسے ہی ہوں گے جبکہ تم اس قسم کا قول نہیں کرتے۔ لیکن یہ قصہ اس بات پر ضرور دلالت کرتا ہے کہ یہ پانچوں ہستیاں اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین افراد

تھے (تفسیر مظہری اردو، ج ۲، ص ۹۷، تفسیر مظھری عربی، ج ۲، ص ٦٥)۔

امام ابومنصور محمد ماتریدی سمرقندی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں وفی ذلك جواز محاجة الکفرة فی التوحید والرسالة لکن علی ما قال الله تعالیٰ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ (سورۃ النحل ایت ۱۲۵)۔ فَلَا تُمَارِ فِیۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاہِرًا (سورۃ کہف ایت ۲۲)۔ نهی عن التعمق والخوض فیما یقصر عنه الافهام وان کان معلوما ان لله حججا ظاهرة وغامضة ولا قوة الا بالله وفی ذالك تعلیم الامر بالمعروف والنهی عن المنکر انه یکون ذلك بالطف والرفق (تاویلات القرآن، جلد ۲، ص ۳۲۳)۔ (اوراس میں کافروں کے ساتھ مسئلہ توحید اور رسالت کے اثبات کے لئے بحث مباحثہ اور مناظرہ کرنے کا جواز ہے لیکن اس طریقہ پر جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے (اوران سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو) (تو ان کے بارے میں بحث نہ کرو مگر اتنی ہی بحث جو ظاہر ہو چکی)۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے زیادہ تعمق اور خوض کرنے سے روکا ہے۔ فہموں کے قاصر ہونے کی وجہ سے اگرچہ معلوم ہے یہ کہ اللہ کے لئے ظاہری اور مشکل دلیلیں ہیں۔ نہیں ہے طاقت نیکی کرنے کی نہ برائی سے بچنے کی مگر اللہ کی توفیق سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مہربانی اور نرمی کے ساتھ۔

خطبہ غدیر خم اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت

حضرت ابوالحسن علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی، داماد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زوج بتول والد حسنین کریمین صاحب کساء وعلم اور حیدر کرار کے فضائل ومناقب میں متعدد حدیثوں میں بیان کی گئی ہیں بلکہ آپ کے فضائل میں سب سے زیادہ حدیثیں منقول ہیں۔ اورانہی حدیثوں میں سے حدیث غدیر خم کے نام سے مشہور ہے۔ کہ حجۃ الوداع سے لوٹتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام جحفہ کے قریب غدیر خم پر بروز اتوار ۱۸ ذوالحج ۱۰ھ کو ایک درخت کے نیچے عظیم الشان خطبہ

فرمایا۔ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت بیان فرمائی۔

چنانچہ حضرت براء بن عازب اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب غدیر خم میں اترے تو لشکر میں اعلان ہوا کہ نماز کے لئے جمع ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دو درختوں کے نیچے جھاڑو دے دیا گیا۔ تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی اور حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنِّیْ اَوْلٰی بِکُلِّ مُؤْمِنٍ مِّنْ نَّفْسِہٖ قَالُوْا بَلٰی اَللّٰھُمَّ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ (اے لوگو) کیا تم کو علم نہیں کہ میں سب مومنوں کی جان کا زیادہ حقدار ہوں تو لوگوں نے کہا ہاں تو آپ نے حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے اللہ جس کا مولیٰ میں ہوں تو علیؓ بھی اس کا مولی ہے اے اللہ اسکے دوست کا دوست اور دشمن کا دشمن ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مبارک دینا

راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملے تو فرمایا ھَنِیْٓـاً یَا ابْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَصْبَحْتَ وَاَمْسَیْتَ مَوْلٰی کُلِّ مُؤْمِنٍ وَّ مُؤْمِنَۃٍ (مسند احمد، مشکوۃ، ترمذی): مبارک ہو تم کو اے ابن ابی طالب صبح وشام ہر مومن مرد اور عورت کا آقا ہو۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی اۓ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

وَاَحِبَّ مَنْ اَحَبَّہٗ وَاَبْغِضْ مَنْ اَبْغَضَہٗ وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ وَاخْزُلْ مَنْ خَزَلَہٗ (اشعۃ اللمعات، مرقاۃ المفاتیح) اے اللہ تو محبت کر اس سے جو محبت کرے علی سے۔ اور جو دشمن ہو اس کا جو دشمنی کرے ان سے اور مدد کر اس کی جو مدد کرے ان کی جو انہیں امداد نہ دے تو بھی اسے امداد نہ دے۔

روافض کے استدلال کا رد

روافض جن حدیثوں اور روایتوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل اور ان کی اولیت وافضلیت پر استدلال کرتے ہیں ان میں سے اس حدیث کو وہ نہایت مضبوط اور قوی تر قرار دیتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ مَنۡ كُنۡتُ مَوۡلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوۡلَاهُ (جس کا میں دوست ہوں اس کا علی دوست ہے)اس حدیث میں مولا کے معنی عزیز ومحبوب اور مددگار کے نہیں ہیں بلکہ دراصل یہ لفظ اولی بالخلافت اور حاکم کے معنی میں ہے۔(اھل سنت والجماعت کہتے ہیں) کہ یہ معنی درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ مولیٰ کے کئی معانی آتے ہیں: رب، مالک، آقا، مددگار، دوست، تابع، پیروی کرنے والا، پڑوسی، چچازاد بھائی، حلیف، داماد، آزاد کردہ غلام اور احسان مند وغیرہ وغیرہ۔(اشعۃ اللمعات، الصواعق المحرقۃ، مظاہرحق)۔اس لئے یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ مولیٰ کا معنی خلیفہ بلافصل اور حاکم اور اولیٰ بالخلافت نہیں ہے۔ مولیٰ کا معنی دوست مددگار وغیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰهُ وَجِبۡرِيۡلُ وَصٰلِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (سورہ التحریم ۴)،تو بیشک اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور انیک ایمان والے۔اس آیت میں مولیٰ بمعنی ناصر مددکرنے والا ہے۔

وَاِنِّيۡ خِفۡتُ الۡمَوٰلِيَ مِنۡ وَّرَآءِيۡ (سورہ مریم ۵)، اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے۔

اور حدیث غدیر خم کی کثیر سندیں ہیں اور یہ حدیث مختلف سندوں اور الفاظوں کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔البدایہ والنہایہ ج ۸ کے ص ۲۲۸ پر اس حدیث کی تئیس (۲۳) روایتیں نقل کی گئیں ہیں۔ اور نظم المنتثارہ من حدیث المتواترہ میں ہے کہ یہ حدیث (مَنۡ كُنۡتُ مَوۡلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوۡلَاهُ (جس کا میں دوست ہوں اس کا علی بھی دوست ہے)۔ ۲۵ صحابہ سے روایت کی گئی

ہے۔بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے۔اور یقینی بات یہ ہے کہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے ہاں بغیر کسی شک وشبہ کے صحیح حدیث ہے۔(الصواعق المحرقۃ ،اشعۃ اللمعات، مفہوم)۔اس حدیث میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی منقبت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔جس کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب مسلمانوں کے مولیٰ ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کمال قرب حاصل تھا

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِیُّ کُلِّ مُؤْمِنٍ** (ترمذی) کہ علی مجھ سے (نسب ونسل اور میرے چچازاد بھائی اور داماد) ہیں اور میں علی سے ہوں، (کہ میں علی کا رسول، علی کا چچازاد بھائی اور سسر ہوں) اور حضرت علی تمام اہل ایمان کے دوست ومددگار ہیں

غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی کو خلیفہ بنایا گیا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے ارشاد فرمایا **اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ**۔(بخاری ومسلم)۔ترجمہ: دنیا وآخرت میں قرابت ومرتبہ میں اور دینی مددگار ہونے کے اعتبار سے تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام تھے،بس فرق یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس آیت کی تفسیر تھا **وَقَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ** (اعراف ایت ۱۴۲) ۔اور حضرت موسی نے اپنے بھائی ہارون سے فرمایا تم میرا خلیفہ بنو (قوم میں)۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے اہل وعیال پر خلیفہ بنایا اور خود غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے۔نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ آخری غزوہ تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا ہے گویا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چھوڑ جانے کو کم مرتبہ خیال کیا۔ (وہ چاہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معیت میں شریک جہاد ہوں)۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اے علی کیا آپ اس بات پر راضی نہیں کہ آپ کی نسبت ہمارے ساتھ وہی ہے جو حضرت ہارون کی موسیٰ کے ساتھ تھی۔ حضرت موسیٰ میقات (کوہ طور) پر گئے تو حضرت ہارون کو اپنی قوم میں خلیفہ بنا گئے۔

روافض نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا حق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کی خلافت کی وصیت کی تھی۔ علماء اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ یہ حدیث ان کی دلیل نہیں ہے بلکہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کو اس مدت کے لئے خلیفہ بنایا جب تک آپ غزوہ تبوک میں مصروف رہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اس وقت تک کے لئے خلیفہ بنایا جب تک وہ کوہ طور پر مناجات الٰہیہ میں مصروف رہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد خلیفہ نہیں بنے کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے چالیس سال پہلے ہوئی (اشعۃ اللمعات)۔

محدث شہیر علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث روافض اور تمام اہل تشیع فرقوں کے ان دلائل میں سے ہے کہ جن کی بناء پر وہ یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد خلافت کا اولین استحقاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں وصیت بھی کی تھی۔ ان کے بقول تمام صحابہ کافر ہو گئے (معاذ اللہ) اس وجہ سے کہ ان صحابہ رضی اللہ عنھم نے خلافت کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر دوسروں

کومقدم کیا۔اور بعض لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو(معاذ اللہ) کافرقرار دیا چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا حق طلب نہیں کیا۔

لہٰذا ایسے لوگوں کے کافر ہونے کے بارے میں تو کوئی شک وشبہ نہیں چونکہ جو شخص تمام امت کو کافر کہے خصوصا طبقہ اول پر کفر کا فتویٰ جاری کرے اس نے پوری شریعت کو غیر معتبر قرار دے دیا اور اسلام کی ساری عمارت کو ڈھا دیا۔ یہ حدیث ان گمراہ لوگوں کا مستدل نہیں بن سکتی۔اس حدیث سے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔اس حدیث میں نہ تو اس بات کا بیان ہے کہ وہ دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔اور نہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلیفہ وہ ہوں گے۔چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ غزوہ تبوک کے لئے جاتے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناتے وقت ارشاد فرمایا تھا۔اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہارون علیہ السلام مشبہ بہ ہین، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ بنے ہی کیا تھا، چونکہ ان کی وفات موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے چالیس سال قبل ہوگئی تھی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو خلیفہ اس وقت بنایا تھا جب وہ اپنے رب سے مناجات کے لئے جارہے تھے۔

وَلَا شَكَّ فِي تَكفِيرِ هٰؤُلَاءِ لِأَنَّ مَن كَفَّرَ الأُمَّةَ كُلَّهَا وَالصَّدرَ الأَوَّلَ خُصُوصًا فَقَد أَبطَلَ الشَّرِيعَةَ وَهَدَمَ الإِسلَامَ وَلَا حُجَّةَ فِي الحَدِيثِ لَهُم (مرقات ج ۱۱، ص ۲۴۰)

یہ غزوہ تبوک کے موقع پر فرمایا تھا۔اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی فضیلت اور منقبت بیان کی گئی ہے۔جس طرح ھارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام خلیفہ تھے اسی طرح حضرت علی مرتضیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقتی طور خلیفہ بنائے گے تھے۔لیکن فرق یہ ہے کہ ھارون علیہ السلام اللہ کے نبی

ہیں اور حضرت علی نبی نہیں، صحابی ہیں۔اس حدیث میں کمال اتصال اور قرب میں تشبیہ ہے جو حضرت علی کی فضیلت کی دلیل ہے۔

محبّتِ علی ایمان کی علامت اور بغضِ علی نفاق کی علامت ہے

حضرت زِرّبن حبیش (تابعی) کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا

وَالَّذِیْ فَلَقَ الْحَبَّۃَ وَبَرَأَ النَّسَمَۃَ اِنَّہٗ لَعَھِدَ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ﷺ اِلَیَّ اَنْ لَّا یُحِبَّنِیْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا یُبْغِضَنِیْ اِلَّا مُنَافِقٌ (مشکوۃ بحوالہ مسلم)۔ترجمہ:قسم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو پھاڑا (اگایا) اور ذی روح کو پیدا کیا۔درحقیقت نبی امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یقین دلایا تھا کہ جو مؤمن (کامل) ہوگا وہ مجھ سے (یعنی علی رضی اللہ عنہ سے) محبت رکھے گا اور جو منافق ہوگا وہ مجھ سے عداوت رکھے گا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَّلَا یُبْغِضُہٗ مُؤْمِنٌ (مشکوۃ بحوالہ ترمذی)۔ترجمہ: منافق علی رضی اللہ عنہ کو دوست نہیں رکھتا اور مؤمن (کامل) علی رضی اللہ عنہ سے بغض اور دشمنی نہیں رکھتا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے محبت ایمان کی علامت ہے

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خیبر کے دن فرمایا لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا ۔ یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ ۔ یُحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ ۔ (بخاری، مسلم وترمذی)۔ترجمہ: کل میں یہ عَلَم (جھنڈا جو کہ کمانداری کی علامت ہے) ایک ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں۔اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔(چنانچہ تمام صحابہ نے اس انتظار اور شوق میں پوری رات جاگ کر گزاری کہ دیکھئے کل صبح یہ سرفرازی کس کے حصہ میں آتی ہے)۔اور جب صبح

ہوئی تو ہر شخص اس خواہش کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ علم اس کو ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (تمام صحابہ پر نظر ڈال کر) فرمایا کہ علی بن ابی طالب کہاں ہیں۔ (دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ آشوب چشم میں مبتلا ہو گئے تھے اور اس وجہ سے اس وقت وہاں حاضر نہیں تھے)۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی آنکھوں میں کوئی تکلیف ہے (اور اس عذر کی بنا پر وہ یہاں موجود نہیں ہیں)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کسی کو بھیج کر اُن کو بُلوا لو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر لایا گیا۔

فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ عَيْنِهِ فَبَرَأَ حَتّٰى كَاَنْ لَمْ يَكُنْ بِهٖ وَجْعٌ فَاَعْطَاهُ الرَّايَةَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور ان کی آنکھیں ایک دم اس طرح اچھی ہو گئیں جیسے ان میں کوئی تکلیف اور خرابی تھی ہی نہیں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو علم عطا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ (اس سرفرازی سے بہت خوش ہوئے اور) عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان لوگوں (دشمنوں) سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور نرمی و بردباری کے ساتھ چل کر ان (دشمنوں) کے علاقہ میں پہنچو۔ پھر (سب سے پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو حقوق اللہ سے باخبر کرو جو ان پر واجب ہیں۔ (اور پھر اگر وہ دعوت اسلام کو ٹھکرا دیں) تو ان سے جزیہ طلب کرو۔ اگر وہ جزیہ پر صلح کرنے سے انکار کر دیں تو پھر آخر میں ان کے خلاف اعلان جنگ کرو اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ دے کر اسلامی نظام کی سیاسی اطاعت قبول کرنے پر تیار نہ ہو جائیں۔

فَوَاللهِ لَاَنْ يَّهْدِيَ اللهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ تَكُوْنَ لَكَ حُمُرُ النِّعَمِ۔

(متفق علیہ) اے علی! اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے،

یہ تمہارے لئے حاصل ہونے والے سرخ اونٹوں سے کہیں بہتر ہے (مشکوۃ بحوالہ بخاری مسلم) صحیح البخاری مع الشروح کے جو نسخے بیروت اور مصر کے جدید مطبوعہ ہیں ان میں سورۃ الزاریات کی تفسیر میں ہے قَالَ عَلِيٌّ عَلَيۡهِ السَّلَامُ اَلزّٰارِيَاتُ الرِّيَاحُ۔ کہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اَلزّٰارِيَاتُ کا معنی ہوائیں ہے (فتح الباری، ج ۸، ص ۶۹۷، عمدۃ القاری، ج ۱۹، ص ۲۷۲، ارشاد الساری، ج ۱۱، ص ۸۱)۔ کہ حضرت علی کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کی بجائے علیہ السلام تحریر ہے۔

حافظ ابن حجر اور علامہ بدرالدین عینی نے اس کی شرح میں کچھ بھی نہیں لکھا ہے ممکن ان کے پاس بخاری کا وہ نسخہ ہو جس میں علی علیہ السلام نہ لکھا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ لفظ علیہ السلام الحاقی ہو اس لئے کہ درسی بخاری میں صرف قَالَ عَلِيٌّ اَلزّٰارِيَاتُ الرِّيَاحُ (بخاری، ج ۲، ص ۷۱۹) مذکور ہے۔ اس لئے بعض لوگ حضرت علی مرتضیٰ کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھتے اور بولتے ہیں۔ لیکن تمام نسخوں میں یہ دعائیہ کلمہ نہیں ہے۔

شیخ نور الحق ابن شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ کی تیسیر القاری شرح البخاری، ج ۴، ص ۵۷۶ پر لکھا ہے قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُ اَلزّٰارِيَاتُ وَالرِّيَاحُ۔

امام شہاب الدین ابی العباس احمد الشافعی القسطلانی (متوفی ۹۲۳ھ) لکھتے ہیں **وهو ان كان معناه صحيحا لكن ينبغي ان يساوي بين الصحابة في ذلك اذ هو من باب التعظيم، والشيخان وعثمان اولى بذلك فالاولى الترضى فقد قال الجويني السلام كالصلوة فلا يستعمل في الغائب ولا يفرد به غير الانبياء۔ وسواء في هذه الاحياء والاموات واما الحاضر فيخاطب** (ارشاد الساری، ج ۱۱، ص ۸۹)۔

علامہ غلام رسول سعیدی فرماتے ہیں تاہم ہمارے نزدیک ان (اہل سنت حضرات) کے ناموں کے ساتھ رضی اللہ عنہم لکھنے میں ان کی زیادہ تکریم ہے کیونکہ رضی اللہ عنہ کا لفظ عرف اور شرع میں صحابہ

کرام کے ساتھ مخصوص ہے اور علیہ السلام کا لفظ عام مؤمنین کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے (نعمۃ الباری، ج۸، ص۶۴۹)۔

جو حضرات حضرت علی اور حسنین کریمین کے اسماء گرامی کے ساتھ علیہ السلام کہتے ہیں وہ خلفاء ثلاثہ کے ناموں کے ساتھ کیوں نہیں کہتے۔ اس لئے نہیں کہتے ہیں وہ حضرت علی کو افضل مانتے ہیں۔ روافض کی مشابہت سے بچنے کی خاطر اور سلف کے طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے غیر نبی پر علیہ السلام کہنے کی بجائے رضی اللہ عنہ، رحمہ اللہ، غفر اللہ لہ کہنا چاہیئے جو علیہ السلام کہنے سے افضل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حکمت کے گھر کا دروازہ ہیں

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا **اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا** (مشکوۃ المصابیح بحوالہ ترمزی) کہ میں حکمت و دانائی کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

بزار اور طبرانی نے الاوسط میں حضرت جابر بن عبداللہ سے اور طبرانی نے حاکم اور عقیلی نے الضعفاء میں اور ابن عدی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ترمذی و حاکم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا** (الصواعق المحرقہ ج۲ ص ۳۵۷ حدیث ۹) کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ دروازے کے پاس آئے۔ ابو العباس احمد ابن حجر الھیتمی لکھتے ہیں اس حدیث کے بارے میں لوگ بہت مضطرب ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ یہ موضوع ہے۔ جس میں ابن جوزی اور امام نووی شامل ہیں۔ انہیں حدیث اور اس کے طرق کے متعلق جو معرفت حاصل ہے وہی اے مخاطب تیرے لئے کافی ہے۔ یہاں تک کہ بعض محققین محدثین نے کہا ہے کہ امام نووی کے بعد کوئی آدمی ایسا پیدا نہیں ہوا جو اس کی برابری تو کجا اس کا لگا بھی کھا سکے۔ اور حاکم نے حسب عادت مبالغہ سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس

سے درست قرار دیا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔(الصواعق المحرقۃ ج ۲ ص ۳۵۸)۔اور الصواعق المحرقۃ ج ۱ کے ص ۸۶ پر بھی اس حدیث کے متعلق کلام کیا گیا ہے۔

بعض روایتوں میں خلفاء اربعہ کے خصوصی اوصاف بیان کئے گئے ہیں چنانچہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَاَبُوْبَکْرٍ اَسَاسُھَا وَعُمَرُ حِیْطَانُھَا وَعُثْمَانُ سَقْفُھَا وَعَلِیٌّ بَابُھَا وَلَا تَقُوْلُوْا فِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِیٍّ اِلَّا خَیْرًا (کتاب فردوس الاخبار مع مسند فردوس، ج ۱، ص ۷۶، الصواعق المحرقۃ فصل پنجم ج ۱ ص ۸۷)۔ ترجمہ: میں علم کا شہر ہوں اور ابوبکر اس کی بنیاد ہیں اور عمر اس کی دیوار ہیں اور عثمان اس کی چھت ہیں اور علی اس کا دروازہ ہیں ۔اور ابوبکر، عمر، عثمان اور علی چاروں کے بارے میں اچھی بات کے سوا کچھ نہ کہو۔

اس حدیث کے بارے میں بعض نے کلام کیا ہے لیکن فضائل کے سلسلہ میں ذکر کیا جا سکتا ہے ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْ بَکْرٍ ۔ وَاَشَدُّھُمْ فِیْ اَمْرِ اللہِ عُمَرُ وَاَصْدَقُھُمْ حَیَاءً عُثْمَانُ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَقْضَاھُمْ عَلِیٌّ (مشکوۃ المصابیح ۵۶۶)۔ میری امت سے میری امت پر نہایت مہربان ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور اللہ کے دین کے معاملہ میں زیادہ سخت گیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور ان میں حیاء کے اعتبار سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور سب سے زیادہ فیصلہ کرنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

تین نفوس قدسیہ کے لئے آسمانی بشارت

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مغرب پڑھوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کروں کہ میرے اور تمہارے لئے دعائے مغفرت کریں (ممکن ہے کہ حضرت خذیفہ کا مکان مسجد نبوی سے فاصلے پر ہوگا اور ان کی والدہ یا تو خود اپنی تنہائی کی وجہ سے یا خذیفہ کے متعلق

احتیاط کے پیش نظر ان کو اس وقت دور جانے سے منع کر رہی ہوں گی۔ اس لئے اجازت مانگی اور اولاد کو ایسا ہی کرنا چاہیے) تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب پڑھی۔ آپ نے بھی مغرب پڑھی حتی کہ عشا پڑھی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس ہوئے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری آواز سنی تو فرمایا: یہ کون ہے، کیا حذیفہ؟

میں نے کہا: ہاں، فرمایا: تمہاری کیا حاجت ہے غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلِاُمِّكَ اللہ تعالیٰ تمہیں اور تمہاری والدہ کو بخشے۔ یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے زمین پر کبھی نہیں اترا۔ اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے سلام کرے اور مجھے بشارت دے۔

بِاَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَنَّ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ (سنن الترمذی، ابواب المناقب ۴۰۳۴)

کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی بیویوں کی سردار ہیں اور حسن حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حزیفہؓ نے کہا آپ میرے اور میری والدہ کیلے استغفار کریں: تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تجھے معاف کرے حذیفہؓ اور تیری والدہ کو بھی (مسند)۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

کیا بات رضا ہے اس چمنستانِ کرم کی ۔۔۔ زہراء ہے جس میں کلی حسن وحسین پھول

حافظ ابونعیم الاصبھانی متوفی ۴۳۰ھ رحمہ اللہ لکھتے ہیں

فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلسَّيِّدَةُ بَتُوْلُ (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۹) کہ حضرت فاطمہ زہراء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ بتول (دنیا سے الگ رہنے والی) ہیں۔

حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ

سِبْطَانِ مِنَ الْاَسْبَاطِ ،(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۱۳) کہ حسن وحسین دونواسے ہیں نواسوں میں سے

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حسن حسین کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا۔ مَنْ اَحَبَّنِیْ فَلْیُحِبَّ ھٰذَیْنِ ،(البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۱۴ بحوالہ ابوداود الطیالسی)، جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ ان دونوں سے محبت کرے۔

حضرت فاطمہ زہراء (رضی اللہ عنہا) جنتی عورتوں کی سردار ہیں

حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الموت کچھ ہی پہلے یا ایام مرض الموت کے دوران ایک دن) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ حضرت فاطمہ زہراء آئیں ان کی چال کی وضع اور ہیئت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال کی وضع اور ہیئت سے (ذرا بھی) مختلف نہیں تھی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور حضرت فاطمہ زہراء کے چلنے کا انداز اس قدر یکساں تھا کہ کوئی بھی ان دونوں کی چال میں امتیاز نہیں کر سکتا تھا)۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت فاطمہ زہراء کو (آتے) دیکھا تو فرمایا مَرْحَبًا یَا اِبْنَتِیْ میری بیٹی خوش آمدید پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو (اپنے پاس) بٹھالیا اور چپکے چپکے ان سے باتیں کیں اتنے میں حضرت فاطمہ زہراء زور زور سے رونے لگیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت فاطمہ زہراء بہت رنجیدہ ہوگئی ہیں تو پھر ان سے سرگوشی کرنے لگے تو فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اک دم کھلکھلا کر ہنس دیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (نماز پڑھنے کے لئے وہاں سے یا کسی اور کام کے لئے) اٹھ کر چلے گے تو میں نے فاطمہ سے پوچھا کہ تم سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چپکے چپکے کیا باتیں کیں۔

حضرت فاطمہ زہراء نے جواب دیا کہ رسول اللہ دوہ کا راز ظاہر کرنے والی نہیں ہوں (تو اس وقت

میں خاموش ہوگئی لیکن)، جب اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو (ایک دن) میں نے حضرت فاطمہ زہراء سے کہا کہ (اک والدہ ہونے کی حیثیت سے یا دینی اخوت اور باہمی محبت وتعلق رکھنے کے اعتبار سے) تم پر جو میرا حق ہے اس کا واسطہ اور قسم دئے کر کہتی ہوں کہ میں تم سے اس کے علاوہ اور کچھ طلب نہیں کرتی کہ مجھ کو اس سرگوشی کے بارئے میں بتا دو جو (اس دن) اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے کی تھی حضرت فاطمہ زہراء بولیں ہاں اب (جب کے اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں۔ اس راز کو ظاہر کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے ہوئے) میں بتاتی ہوں کہ اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی بار مجھ سے سرگوشی کی تھی تو انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا، کے جبریل علیہ اسلام مجھ سے سال بھر ایک مرتبہ (رمضان میں) قرآن کا دورا کرتے تھے لیکن اس سال (رمضان میں) انہوں نے مجھ سے (قرآن کا) دوبار دور کیا اور اس کا مطلب میں نے یہ نکالا ہے کہ میری موت کا وقت قریب اگیا ہے، پس (اے فاطمہ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ) اللہ سے ڈرتی رہنا (یعنی تقوی اپر قائم رہنا یہ کہ جہاں تک ہو سکے زیادہ تقوی اور پرہیزگای اختیار کرنا) اور (اللہ کی اطاعت وعبادت میں مشغول رہنے اور معصیت سے بچنے کے لئے جو بھی تکلیف اور مشقتیں اٹھانا پڑیں اور جو بھی افت وحاوثہ پیش ائے خصوصا میری موت کے سانحہ پر) صبر کرنا بلاشبہ میں تمہارے لئے بالخصوص بہترین پیش رو ہوں۔ (یہ تو بات تھی جس کو سن کر اور انحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا احساس کر کے) میں رونے لگی تھی اور پھر جب اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو بہت زیادہ بے چین پایا اور بے صبر پایا تو دوبارہ مجھ سے سرگوشی کی اور اس وقت یوں فرمایا یَا فَاطِمَۃُ اَلَا تَرْضِیْنَ اَنْ تَکُوْنِ سَیِّدَۃُ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اَوْ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ

اے فاطمہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم جنت میں (تمام) عورتوں (خاص طور پر) (مومن عورتوں کی سرداری ہوگی۔ اور ایک روایت میں (یہ سن کر میں ہنسنے لگی تھی) حضرت فاطمہ زہراء کے

یہ الفاظ منقول ہیں کہ جب آپ ﷺ نے (پہلی مرتبہ)، مجھ سے سرگوشی کی تو اس میں یہ فرنایا تھا کہ آپ ﷺ اس مرض میں وفات پا جائیں گے اور (یہ سن کر) میں رونے لگی تھی پھر (دوسری مرتبہ)، آپ ﷺ نے مجھ سے سرگوشی کی اس میں مجھ کو یہ بتایا تھا کہ اپ ﷺ کے اہل بیت میں سب سے پہلے میں ہی اپ ﷺ سے جا کر ملوں گی (یعنی یہ تسلی دی تھی کہ بے چین نہ ہو میری وفات کے بعد بہت جلد تم بھی اس دنیا سے رخصت ہو کر میرے پاس اجاؤ گی) چنانچہ (یہ سن کر) میں ہنسنے لگی تھی (بخاری و مسلم)۔

آپ ﷺ کے وصال کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہی ہیں پھر رسول اللہ ﷺ سے جاملیں۔

حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء کا رسول اللہ کے مشابہ ہونا

حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت سیدہ فاطمہ ؓ سے بڑھکر ہیت، عادت، صورت اور ایک روایت میں ہے بات اور گفتگو میں رسول اللہ ﷺ کے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔ جب حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں تشریف لاتیں آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر چومتے اور اپنی جگہ پر بٹھا دیتے اور جب آپ ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ نبی ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر چومتیں اور وہ آپ ﷺ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔ (مشکوۃ المصابیح باب المصافہ والمعانقہ) معلوم ہوا کہ آپ ﷺ حضرت فاطمہ زہراء (رضی اللہ عنہا) سے بے حد محبت، شفقت فرماتے تھے اور آپ ؓ بھی سید عالم ﷺ کا انتہائی ادب و احترام کرتی تھیں۔

حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو دل کا ٹکڑا فرمانے کی حکمت

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّيْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ يُرِيْبُنِيْ مَا اَرَابَهَا وَيُؤْذِيْنِيْ مَا اٰذَاهَا**

(متفق علیہ) فاطمہ ہمارے گوشت کا ٹکڑا ہیں جس نے انہیں ناراض کیا اس نے ہمیں ناراض کیا۔ اور ایک روایت میں ہے وہ چیز ہمیں ناپسند ہے جو ہمیں ناراض کرتی ہے اور جو انہیں ناراض کرتی ہے اور جو چیز انہیں اذیت دیتی ہے وہ ہمیں اذیت دیتی ہے۔

۔ اور لفظ بضعۃ (بمعنی گوشت کا ٹکڑا) با کی زبر زیر اور پیش کے ساتھ تینوں طریقوں سے پڑھا جاتا ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء (رضی اللہ عنہا) میرے جسم کا حصہ اور جز ہے جیسا کے گوشت کا ٹکڑا اس کا جز ہوتا ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے **وَلَا اُفَضِّلُ اَحَدًا عَلٰی بِضْعَۃِ رَسُوْلِ اللہِ** ﷺ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۹۲)۔

حضرت شیخ عبدالحق اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ احادیث میں ہے کہ ابوجہل کے بھائی حارث بن ہشام نے ارادہ کیا کہ ابوجہل کی بیٹی غورا کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب سے کردے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اس لڑکی کے نکاح کا پیغام اس کے چچا حارث بن ہشام کو دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشورہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم ہرگز اس کی اجازت نہیں دیں گے اور ناراض ہوئے یہ حدیث ارشاد فرمائی اور فرمایا: ہم حلال کو حرام نہیں کرتے اور حرام کو حلال نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ دوست اور دشمن کی بیٹیاں ایک جگہ جمع نہیں ہوں گی۔ تب حضرت علی مرتضیٰ نے حاضر ہو کر معذرت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ میں وہ کام ہرگز نہیں کروں گا جو آپ کو ناپسند ہو اس حدیث کے کثیر طرق ہیں۔ (اشعۃ اللمعات)

حضرت ابوحنظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے اہل مکہ سے ایک شخص نے بیان کیا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا پیغام بھیجا اس کے گھر والوں ے نے کہا: ہم تیرے عقد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی موجودگی میں اس کا نکاح تجھ سے نہیں کر سکتے۔ اس بات کا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتا چلا تو آپ نے فرمایا: **اِنَّمَا فَاطِمَۃُ بَضْعَۃٌ مِنِّیْ، فَمَنْ آذَاھَا فَقَدْ آذَانِیْ**

(المستدرک للحاکم ۳، ۱۵۹) بلاشبہ فاطمہ تو میرے جگر کا ٹکڑا ہے، سو جو اس کو تکلیف دے گا؛ اس نے یقیناً مجھے تکلیف دی۔ اہل علم با خوبی جانتے ہیں اس قسم کا کلام مبالغہ پر محمول ہوتا ہے۔ امام ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ مَنْ آذٰى مُسْلِمًا فَقَدْ آذٰنِي، مَنْ آذٰنِي فَقَدْ آذَى اللهَ (مرقاۃ)۔ جس نے کسی مسلمان کو تکلیف دی تحقیق اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی تحقیق اس نے اللہ کو تکلیف دی۔ اور اسی قبیل سے یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بے شک حضرت علی بن ابی طالب رضی للہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی کو نکاح کا پیغام دیا اور اس وقت حضرت فاطمہ علیہا السلام بھی ان کے نکاح میں تھیں پس میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں منبر پر لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور میں اس وقت بالغ تھا پس آپ نے فرمایا اِنَّ فَاطِمَةَ مِنِي وَ اَنَا اَتَخَوَّفُ اَن تُفتَنَ فِي دِينِهَا

بے شک فاطمہ مجھ سے ہے اور مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں وہ اپنے دین میں فتنہ میں مبتلا ہو جائے پھر آپ نے اپنے اس داماد کا ذکر کیا جو بنو عبد شمس سے تھے پھر ان کا آپ کے ساتھ جو مصاہرت کا رشتہ تھا اس میں ان کی تحسین کی آپ نے فرمایا اس نے مجھ سے جب بات کی تو سچ بولا اور جب وعدہ کیا تو پورا کیا اور می کسی حلال کو حرام نہیں کرتا اور نہ کسی حرام کو حلال کرتا ہوں لیکن اللہ کی قسم۔ رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے رسول کی بیٹی ایک محل میں جمع نہیں ہوں گی۔ (صحیح بخاری ۳۱۱۰ ج۱ ص ۴۳۸)۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منبر پر سنا، آپ فرما رہے تھے کہ بنو ہشام بن المغیر ۃ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دیں، سو میں ان کو اس کی اجازت نہیں دیتا، سو میں ان کو اس کی اجازت نہیں دیتا، سو میں ان کو اس کی اجازت نہیں دیتا۔ (تین بار فرمایا) سوائے اس کے کہ ابن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے دیں اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لیں، کیونکہ میری بیٹی میرے جسم کا ٹکڑا

ہے، جو چیز اس کو پریشان کرتی ہے وہ مجھے پریشان کرتی ہے اور جو چیز اس کو ایذا دیتی ہے وہ مجھے ایذا دیتی ہے۔ (صحیح البخاری حدیث نمبر ۵۲۳۰ کتاب الرضاع، کتاب الخلع حدیث ۵۲۷۸، بخاری حدیث نمبر ۹۲۶، ج ۲ ص ۴۳۸۔ صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۴۴۹)۔ اور اسی طرح دوسری کتابوں میں بھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو دوسری شادی کرنے سے منع کیا اس لئے کہ آپ کا قول فعل وحی الٰہی کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم ۳، ۴)۔ وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ ان کا کلام وہی ہوتا ہے جو ان کی طرف وحی کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ (الاعراف ۲۰۳)۔ آپ کہیے میں اسی کی پیروی کرتا ہوں جس کی میرے رب کی جانب سے میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دوسری شادی کی ممانعت نہیں تھی صرف ممانعت حضرت فاطمۃ الزہراء کی موجودگی تک تھی۔ اس لئے کہ اللہ کے دوست کی بیٹی فاطمۃ الزہراء اور اللہ کے دشمن ابوجہل کی بیٹی (جویریہ) کا جمع ہونا جائز نہیں تھا۔ اور یہ حضرت فاطمۃ الزہراء کی دل آزاری کا موجب تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبی اور دامادی رشتہ ختم نہیں ہوگا

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فَاطِمَةُ (بَضْعَةٌ مِنِّيْ، يَغِيْظُنِيْ مَا يَغِيْظُهَا)، وَيُبْسِطُنِيْ مَا يُبْسِطُهَا، وَاِنَّ الْاَنْسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَنْقَطِعُ غَيْرَ نَسَبِيْ وَسَبَبِيْ وَصِهْرِيْ۔ (الفصول فی سیرۃ الرسول ص ۳۹۲)۔ فاطمہ میری لخت جگر ہیں۔ جو بات انہیں ستاتی ہے اس سے مجھے دکھ پہنچتا ہے، اور جس سے وہ خوش ہوتی ہیں اس سے مجھے خوشی ہوتی ہے۔ روز قیامت سب انساب ختم ہو جائیں گے، سوا میرے نسب وتعلق اور دامادی کے۔ کہ وہ منقطع نہیں ہوگا۔ اور دوسری حدیث میں ہے

رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وسلمّ نے فرمایا کُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ مُنْقَطِعٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ (المعجم الکبیر للطبرانی، البیقھی)، قیامت کے دن ہر واسطہ اور نسبی تعلق ختم ہو جائے گا البتہ میرا واسطہ اور نسبی تعلق قائم رہے گا۔ اور یہ آپ صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وسلمّ کے خصوصیات میں سے ہے۔

امام ابن عساکر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث اس طرح نقل فرمائی ہے: کُلُّ نَسَبٍ وَصَھْرٍ یَنْقَطِعُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا نَسَبِیْ وَصَھْرِیْ۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ یعنی میری نسبی قرابت وصھری اور دامادی قرابت جو ہو گی وہ قیامت کے دن منقطع نہیں ہو گی مگر قرابت نسبی وصھری جو میری ہے۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ اس حدیث کا ایک دوسرا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ پیغمبر صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وسلمّ کی مراد یہ نہیں کہ تمام ایمانداروں کے نسبی اور سسرالی تعلق ختم ہو جائیں گے مگر میرا نسبی اور دامادی رشتہ ختم نہیں ہو گا۔ بلکہ آپ صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وسلمّ کی مراد یہ ہے کہ تمام مسلمان میرے (روحانی) فرزند ہیں اور ان ایمانداروں کا آپس میں نسبی و دامادی رشتہ بھی ختم نہیں ہو گا اور جو میرے ساتھ ایمانی رشتہ ہے وہ بھی منقطع نہیں ہو گا۔ مراد پیغمبر صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وسلمّ آن نیست کہ قرابت ہمہ مؤمنان وغیر ھم منقطع خواھد شد مگر قرابت پاک من بلکہ مراد آنست کہ ہمہ مسلمانان فرزندان من اند نسب وصھر مؤمنان منقطع نخواھد شد۔ (حقوق الاسلام ۳۳) اس پر دلیل اس تفسیر پر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ ایمانداروں کے حق میں فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْھُمْ ذُرِّیَّتُھُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَمَآ اَلَتْنٰھُمْ مِّنْ عَمَلِھِمْ مِّنْ شَیْءٍ ط (سورہ طور ایت ۲۱)، اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی اوالد نے ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو (درجات میں) ان کے ساتھ ملا دیں گے۔ اور ان کے عمل میں کچھ کمی نہیں کریں گے۔ اس کی زیادہ تفصیل حقوق الاسلام ص ۳۳ پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ایمانی رشتہ رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وآلہٖ وسلمّ سے دنیا اور آخرت میں قائم رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان

کے دامن کرم میں جگہ عطا فرمائے۔آمین۔

حضرت فاطمۃ زھراء کی فضیلت کی تین نسبتیں

علامہ محمد اقبال حضرت فاطمۃ الزہراء کی خدمت میں نذرانِ عقیدت پیش کرتے ہیں

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز ❁ از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز

نورِ چشم رحمۃ للعالمین ❁ آں امام اولین و آخرین

آں کہ جاں در پیکر گیتی دمید ❁ روزگار تازہ آئین آفرید

بانوے آں تاجدار ھَلْ اَتیٰ ❁ مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا

پادشاہ و کلبہ ایوان او ❁ یک حسام و یک زرہ سامانِ او

حضرت مریم تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے (مادرانہ) نسبت کی بناء پر عزیز ہیں جبکہ فاطمۃ الزھرا ایسی تین نسبتوں سے عزیز ہیں۔پہلی نسبت یہ کہ آپ حضرت رحمۃ للعالمین کی نور نظر تھیں، جو پہلوں اور پچھلوں کے امام تھے۔ان کی وجہ سے دنیا کے جسم میں جان پھونکی گئی اور ایک ایسا زمانہ معرض وجود میں آیا جس کے قاعدے، قانون اور آئین بالکل نئے تھے۔دوسری نسبت یہ کہ حضرت فاطمہ ھَلْ اَتیٰ کے تاج دار کی حرم تھیں۔یعنی حضرت علی مرتضیٰ جو اللہ کے شیر تے اور (دینی) مشکلیں آسان کردیتے تھے، وہ بادشاہ تھے،لیکن ایک تنگ وتاریک حجرہ ان کا گویا محل تھا۔ایک تلوار اور ایک زرہ ان کا کل سروسامان تھا۔

مادر آں مرکز پرکار عشق ❁ مادر آں کارواں سالارِ عشق

آں یکے شمع شبستان حرم ❁ حافظ جمعیت خیر الامم

تانشنید آتش پیکار و کیں ❁ پشتِ پا زد بر سرِ تاج و نگیں

واں دگر مولائے ابرار جہاں ❁ قوت بازوئے احرارِ جہاں

تیسری نسبت یہ کہ آپ ان دو جلیل القدر بزرگوں کی والدہ تھیں جن میں سے ایک عشق حق کی پرکار کے مرکز بنے اور دوسرے کو عشق حق کی قافلہ کی سالاری ملی۔ پہلے حضرت حسن تھے جو حرم پاک کی شمع تھے۔ انہوں نے بہترین امت یعنی ملت اسلامیہ کی جمعیت محفوظ رکھی، اس لئے حکمرانی کو ٹھکرا دیا کہ آپس میں جنگ اور عداوت کی جو آگ بھڑک اٹھی تھی، وہ بجھ جائے۔ یہاں اس خانہ جنگی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت علی کے عہد خلافت میں شروع ہوئی تھیں۔ حضرت علی کی شہادت کے بعد حضرت حسن خلیفہ منتخب ہوئے اور آپ کو خانہ جنگی روکنے کی اور کوئی صورت نظر نہ آئی تو خلافت چھوڑ دی۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیش گوئی حضرت حسن کے متعلق پوری ہوگئی یعنی میرا یہ فرزند امت کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔ دوسرے حضرت حسین جو دنیا بھر کے نیکوں کے آقا اور احرار کے لئے قوت بازو تھے۔

درنوائے زندگی سوز از حسین ❁ اہل حق حریت آموز از حسین

سیرت فرزندہا از امہات ❁ جوہر صدق و صفا از امہات

مزرعِ تسلیم را حاصل بتول ❁ مادراں را اسوہ کامل بتول

بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت ❁ با یہودے چادر خود را فروخت

نوری و ہم آتشی فرمانبرش ❁ گم رضایش در رضائے شوہرش

زندگی کے نغمے میں صرف حضرت حسینؓ کی وجہ سے سوز پیدا ہوا اور اہل حق نے انہیں سے آزادی کا سبق لیا۔ بیٹوں کی سیرتیں ماؤں کی آغوش میں تیار ہوتی ہیں۔ انسانی فطرت میں سچائی اور پاکیزگی کے جو جوہر ہیں، وہ ماؤں ہی کی ترتیب سے چمکتے ہیں۔

تسلیم کی کھیتی کا حاصل حضرت فاطمہ تھیں اور آپ مسلمان ماؤں کے لئے اسوۂ کامل بن گئیں، یعنی ایسا نمونہ جس میں ماؤں کی زندگی کے ہر پہلو کے لئے بہتر مثال موجود ہے۔ ایک محتاج کی خاطر حضرت فاطمہ کا دل کچھ اس طرح جلا (انہیں بے حد دکھ پہنچا) اتنی متاثر ہوئیں کہ اس کی امداد کے لئے اپنی چادر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالی۔ نوری اور ناری فرشتے اور جن پری آپ کے فرماں بردار تھے۔ شوہر کی فرمانبرداری کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنی مرضی شوہر کی مرضی میں گم کر دی تھی (سراپا تسلیم و رضا تھیں)۔ (رموز بیخودی مع شرح اردو)

حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد سب سے افضل ہے؟

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ امام علم الدین عراقی نے ذکر کیا ہے اِنَّ فَاطِمَۃَ وَاَخَاھَا اَبْرَاھِیْمَ اَفْضَلُ مِنَ الْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَۃِ بِاِتِّفَاقٍ (انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب ص ۸۹)۔ کہ بیشک فاطمہ ارضی اللہ عنہا اور اپ کے بھائی حضرت ابراھیم (رضی اللہ عنہ) بالاتفاق حلفاء اربعہ سے افضل ہیں۔ جس طرح خلفاء اربعہ کی خلافت کی ترتیب ان کی افضلیت کی ترتیب کے مطابق ہے اسی طرح ان کی اولاد بھی اسی ترتیب کے لحاظ سے افضل ہوگی۔

امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۷۱۰ھ فرماتے ہیں وَقِیْلَ فَضْلُ اَوْلَادِھِمْ عَلٰی تَرْتِیْبِ فَضْلِ اٰبَائِھِمْ اِلَّا اَوْلَادَ فَاطِمَۃُ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا فَاِنَّھُمْ عَلٰی اَوْلَادِ اَبِی بَکْرٍ وَ عُمَرَ وَعُثْمَان یُفَضَّلُوْنَ لِقُرْبِھِمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللہِ ﷺ وَلِاَنَّھُمُ الْعِتْرَۃُ الطَّاھِرَۃُ وَالذُّرِّیَّۃُ الطَّیِّبَۃُ الَّذِیْنَ اَذْھَبَ اللہُ عَنْھُمُ الرِّجْسَ وَطَھَّرَھُمْ تَطْھِیْرًا (شرح العمدۃ فی عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ ص ۵۲۰)۔

اور کہا گیا ہے کہ اولاد کی فضیلت ان کے باپوں کی فضیلت ترتیب پر ہے (اگر باپ افضل ہے تو اولاد بھی افضل ہوگی)، مگر حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد اس سے مستثنیٰ ہے بے شک ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ

عنہم) کی اولاد پر فضیلت دی جاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے اور بے شک وہ عترت طاہرہ اور اولاد پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پلیدی کو دور کیا اور اللہ نے انہیں خوب پاک فرمایا ہے۔

اور معمولی الفاظی اختلاف کے حضرت خواجہ محمد پارسا الحافظی البخاری متوفی ۸۲۲ھ۔اسی طرح لکھتے ہیں

لَكِنَّ ٱلْأَصَحَّ اَنْ نُرَتِّبَ اُوْلَادَهُمْ عَلٰى تَرْتِيْبِ آبَائِهِمْ اِلَّا اَوْلَادَ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ۔ فَاِنَّهُمْ مُفَضَّلُوْنَ عَلٰى اَوْلَادِ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ لِقُرْبِهِمْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ۔ فَهُمُ الْعِتْرَةُ الطَّاهِرَةِ وَالذُّرِيَّةِ الطَّيِّبَةِ الَّذِيْنَ اَذْهَبَ اللهُ عَنْهُمْ الرِجْسَ اَهْلَ الْبَيْت وَطَهَّرَهُمْ تَطْهِيْرًا۔(فصل الخطاب ۴۶۰)۔لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ ہم ان کی اولاد کو ان کے باپوں کے ترتیب کے مطابق فضیلت میں ترتیب دیں۔سوائے حضرت فاطمہ کی اولاد کے بیشک وہ اولاد ابوبکر، عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ہے۔کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہونے کے وجہ سے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پاک ہے اور ذریت طاہرہ ہے وہ لے گیا اللہ تعالیٰ ان سے پلیدی کو۔وہ خوب پاک کیا ان کو۔

حضرت شیخ حق محدث دہلوی لکھتے ہیں و نیز افضلیت بمعنی کثرت ثواب حقیقت حال آن نزد باری تعالیٰ است و بحسب شرف ذات و طہارت طینت و پاکی جوہر ہیچکس بفاطمہ و حسن و حسین و دیگر اہل بیت نرسد واللہ اعلم (تکمیل الایمان ص ۱۶۸)۔اور نیز افضلیت کثرت ثواب کے معنی ہے اس کا حال ا؛؛پ باری تعالیٰ ہی کے نزدیک ہے۔اور ذات کے شرف کے اعتبار سے پاک مٹی اور پاک جوہر کے لحاظ سے کوئی شخصیت بھی حضرت فاطمہ زہراء، حضرت حسن، حضرت حسین اور دوسرے اہل بیت کے مراتب کو نہیں پہنچ سکتا۔

علامہ محمد اقبال لکھتے ہیں

بہ ہل اے دخترک ایں دلبری ہا ❁ مسلماں را نہ زیبد کافری ہا

منہ دل بر جمالِ غازہ پرور ۞ بیاموز از نگہ غارت گری ہا

اے میری ننھی (مسلمان) بیٹی یہ دلبری چھوڑ دے۔ مسلمان کو یہ کافری زیب نہیں دیتی (ظاہری حسن کی نمائش اور زیب وزینت کے اظہار کی اجازت غیر مسلموں میں تو ہے۔ اسلام میں نہیں ہے تو ان غیر مسلموں خصوصا فرنگی عورتوں کی بے حیائی سے بچ)۔ غازے سے اپنے رنگ وحسن کو دوبالا کرنے والے جمال پر دل نہ لگا۔ (بلکہ) اپنی نگاہ سے غارت گری سیکھ (اچھی سیرت اختیار کر)۔

اگر پندے ز درویشے پزیری ۞ ہزار امت بمیرد، تو نہ میری

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر ۞ کہ در آغوش شبیرے بگیری

(اے مسلمان عورت) اگر تو مجھ درویش سے ایک نصیحت پکڑ لے۔ تو ہزاروں مائیں مر سکتی ہیں لیکن تو (مر کر بھی) نہیں مرے گی۔ تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا بن جو بتول کہلاتی تھیں کیونکہ وہ دنیاوی علائق سے بالکل پاک تھیں اور اس زمانے میں اپنی نمائش کی بجائے اس سے چھپ جا۔ تاکہ تیری گود میں بھی فاطمہ کے لال حضرت حسین جیسے بیٹے پیدا ہوں۔

زشام ما بروں آور سحر را ۞ بہ قرآں باز خواں اہل نظر را

تو میدانی کہ سوزِ قرات تو ۞ دگرگوں کرد تقدیر عمر را

تو ہماری شام سے صبح پیدا کر اور قرآن کی پر کشش قرأت سے پھر کسی اہل نظر کو اس طرف لا۔ یعنی اے مسلمان خاتون اپنی بلند کرداری سے ہمارے حالات کو سنوار اور اہل نظر کو قرآن کی طرف لا۔ تو تجھے علم ہے کہ تیری قرأت کے سوز نے حضرت عمر کی تقدیر ہی دل ڈالی تھی۔ اس شعر میں مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ گویا ایک عورت ہی کی بدولت ایک بہت بڑے کافر اور دشمن اسلام انسان، حضرت فاروق اعظم کہلائے۔

افضل ترین خواتین رضی اللہ عنھن

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ، وَخَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ، وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ، وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ (سنن الترمذی ۵، ۲۰۲، ۷، ابن حبان حدیث ۶۹۵۱)، سارے جہان کی عورتوں سے تجھے (فضیلت کے لحاظ سے) مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور فرعون کی بیوی آسیہ ہی کافی ہیں۔ یعنی تمام عورتوں سے افضل ہیں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کمل من الرجال کثیر ولم یکمل من النسآء غیر مریم بنت عمران و آسیة امراة فرعون فان فضل عاءشة علی النسآء کفضل الثرید علی ساءر الطعام (مسلم کتاب فضاءل الصحابہ) مردوں میں بہت کامل ہوءے ہیں اور عورتوں میں مریم بنت عمران فرعون کی بیوی آسیہ کے سوا کوءی کامل نہیں ہوا اور عورتوں پر عاشہ کی فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

حضرت ابوسلمہ (تابعی) سے روایت ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ نے کہا (ایک روز مجھ سے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! یہ جبرئیل (یہاں میرے سامنے) ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ عائشہ نے (اس سلام کے جواب میں) کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ (اور جبرئیل پھر بھی اللہ کی سلامتی اور راحت نازل ہو) حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان (جبرئیل) کو دیکھ رہے تھے اور میں ان کو نہیں دیکھ رہی تھیں۔ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہ بنت رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں نے تمہیں نبی اکرم ﷺ کی بیماری کے دنوں میں آپ ﷺ پر جھکے ہوئے دیکھا تو تم روئیں پھر تم دوسری بار حضور پر جھکیں تو تم ہنسیں۔ (حضرت فاطمہ زہراء رضی الہ عنہا نے) کہا میں اپ پر جھکی تو اپ ﷺ نے مجھے بتایا کہ اپ کا وصال ہونے

والا ہے تو میں رو پڑی پھر میں دوبارہ اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھکی تو اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بتایا کہ میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی وَ اَنِّی سَیِّدَۃُ نِسَاءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ اِلَّا مَرْیَمَ بِنْتَ عِمْرَانَ اور یہ کہ میں مریم بنت عمران کے سوا تمام جنتی عورں کی سردار ہوں تو میں ہنس پڑی۔(صحیح ابن حبان حدیث ۶۸۵۲)

جناب عائشہ وخدیجہ حضرت فاطمہ زہراء ظہرا سے افضل ہیں کہ وہ والدہ ہیں اور جناب فاطمہ زہرا بیٹی نیز جنت میں وہ دونوں حضور کے ساتھ ہوں گی اور حضرت فاطمہ زہراء حضرت علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ(مراۃ ج ۸ ص ۴۵۵)

حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عم محترم رضاعی بھائی بھی تھے ان کو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں دو برس بڑے تھے۔ بعثت کے دوسرے سال ایمان لائے۔ غزوہ بدر میں شریک ہوئے بہت سے کافروں کو واصل جہنم کیا۔ شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے اور غزوہ احد میں بھی شرکت فرمایئی تقریباً اکتیس کافروں کو جہنم رسید کیا۔ پھر میدان جنگ میں آپ کو کفار نے بڑی بیدردی سے شہید کر دیا تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسد اللہ (اللہ کا شیر) کا لقب دیا اور سید الشہداء فرمایا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں وَلَقَّبَہُ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَسَدُ اللّٰہِ وَسَمَّاہُ سَیِّدَ الشُّھَدَاءِ (الاصابہ ج ۲ ص ۲۶۱)۔ اور نبی علیہ السلام کو اسد اللہ (اللہ کا شیر) کا لقب دیا اور آپ کا سید الشہداء (شہیدوں کا سردار) نام رکھا۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب کی فضیلت

ایک دن حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ بڑے غصے کے ساتھ نبی کریم علیہ السلام کے بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ کو بہت ہی ناگوار گزرا کہ میرے عم محترم کو کس نے تکلیف دی اس موقع پر یہ

ارشاد فرمایا چنانچہ حضرت عبد المطلب بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰی عَمِّیْ فَقَدْ اٰذَانِیْ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ (رواہ الترمذی)، اے لوگو جان لو جس شخص نے میرے چچا کو ستایا اس نے گویا مجھے ستایا کیونکہ کسی کا چچا اس کے باپ کے مانند ہوتا ہے۔ اس میں حضرت عباس بن مطلب کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی تقدیم الزکاۃ ومنعھا)۔ تمہیں معلوم نہیں کہ چچا باپ کے مرتبے میں ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا وَاللّٰہِ لَاِسْلَامُكَ یَوْمَ اَسْلَمْتَ کَانَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ اِسْلَامِ الْخَطَّابِ لَوْ اَسْلَمَ. لِاَنَّ اِسْلَامَكَ کَانَ اَحَبَّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ اِسْلَامِ الْخَطَّابِ (تفسیر ابن کثیر، سورۃ الشوری ایت ۲۳، وطبقات ابن سعد) اللہ کی قسم آپ کے اسلام لانے سے مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر میرے والد خطاب مسلمان ہوجاتے تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک آپ کا اسلسام لانا خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ عزیز تھا۔

علامہ رضا علی رزا ہندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

لب کشایم کنوں بنام بتول	جسم او جزو جسم پاک رسول
پس کنم ذکر آں دو قرتِ عین	دو جگر گوشہ نبی حسنین
بعد شاں با رسول اقرب ناس	ہر دو عم اند حمزہ و عباس
پس ہمہ حاضران ہر سہ مکاں	احد و بدر و بیعۃ الرضوان

گویم اکنوں بعد نیاز سلام　　　　برا امامانِ اہل بیت کرام

(بدائع منظوم)

حضرت عباس بن عبد المطلب کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعا مانگنا

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب (رضی اللہ عنہ) کے توسل سے بارش مانگتے اور یوں دعا کرتے: اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا اے اللہ ہم لوگ تیرے حضور اپنے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پکڑتے تھے تو تو ہم پر بارش برسایا کرتا تھا، اب ہم تیرے حضور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں، تو ہم پر بارش نازل فرما۔ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ لوگ بارش سے سیراب کردیئے جاتے تھے۔ (بخاری، کتاب الاستسقاء)

عمدہ القاری میں ہے اس میں ہے امام بخاری اس روایت میں منفرد ہیں، باقی کتب ستہ میں یہ روایت نہیں ہے، اور پوری روایت عمدۃ القاری میں ہے اس میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا: اے اللہ! جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں تھے ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کراتے تھے اور آپ ہمیں بارش عطا فرماتے تھے، اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں رہے، البتہ ہمارے درمیان آپ کے چچا ہیں ہم ان سے دعا کراتے ہیں، پھر حضرت عباس سے کہا: آیئے اور دعا فرمائے! اور حضرت عمر پیچھے ہٹ گئے، اور حضرت عباس نے دعا کروائی اور مجمع نے آمین کہی، حضرت عباس نے اس موقع پر جو دعا کی تھی وہ بھی عمدۃ القاری مین ہے، اور حاشیہ میں وہ منقول ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہاں توسل دعا کرانے کے معنی میں ہے، اور دعا ظاہر ہے زندہ ہی سے کرائی جائے گی۔ (تحفۃ القاری)۔

اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پکڑنے کا جواز

امام حافظ احمد ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں وَ يُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْعَبَّاسِ اِسْتِحْبَابُ الْاِسْتِشْفَاعِ بِاَهْلِ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ وَاَهْلِ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَ فِيْهِ فَضْلُ الْعَبَّاسِ وَ فَضْلُ عُمَرَ لِتَوَاضُعِهٖ لِلْعَبَّاسِ وَ مَعْرِفَتِهٖ بِحَقِّه (فتح الباری، ج ۳، ص ۲۳۶)

کہ حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کے قصہ سے واضح ہوتا ہے کہ اہل خیر وصلاح اور اہل بیت نبوت سے استشفاع وتوسل مستحب ہے اور اس سے جناب عباس (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت واضح ہوئی کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے (باوجود افضل اور خلیفہ راشد ہونے کے) ان کی تواضع کی اور ان کے حق کو پہچانا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں استحباب الاستشفاع باهل الخير والصلاح واهل بيت النبوة۔ وفيه: فضل العباس وفضل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، لتواضعه للعباس ومعرفته بحقه۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۴۸)

نیک اعمال اور صلحاء امت کا وسیلہ پکڑنا سب علماء کے نزدیک جائز ہے مگر نجدی اور غیر مقلدین زوات کے ویسلہ کے منکر ہیں۔ یہاں غیر مقلدین کے دو حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔ جو وسیلہ ذوات اور جائز کہتے ہیں۔

مولانا محمد ابوالحسن (اہل حدیث) صاحب سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیکوکار اور پرہیزگار لوگوں کو شفیع اور وسیلہ بنانا جائز ہے اور اسی طرح اہل بیت نبوت سے استسقاء اور استشفاء چاہنا جائز ہے (فیض الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۱۹۵)

مولوی وحید الزمان (اھل حدیث غیر مقلد) لکھتے ہیں اس حدیث سے نیک بندوں کا وسیلہ لینا ثابت ہوا بنی اسرائیل بھی قحط میں اپنے پیغمبر کے اہل بیت کا توسل کیا کرتے اللہ تعالیٰ پانی برساتا

اس سے یہ نہیں نکلتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا توسل آپ کی وفات کے بعد منع تھا کیونکہ آپ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کو دعا سکھائی اس میں یوں ہے یَا مُحَمَّدُ اِنِّیۡ اَتَوَسَّلُ بِكَ اِلٰی رَبِّیۡ (اے محمد بیشک میں آپ کا وسیلہ پکڑتا ہوں اپنے رب کی بارگاہ میں)۔ اوران کے صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات کے بعد یہ دعا دوسروں کو سکھائی۔ مگر ہمارے اصحاب میں سے امام ابن تیمیہ اور ابن قیم اس طرف گئے ہیں کہ اموات اور قبور کا توسل جائز نہیں نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہ اور کسی صحابی نے آپ کی قبر شریف کا توسل کیا اور خلاف کیا ان کی بدعت سے اکابر محدثین اور علماء نے اور یہ کہا کہ ایک امر کا منقول نہ ہونا اس کے عدم جواز پر دلالت نہیں کرتا جب اصل وسیلہ کا جواز شرع سے ثابت ہے۔ (تیسیر الباری ج ا ص ۶۱۲)۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک نابینا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے شفاء عطا فرمائے آپ نے فرمایا چاہو تو دعا مانگوں اور اگر چاہو تو صبر کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس نے کہا دعا کیجئے راوی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اچھی طرح سے وضو کر کے یہ دعا مانگو اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیۡكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحۡمَةِ اِنِّیۡ تَوَجَّھۡتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیۡ فِیۡ حَاجَتِیۡ ھٰذِهٖ لِتُقۡضٰی لِیۡ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعۡهُ فِیَّ۔ (سنن جامع ترمذی، ابواب الدعوات) یا اللہ میں تیرے نبی رحمت حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے تیری طرف توجہ کرتا ہوں یا رسول اللہ میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت کے بارے میں متوجہ ہوں تا کہ وہ پوری ہو جائے یا اللہ تو میرے بارے میں حضور کی شفاعت قبول فرما۔ دوسری روایت میں ہے کہ اللہ نے اس کو شفا دے دی کہ وہ بینا ہو گیا۔ دوسری روایت میں یہ دعا اس طرح بھی منقول ہے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ، وَاَتَوَجَّهُ اِلَیۡكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحۡمَةِ، یَا مُحَمَّدُ، اِنِّیۡ تَوَجَّھۡتُ

بِكَ اِلٰى رَبِّىْ فِىْ حَاجَتِىْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰى لِىْ، اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِىَّ۔ (الجامع الصغیر مع شرح فیض القدیر ج ۲ ص ۱۶۹ حدیث ۱۵۰۸)

علامہ محمد بن علی شوکانی نے تحفۃ الذاکرین شرح حصن حصین میں دعا کے وقت بزرگوں کا وسیلہ پکڑنا جائز لکھا ہے۔ (ص ۵۰، اور ۳۰)۔

وسیلہ کے لغت میں متعدد معانی ہیں۔ ذریعہ، واسطہ، مقام و مرتبہ اور جنت میں ایک مقام وسیلہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے خاص ہے۔ اور اعمال صالحہ کو دعا کی قبولیت کے لئے وسیلہ بنانا۔ اور کسی نیک بندہ سے دعا کروانا یہ بھی دعا کی قبولیت کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عبداللہ ابن عباس کے لئے خصوصی دعا کرنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اپنے سینہ مبارک سے لپٹا کر یوں دعا فرمائی تھی اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ اے اللہ اس کو حکمت عطا فرما۔ اور ایک روایت میں (دعا کے) یہ الفاظ آئے ہیں کہ اے اللہ اس کو کتاب اللہ کا علم عطا فرما۔ (بخاری ۷، ۱۰۰)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلا میں داخل ہوئے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وضو کا پانی رکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت الخلاء سے نکلے تو فرمایا: یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی گئی (کہ یہ پانی عبداللہ بن عباس نے رکھا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ اے اللہ اس کو دین کی فہم عطا فرما (بخاری و مسلم)۔ یہ دعا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس کے حق میں قبول فرمائی۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اَشْبَهْتَ خَلْقِىْ وَخُلُقِىْ (بخاری کتاب المناقب) تم میری

صورت اور سیرت کی مشابہ ہو۔ حضرت جعفر بن ابی طالب حضرت علیؓ کے سگے بھائی ہیں اور یہ حضرت علی سے دس سال بڑے تھے، آٹھ ہجری کو ان کی شہادت ہوئی تھی، ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔ ان کے القاب یہ تھے ذوالجناحین، ذوالہجرتین، الشجاع، الجواد۔ یہ متقدمین اسلام میں سے تھے، ان ہی کی وجہ سے نجاشی اسلام لائے تھے، پھر انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی، پھر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ موتہ کے لشکر کا امیر بنایا اور جب غزوہ موتہ میں ان کے دونوں بازو کٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت میں دو پر عطا کیے جن کے ساتھ یہ اڑتے پھرتے تھے رضی اللہ عنہ۔ (عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۳۰۲)۔

حضرت اُسامہ اور ان کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہما کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا اور اس پر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اس کا امیر بنایا تو کچھ لوگوں نے اس کی امارت کے بارے میں طعنہ زنی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم لوگ اس (اسامہؓ) کی امارت پر معترض ہو تو اس سے پہلے تم اس کے باپ (زیدؓ) کی امارت پر بھی طعنہ زنی (اور اعتراض) کر چکے ہو اور اللہ کی قسم! وہ (زیدؓ) امارت کے قابل بھی تھے اور تمام لوگوں سے مجھے محبوب وعزیز تر بھی تھے اور اس کے بعد یہ (اسامہؓ) بھی مجے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب وعزیز تر ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب المناقب بحوالہ بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں اسی طرح ہے اور اس کے آخر میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ لوگو! میں تمہیں اس کے (اسامہؓ کے) بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ یقیناً یہ تمہارے نیک لوگوں میں سے ہے۔

آدمی کا مولیٰ اس کے اَہل بیت میں شامل ہوتا ہے

حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے یہ بھی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے منقول ہے کہ انہوں

نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کیے ہوئے غلام حضرت زید بن حارثہؓ کولوگ صرف زید بن محمد ہی کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ حَتّٰى نَزَلَ الْقُرْآنُ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ یہاں تک کہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی: کہ تم ان کو ان کے باپ کے نام کی نسبت سے پکارااور بلایا کرو۔ (بخاری ومسلم) اس حدیث کواس باب میں ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی شخص کا غلام بھی اس کے اہل بیت میں سے ہوتا ہے۔ قوله: ما كنا ندعوه الا زيد بن محمد: امام نووی فرماتے ہیں: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زید کواپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا، اوران کواپنا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔ عرب میں یہ روج تھا کہ وہ اپنے غلاموں وغیرہ کواپنا بیٹا بنا لیتے تھے، چنانچہ وہ منہ بولا بیٹاان کا بیٹا شمار کیا جاتا تھا، حتی کہ میراث بھیجاری ہوتی، اس کی طرف منسوب بھی کیا جاتا تھا۔ (حتی نزل القرآن): یعنی یہ آیت نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم بِأَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ ۚ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ ۚ (سورہ احزاب ۴، ۵)۔ اور اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے بیٹے نہیں قرار دیا۔ یہ تو تمہارے اپنے ہی منہ کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ درست بات کہتا ہے اور صحیح راہ دکھاتا ہے۔ تم ان کو ان کے باپوں کے نام کی نسبت سے پکارواور بلایا کرو اس لئے کہ یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ عدل وانصاف کی مظہر ہے اور اگر ان کے باپ تمہیں معلوم نہ ہوں تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں۔ اس سے بہت سے مسائل اخذ کئے جاتے ہیں ایک مسئلہ یاد رکھیں کہ اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں، جب کہ محض شفقت کی وجہ سے ہو متبنی قرار دینے کی وجہ سے نہ ہوتو یہ اگر چہ جائز ہو، پھر بھی بہتر نہیں، کہ صورۃ ممانعت میں داخل ہے۔ (معارف القرآن ج ۷ ص، ۸۵، تفسیرات احمدیہ) لفظ ال کے بہت سے معانی آتے ہیں

جیسے ال لوط اٰل عمران اٰل ابراہیم، ال فرعون، وغیرہ۔

اہل ایمان سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں

اہل ایمان (سادات کرام) اور غیر اہل ایمان سب اُمت اجابت میں داخل ہیں اور اُمت محمدیہ علیہ التحیۃ والسلام ہونے کا شرف حاصل ہے اور اس اعتبار سے سب برابر ہیں۔ فضائل اور مناقب ومدارج کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فضیلت ہے۔ اور آل رسول اور اولاد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے اعتبار سے زیادہ فضیلت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آل نبی آل محمد اُمت محمدیہ میں داخل نہیں ہیں۔ اولاد رسول ہونے کے اعتبار سے خصوصیت ضرور ہے۔ اور بعض لوگ ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بکرا کی قربانی دی اور ذبح کے وقت یہ دعا فرمائی بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّتِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰی بِہٖ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب فی الاضحیۃ)۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، اے اللہ قبول فرما محمد اور آل محمد اور امت محمد کی طرف سے پھر اس قربانی سے لوگوں کو گوشت کا کھانا کھلایا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت اور مہربانی ہے کہ اس عبادت کے ثواب میں اپنے اور اپنی آل کے ساتھ امت کو بھی شریک فرمایا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زیراں کہ مراد اشتراک درثواب است بایں فضل وکرم آں حضرت است بامت کے شریک میگرداند ایشاں راہ درثواب عبادت خود جَزَاءُہُ اللّٰہُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزَا نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۰۸، مرقاۃ)۔

دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی)، اللہ کے نام سے شروع اللہ سب سے بڑا

ہی۔الٰہی یہ میری طرف سے اور میری اس امتی کی طرف ہے جو قربانی کر سکے۔اس حدیث میں آپ نے اپنی آل کا ذکر نہ فرمایا کیونکہ آل بھی امت میں داخل ہے (اشعۃ اللمعات)۔

اور امت مسلمہ کی بڑی شان ہے، علامہ علی رضا ھندی ثم بغدادی لکھتے ہیں:

می کنم شکر ایں اجل نعم — کہ مرا کرد حق زخیر امم

یعنی از امت حبیب خدا — عاصیاں را شفیع روز جزا

چوں بشانش نگاہ موسی کرد — شدن از امتش تمنا کرد

(بدائع منظوم)

چوتھا باب: فضائل حسنین شریفین (رضی اللہ عنہما)

امام حسن (رضی اللہ عنہ) اور امام حسین (رضی اللہ عنہ) دونوں اکثر فضائل ومناقب میں مشترک ہیں۔اس لئے امام بخاری نے بَابُ مَنَاقِبِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ میں دونوں کے مناقب کو ایک باب میں جمع کیا ہے اور امام مسلم نے صحیح مسلم میں فضائل الحسن والحسین کا باب باندھا ہے۔اس لئے یہاں حسنین کریمین کے فضائل مشترکہ بیان کئے جاتے ہیں۔جو مختلف حدیثوں میں ہیں۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (سنن الترمزی ابواب المناقب ص ۲ ج ۴) حسن (رضی اللہ عنہ) اور حسین (رضی اللہ عنہ) جنتی نوجوانوں سکے سردار ہیں۔یعنی جو لوگ جوانی میں وفات پائیں اور ہوں جنتی حضرت حسنین کرمین ان کے سردار ہیں ورنہ جنت میں تو سب ہی جوان ہوں گے لہذا اس سے یہ لازم نہیں اتا کہ حضرات حسنین کریمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے

نبیوں کے بھی سردار ہوں گے شباب جمع ہے شاب کی بمعنی جوان۔ جوانی کی عمر اٹھارہ برس سے تیس سال تک ہے۔ (مراۃ ج ۸ ص ۴۷۵)
لیکن انبیاء اور خلفاء راشدین مستثنیٰ ہیں یعنی ان سے یہ دونوں افضل نہیں ہوں گے۔
بعض نے لکھا ہے کہ یہاں شباب کا معنی فتوت یعنی جوان مرد سخی اور کریم کے معنی میں ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ یہ دونوں تمام جوان مردوں کے سردار ہیں علاوہ انبیاء اور خلفاء راشدین کے۔
علامہ علی قاری لکھتے ہیں او انهما سيدا أهل الجنة سوى الانبياء والخلفاء الراشدين۔ وذلك لان أهل الجنة كلهم فى سن واحد وهو الشباب، وليس فيهم شيخ ولا كهل۔ (مرقات ج ۱۱ ص ۳۱۴)
حضرت حزیفہ بن یمان (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک دن ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر خوشی کے آثار دیکھے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور پر خوشی و مسرت ظاہر ہو رہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں کیوں خوش نہ ہوں کہ بیشک میرے پاس حضرت جبرائیل آمین آئے اور انھوں نے مجھے بشارت دی
اَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاَبُوْ هُمَا اَفْضَلُ مِنْهُمَا (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۱۳)۔ کہ بے شک حسن اور حسین دونوں جنتی نو جوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والدان دونوں سے افضل ہیں اور دوسری روایت میں ہے وَاَبُوْ هُمَا خَيْرٌ مِّنْهُمَا اور ان دونوں کے والدان سے بہتر ہیں (مجمع الزوائد ج ۹ ۲۱۳) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا ابْنَيِ الْخَالَةِ عِيسَى بِنْ مَرْيَمَ، وَيَحْيَى بِنْ زَكَرِيَّا. وَفَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا مَا كَانَ مِنْ مَرْيَمَ بِنْتِ عِمْرَانَ. (حاکم مستدرک

حدیث نمبر ۶۹۷۷ ابن حبان، فضائل الصحابہ)
حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں سوائے دو خالہ زاد بیٹوں کے (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام) کے اور حضرت فاطمہ زہراء جنتی عورتوں کی سردار ہیں سوائے اس کے کہ مریم بنت عمران کی فضیلت اپنی جگہ حاصل ہے۔

حسنین رضی اللہ عنہما دنیا کے دو پھول ہیں

حضرت عبد الرحمن بن ابی نعم سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **هُمَا رَيْحَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا** (بخاری حدیث ۳۷۵۳)، یہ دونوں دنیا کے میرے دو پھول ہیں۔
سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **إِنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ هُمَا رَيْحَانَايَ مِنَ الدُّنْيَا**۔ (سنن الترمذی ابواب المناقب ۴۰۲۳) بیشک حسن اور حسین دونوں دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ یعنی حسن (رضی اللہ عنہ) وحسین (رضی اللہ عنہ) دنیا سے ہمارے دو پھول ہیں۔ ریحان کا معنی رحمت، راحت اور اولاد کو بھی اس معنی میں ریحان کہتے ہیں۔ اس کا معنی خوشبودار گھاس بھی۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی بطور تشبیہ اس کا اطلاق اولاد پر کیا جاسکتا ہے۔ (اشعۃ اللمعات، مناقب اہل بیت نبی ص ۴۹۸)
علامہ علی قاری رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: **وَقِيلَ رَيْحَانَايَ مِنَ الْجَنَّةِ فِي الدُّنْيَا كَمَا قَالَ فِي الْحَدِيثِ اَلْوَلَدُ الصَّالِحُ رَيْحَانَةٌ مِّن رَّيَاحِينِ الْجَنَّةِ وَقَدْ قِيلَ يُوجَدُ مِنْهُمَا رِيحُ الْجَنَّةِ**۔ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۰۱)، اور کہا گیا ہے میرے دونوں پھول جنت سے دنیا میں آئے۔ جیسا حدیث میں آیا ہے، نیک بیٹا جنت کے پھولوں میں سے ایک پھول ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حسنین کریمین دونوں سے جنت کی خوشبو پائی جاتی ہے۔
اسی لئے دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونگھتے تھے اور اپنے جسم اقدس کے ساتھ چمٹاتے تھے۔ حسن و

حسنین دنیا میں جنت کے پھول ہیں جو مجھے عطا ہوئے ان کے جسم سے جنت کی خوشبو آتی تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں سونگھا کرتے تھے۔(سنن الترمذی، ابواب المناقب ۴۰۲۵)

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مشابہت تھی

سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ اَلْحَسَنُ اَشْبَهُ النَّاسِ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ مَا بَيْنَ الصَّدْرِ اِلَى الرَّأْسِ، وَالْحُسَيْنُ اَشْبَهُ النَّاسِ بِالنَّبِيِّ ﷺ مَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذَالِكَ (سنن ترمذی ۵، ۶۶۰) حسن رضی اللہ عنہ سر سے لے کر سینے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے اور حسین رضی اللہ عنہ اس سے نیچے کے جسمانی حصے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

یعنی حسن مجتبیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر سے لے کر سینہ تک کے حصہ میں بہت مشابہ اور حسین نبی کریم کے سینہ کے بعد سے جسم کے نچلے حصہ (یعنی پنڈلی اور پاؤں وغیرہ) میں بہت مشابہ ہیں۔ دونوں ہی شہزادے شبیہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

نواسے بھی حکماً بیٹے ہوتے ہیں

حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے، کہ ایک رات کسی کام سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز کو گود میں لئے تھے۔ (رات ہونے کی وجہ سے) مجھے خبر نہ تھی کہ وہ کیا (چیز) ہے؟ تو جب میں اپنی ضرورت سے فارغ ہوا میں نے عرض کیا: یہ کیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گود میں لئے ہیں؟ حضور نے کھولا تو حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رانوں پر تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: هٰذَانِ اِبْنَایَ وَاِبْنَا اِبْنَتِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهُمَا (سنن الترمذی ، کتاب المناقب ۴۰۲۲)

یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی (فاطمہ) کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور محبت کر اس سے جو ان دونوں سے محبت کرتا ہے۔ (کیونکہ ان دونوں کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ عبارت بیان ہے "اِبْنَایَ" کا یعنی یہ حکماً میرے بیٹے ہیں اور حقیقتاً میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ مجھے ان سے بیٹوں جیسی محبت ہے۔

خیال رہے کہ حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کی اولاد حضور کی نسل ہے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل چلی۔ گو یا حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل بھی ہیں اور نسل کی اصل بھی۔ (مراۃ شرح مشکوۃ، ۸:۴۷۶)۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے محبت کرنے والا جنت میں جائے گا

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن و حسین دونوں کا ہاتھ پکڑا پھر فرمایا: مَنْ اَحَبَّنِیْ وَاَحَبَّ ھٰذَانِ وَاَبَا ھُمَا وَاُمَّھُمَا کَانَ مَعِیَ فِیْ دَرَجَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (التاج الجامع الاصول) جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دونوں سے محبت کی اور ان دونوں کے والدہ باپ سے محبت کی وہ قیامت کے دن میرے درجہ میں ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حَسَنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ (حضرت حسن ایک نواسا ہے نواسوں میں سے)۔

حسنین شہیدین پر بحالت سجدہ شفقت کرنا

حضرت شداد (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز عشاء کے لئے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت امام حسن اور امام حسین (رضی اللہ عنہما) کو گود میں اٹھائے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت آگے بڑھے (نماز کی امامت فرمانے کے لئے) اور ان کو بٹھا دیا زمین پر پھر نماز کے لئے تکبیر فرمائی اور نماز شروع فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے درمیان ایک سجدہ میں تاخیر فرمائی

تو میں نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ صاحبزادے (رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر ہیں اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالت سجدہ میں ہیں پھر میں سجدہ میں چلا گیا جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے ۔تو لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے نماز کے دوران ایک سجدہ ادا فرمانے میں تاخیر فرمائی یہاں تک کہ ہم لوگوں کو اس بات کا خیال ہوا کہ آپ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی حادثہ پیش آ گیا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہو گئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں تھی میرا لڑکا (نواسہ) مجھ پر سوار تھا مجھ کو (برا) محسوس ہوا کہ میں جلدی اٹھ کھڑا ہوں اور اس کی مراد (کھیلنے کی خواہش) مکمل نہ ہو (سنن نسائی حدیث نمبر ۱۱۴۲) ۔اور عام بچوں کی تو عادت ہوتی ہے کہ جب کوئی نماز پڑھے تو وہ آگے پیچھے اور اوپر چڑھ جاتے ہیں ۔اور ایسا کرنے سے نمازی کی نماز فاسد نہیں ہوتی

حسنین سعیدین (رضی اللہ عنہما) سے زیادہ محبت کرنے کی کیا حکمت تھی

والدین تو اپنے بیٹوں ، پوتوں اور نواسوں سے بہت محبت وشفقت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالی نے بطور آزمائش دلوں میں اولاد کی محبت ڈالدی ہے ۔اس لئے وہ ان سے محبت وشفقت اور ہمدردی کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اس میں تو اپنا کوئی کمال نہیں ہوتا اور نہ اس میں اولاد کی کوئی فضیلت و بزرگی کی دلیل ہوتی ہے ۔ والدین تو اپنی بدعمل اولاد سے بھی محبت کرتے ہیں ۔اور ان کا دکھ رنج اور تکلیف برداشت نہیں کر سکتے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کافر تھا۔ مگر اسکے غرق ہونے پر نوح علیہ السلام کو بہت رنج ہوا اور اللہ تعالی سے فریاد کی ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی کے بعد ساری مخلوق میں سب سے زیادہ مشفق ومہربان تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ اللعلمین ، رؤف رحیم تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت عامہ کا فائدہ کفار کو بھی ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت خاصہ کا فائدہ اہل ایمان کو زیادہ حاصل ہوا ، دنیا میں ھدایت ملی اور

قیامت کے دن شفاعت ہوگی اوراہل ایمان نجات پائیں گے۔
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب کے بچوں سے محبت کرتے تھے اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تو بے حد محبت وشفقت فرماتے تھے اوران کے لئے خصوصی دعائیں کرتے اور دونوں نواسوں کا ہر وقت خیال فرماتے تھے۔

حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کو خطبہ چھوڑ کر گود میں اٹھانا

چنانچہ حضرت بریدہ (رضی اللہ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک حسن (رضی اللہ عنہ) وحسین (رضی اللہ عنہ) آ گئے۔انہوں نے سرخ قمیص (سرخ دھاریوں والی) پہن رکھی تھیں وہ چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے (جیسا بچوں کا طریقہ ہوتا ہے)۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے انہیں اٹھایا اور آگے بٹھایا۔اور پھر فرمایا: اللہ تعالی نے سچ فرمایا {اِنَّمَآ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ} (سورہ تغابن ۶۴:۱۵) تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ (آزمائش) ہی ہیں۔
ہم نے ان دونوں بچوں کو دیکھا جو چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے تو ہم نے صبر نہیں کیا یہاں تک کہ ہم نے سلسلہ گفتگو قطع کر دیا اور انہیں اٹھالیا۔(مشکوۃ بحوالہ ترمزی،ابوداؤد،نسائی)
اس حدیث میں حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کمال محبت کا اظہار ہے نیز اس میں تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ میرے اس عمل کو مستقبل میں دلیل نہ بنایا جائے۔
حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بے شمار خوبیاں اور کمالات نظر آرہے تھے جو دوسروں میں نہیں تھے اس لئے آپ ان سے غیر معمولی محبت فرماتے تھے اور وہ احوال بھی آپ کے پیش نظر تھے جو انہیں پیش آنیوالے تھے اس لئے ان سے شفقت ومحبت زیادہ کرتے تھے اوران کے لئے دعائیں فرماتے تھے اوران کے ساتھ محبت کرنے والوں کے لئے بھی دعائیں فرماتے تھے۔اس میں امت

کے لئے بھی درس تھا کہ ان کے مقام ومرتبہ کا لحاظ کرنا ہوگا۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) دونوں نے شہادت کا درجہ حاصل کرنا تھا اور دونوں نے اعلی مقام پر فائز ہونا تھا اس لئے دونوں کے فضائل بیان فرمائے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا امتحان بہت سخت ہونا تھا اسی لئے ان کی ولادت کے ساتھ ہی شہادت کی بھی خبر دی گئی تھی۔

اور ان کے لیئے خصوصی دعائیں کیں اور اپنی قلبی محبت وتعلق اور لگاؤ کا اظہار فرمایا تا کہ امت مسلمہ ان کے حقوق کی ادئیگی میں کوتاہی نہ کرے ان کے مرتبہ ومقام کا خیال کرے مگر افسوس کہ بعض لوگوں نے حصول دنیا کی خاطر ان کے حقوق کا لحاظ نہ کرتے ہوئے شہید کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کا پاس بھی نہ کیا۔

حسنین رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت

سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ **خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَمَعَهُ حَسَنٌ وَحُسَيْنٌ، هٰذَا عَلٰى عَاتِقِهٖ، وَهٰذَا عَلٰى عَاتِقِهٖ، وَهُوَ يَلْثِمُ هٰذَا مَرَّةً، وَيَلْثِمُ هٰذَا مَرَّةً حَتّٰى انْتَهٰى اِلَيْنَا. فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، اِنَّكَ لَتُحِبُّهُمَا. فَقَالَ (مَنْ اَحَبَّهُمَا فَقَدْ اَحَبَّنِي، وَمَنْ اَبْغَضَهُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِي** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف نکلے، آپ کے ساتھ حسن وحسین رضی اللہ عنہا تھے، ایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس کندھے پر سوار تھا اور ایک اس کندھے پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک بار اس کا بوسہ لیتے اور ایک بار اس کا بوسہ لیتے۔ یہاں تک کہ آپ ہمارے پاس پہنچ گئے۔ ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: اے اللہ کے رسول! بلاشبہ آپ ان دونوں سے محبت کرتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ان دونوں سے محبت کی اس نے یقیناً میرے ساتھ محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا اس نے یقیناً میرے ساتھ بغض رکھا۔ (فضائل صحابہ لامام احمد بن حنبل حدیث ۱۳۷۸، مسند احمد ابن ماجہ)۔ (مستدرک

للحاکم ۳،۱۶۶)،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسنین (رضی اللہ عنہما) کو اپنے گلے لگانا

حضرت یعلی (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حسن (رضی اللہ عنہ) اور حسین (رضی اللہ عنہ) کہیں سے دوڑتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو آپ نے گلے لگایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بچے بخل کا سبب ہیں اور بزدلی کا باعث ہیں۔ (مشکوۃ باب المصافحۃ والمعانقۃ فصل سوم بحوالہ مسند امام احمد)۔

علماء نے لکھا ہے کہ یہاں مذکورہ الفاظ سے بچوں کے بارے میں شفقت و محبت اور تعریف کا اظہار مقصود ہے۔

مظاہر حق میں ہے، کہ اولاد کی انتہائی محبت انسان کو بخیل اور بزدل بن جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ بات فطرتی ہے اگرچہ اللہ والوں میں اس کا ظہور کم ہوتا ہے مؤمن کو اللہ ورسول بمقابلہ اولاد پیارے ہوتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ،تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے بڑھ کر محبوب اور عزیز نہ ہوجاؤں۔ (مرقاۃ ج ۸ ص ۵۰۹، مراۃ ج ۶ ص ۳۶۷)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو سونگھا کرتے تھے

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا اہل بیت میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کون زیادہ محبوب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کرتے: اُدْعِیْ لِیْ اِبْنَیَّ فَیَشُمُّھُمَا وَ یَضُمُّھُمَا اِلَیْہِ (ترمذی) میرے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ پھر آپ ان دونوں کے جسموں کو سونگھتے (کیونکہ وہ آپ کے پھول تھے) اور اپنے ساتھ چمٹا لیتے تھے۔

حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے لئے حفاظتی دعا

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) اور امام حسین (رضی اللہ عنہ) پر یہ کلمات پڑھکر پھونکا کرتے اور فرماتے کہ تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام پر انہیں پڑھ کر دم کیا کرتے: اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ، (بخاری کتاب الانبیاء حدیث ۳۳۷۱)۔

اللہ کے پورے کلموں کی پناہ چاہتا ہوں ہر شیطان اور زہریلے کیڑے اور ہر بری (بدنظر) آنکھ سے۔

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) حسنین کریمین (رضی اللہ عنہا) کے لئے یوں پناہ مانگتے تھے:

اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّ ھَامَّۃٍ وَّ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃ، (ترمزی حدیث ۲۰۶۰)۔تم دونوں کے لئے پناہ چاہتا ہوں اللہ کے پورے کلموں سے ہر شیطان اور زہریلے کیڑے اور ہر بری نظر سے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دم کرنے کے بعد فرماتے حضرت ابراہیم اپنے صاحبزادوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو بھی دم کیا کرتے تھے۔کہا جاتا ہے کہ حسنین کریمین بعض وجوہ (اوصاف) کی وجہ سے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کے مشابہ تھے اگرچہ حسن کریمین دونوں نبی نہیں تھے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزکورہ کالمات بطور دعا پڑھتے تھے۔

حسنین کریمین کی اولاد (سادات) ساری دنیا میں ہے

چنانچہ شیخ ابن تیمیہ حقوق اہل بیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فَكَمَا اَنَّ غَالِبَ الْاَنْبِيَاء كَانُوْا مِنْ ذُرِيَّةِ اِسْحَاق فَهكَذَا كَانَ غَالِبُ السَّادَةِ الْاَئِمَّةِ مِنْ ذُرِيَّةِ الْحُسَيْنِ وَ كَمَا اَنَّ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ الَّذِیْ طبَقَ اَمْرُهٗ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِ بِهَا كَانَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِسْمَاعِيْلَ فَكَذٰلِكَ الْخَلْفِيَةُ الرَّاشِدُ الْمَهْدِی الَّذِیْ هُوَ اٰخِرُ الْخُلَفَاءِ يَكُوْنُ مِنْ ذُرِّيَّةِ الْحَسَنِ (حقوق ال لبیت ص ۳۶)۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں جس طرح کہ زیادہ انبیاء علیہم السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہوئے ہیں تو اسی طرح ائمہ کرام سادات حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی اولاد سے ہوئے ہیں اور جس طرح کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کا حکم زمین کے مشارق اور اس کے مغارب میں نافض وجاری ہے اور وہ خاتم الانبیاء حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں تو اسی طرح خلیفہ راشد (حضرت) مھدی جو اخری خلیفہ ہوں گے وہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی اولاد میں سے ہوں گے۔(فضائل اہل البیت وحقوقھم ص ۲۶)۔

اس میں حضرات حسنین کریمین کی بہت بڑی منقبت اور فضیلت ہے۔اور ساری دنیا میں آل رسول پائی جاتی ہے جن کو سادات کرام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ایک قول کے مطابق۔

اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرْ (بیشک ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی)۔میں کثرت سے مراد آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو ساری دنیا میں پائی جاتی ہے۔اور غیر سادات امت کے لئے باعث رحمت ہے۔

پانچواں باب: سیرت حضرت سیدنا حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام ونسب

ابومحمد کنیت سید (ابنی ھذا اسید) اور ریحانۃ النبی (ریحانتی فی الجنۃ) شبیہ رسول لقب،

اوراپ کا شجرۂ نسب یہ ہے: ابومحمد حسن بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب قرشی مطلبی۔ آپ (رضی اللہ عنہ) کی والدہ ماجدہ سیدہ بتول فاطمہ زہرا (رضی اللہ عنہا) جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھیں۔ اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے پدر بزرگوار جناب علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) ابن عم رسول تھے۔ اس لحاظ سے آپ (رضی اللہ عنہ) کی ذات گرامی دوہرے شرف کی حامل تھی۔ آپ اہل کساء میں سے ہیں ۔جن اوپر اپنی چادر ڈال کر فرمایا اے اللہ یہ میری اہل بیت ہے اور آپ ان میں داخل ہیں۔ اور آپ خلفاء راشدین میں سے پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حسن پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام حرب رکھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: تم نے میرے بیٹوں کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے کہا: حرب۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ حسن ہے۔ پھر جب حسین پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام حرب رکھ دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تم نے میرے بیٹے کیا نام رکھا ہے؟ میں نے کہا: حرب۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ وہ حسن ہے۔ پھر جب محسن پیدا ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: تم نے میرے بیٹے کا نام کیا رکھا ہے؟ میں نے کہا: حرب۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ محسن ہے۔ پھر نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے تینوں بیٹوں کے وہی نام رکھے ہیں جو حضرت ھارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کے رکھے تھے (ان کے نام یہ تھے) شَبَّرْ شَبِیْر مُشَبَّرْ ۔(المستدرک للحاکم)

حضرت حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہ) کی ولادت مدینہ منورہ میں ۳ ہجری میں ہوئی اور آپ کی عمر شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال شریف کے وقت آٹھ سال تھی۔(اشعۃ اللمعات)۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی ولادت کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے دائیں کان میں اذان دی اور بائیں کان میں اقامت پڑھی۔(نور لابصار ص ۱۸۱)

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی ولادت کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے کان میں اذان دی اور اپنے مبارک دہن سے حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے منہ میں گھٹی ڈالی اور ان کا نام حرب رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نام تبدیل کر کے حسن (رضی اللہ عنہ) نام رکھا۔ ساتویں دن آپ کے سر کے بال اتروائے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کر دی اور ساتویں دن حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے عقیقہ کیا۔

تاریخ ولادت

امام ولی الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، امام حسن بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہما) نواسہ (سبط) رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ حضرت حسن بن علی بن ابو طالب (رضی اللہ عنہ) ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ قول تمام اقوال میں جو حضرت حسن کی ولادت کے بارے میں لکھے گئے ہیں زیادہ صحیح ہے۔ ان کی وفات ۵ ربیع الاول ۵۰ ھ میں واقع ہوئی بعض نے ۵۸ھ اور بعض نے ۴۹ھ اور بعض نے ۴۴ھ بھی لکھا ہے۔ اور آپ جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔(اکمال فی اسماء الرجال، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی ص ۱۳۹، سیر اعلام النبلاج ۴ ص ۳۷۹)۔

امام شمس الدین محمد الذھبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت حسن مجتبیٰ کی ۵ ماہ شعبان

۳ھ کو ولادت ہوئی اور کہا گیا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۵ رمضان میں ہوئی اور آپ کی طرف سے آپ کے نانا جان حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا۔
حضرت ام فضل (زوجہ حضرت عباس (رضی اللہ عنہما) نے ایک مرتبہ عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا عضو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میرے گھر میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اچھا خواب دیکھا ہے حضرت فاطمہ زہراء سے ایک بچہ پیدا ہوگا جس کو تم قثم کا دودھ پلاؤ گی۔ جو دودھ تم اپنے بیٹے قثم کو پلاؤ گی وہی دودھ اس کو پلاؤ گی)۔ چنانچہ حضرت حسن پیدا ہوئے۔ اور حضرت ام فضل ان کو قثم کا دودھ پلایا کہ ان دونوں نے حضرت ام فضل کا دودھ پیا)۔(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ)۔

ناموں کی تبدیلی

خانی بن خانی حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ جب حسن پیدا ہوئے میں نے حرم نام رکھنا چاہا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا میرا بیٹا مجھے دکھاؤ کیا نام رکھ رہے ہو؟ تو میں نے کہا حرب آپ نے فرمایا بلکہ حسن (رضی اللہ عنہ) ہے پھر جب حسین پیدا ہوئے تو میں نے اس کا نام بھی حرب رکھنا چاہا تو آپ تشریف لائے فرمایا میرا بیٹا مجھے دکھاؤ کیا نام رکھنا چاہتے ہو تو میں نے کہا حرب آپ نے فرمایا وہ حسین ہے۔ پھر جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو میں نے حرب رکھنا چاہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے فرمایا میرا بچہ مجھے دکھاؤ کیا نام رکھنا ہے میں نے کہا حرب آپ نے فرمایا بلکہ یہ محسن ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے ان بچوں کے نام ہارون علیہ السلام کے بیٹوں کے نام شبر شبیر اور مبشر پر رکھے ہیں۔ (مسند الطیالسی، مسند امام احمد بن حنبل حدیث نمبر ۷۶۹)۔
حضرت محمد بن علی حضرت علی سے نقل کرتے ہیں کہ جب حسن پیدا ہوئے تو حمزہ نام رکھنا چاہا پھر جب حسین پیدا ہوئے تو ان کے چچا کے نام پر جعفر رکھنا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بُلا کر فرمایا مجھے

حکم دیا گیا ہے کہ میں نے ان دونوں کے نام بدل دوں۔تو میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔تو آپ نے ان کے نام حسن اور حسین رکھ دئے۔(مسند امام احمد حدیث نمبر ۱۳۷۰، طبع شاکر)،

حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کرنا

حضرت عبداللہ بن بریدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو یہ فرماتے ہوئے سنا اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ کہ بیشک رسول اللہ نے حسن اور حسین کی طرف سے عقیقہ فرمایا۔(مسند احمد)
(مناقب علی والحسنین وامہما فاطمۃ الظہراء)

حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں حَقَّ رَسُوْلُ اللہِ عَنِ الْحَسَنِ بِشَاۃٍ وَقَالَ یَا فَاطِمَۃُ اِحْلِقِی رَأْسَہٗ وَتَصَدَّقِیْ بِزِنَۃِ شَعْرِہٖ فِضَّۃً قَالَ فَوَزَنَّاہُ فَکَانَ وَزْنُہٗ دِرْھَمًا اَوْ بَعْضَ دِرْھَمٍ (جامع ترمذی)،
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن کے عقیقہ میں ایک بکری ذبح کی اور فرمایا اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) اس کا سر مونڈھ اور بالوں کے برابر صدقہ کرو، انہوں نے بالوں کا وزن کیا تو وہ ایک درہم کے برابر یا اس سے کچھ کم وزن کے ہوئے۔تو اس درھم کو صدقہ کر دیا۔دیگر صحیح روایات میں دو مینڈھے ذبح کرنے کا ذکر ہے، اور وہی حدیث راجع ہے۔(شان حسن ص ۲۶)۔ایک جانور بھی عقیقہ میں دینا جائز ہے، دو دئے جائیں تو بہتر ہے اور بیٹی کی طرف سے ایک دیا جائے۔

حضرت حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہ) کے فضائل

اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بیشک میرا یہ بیٹا سید ہے اور شاید اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کروائے گا

حضرت سیدنا حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہ) نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فرزند علی (رضی اللہ عنہ)، گوشہ جگر فاطمہ (رضی اللہ عنہ)، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پانچویں خلیفہ ہیں۔ آپ (رضی اللہ عنہ) کی خلافت تکمیل خلافت راشدہ ہے۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے بغیر کسی ضعف و کمزوری کے خلافت وحکومت کو مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کے لئے اور خونریزی سے بچانے کی خاطر امت مسلمہ پر شفقت و مہربانی کرتے ہوئے بخوشی امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کر دیا تھا اور ان سے صلح کر لی تھی۔

چنانچہ امام شہاب الدین ابوالعباس احمد شافعی قسطلانی رحمہ اللہ (متوفی ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں،

وَكَانَ الْحَسَنُ اَحَقَّ النَّاسِ بِالْخِلاَفَةِ فَدَعَاهُ وَرَعُهُ وَ شَفْقَتَهُ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اِلَى تَرْكِ الْمُلْكِ وَالدُّنْيَا رَغْبَةً فِيْمَا عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ لِقِلَّةٍ وَلاَ زِلَّةٍ فَقَدْ بَايَعَهُ عَلَى الْمَوْتِ اَرْبَعُوْنَ اَلْفًا (ارشاد الساری شرح بخاری ج ۸ ص ۲۳۱)۔ اور حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے خلافت کے زیادہ لائق و مستحق تھے اور انہیں ان کے ورع وتقوی اور مسلمانوں پر شفقت ومہربانی نے بادشاہی اور دنیا کو چھوڑنے پر امادہ کیا اور ان نعمتوں کے حصول کی رغبت وخواہش نے جو اللہ تعالی کے نزدیک ہیں جو عزت و بزرگی والا ہے۔ اور ترک خلافت کسی کمی وکمزوری کی وجہ سے نہیں تھی حالانکہ چالیس ہزار افراد نے حضرت حسنؓ کی موت پر بیعت کی تھی۔

یہ وہ ایثار وقربانی ہے جس کی دنیا ہرگز ہرگز کوئی مثال پیش نہیں کرسکتی۔ ہر زمانہ کے خلفاء امراء اور حکمرانوں کے لئے ایک درس عبرت ہے کہ حکومت واقتدار، سلطنت و بادشاہی سے مسلمانوں کے درمیان اتفاق پیدا کرنا اور صلح کرانا ان کے جان و مال اور خون کی حفاظت کرنا مقدم ہے۔ حضرت حسنؓ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے برادرِ معظم (بڑے بھائی) ہیں۔ لیکن روافض نے حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ تعلق پیدا کر رکھا ہے کیونکہ آپ کی شہادت کے واقعہ سے غم

وحزن پیدا ہوتا ہے تو انہوں نے اسی کو وسیلہ بنالیا۔ اگر یہ اہل بیت کی محبت اور احترام میں سچے ہوتے تو حضرت سیدنا حسن (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ تعلق اور رشتہ محبت پیدا کرتے اس لئے کہ حضرت سیدنا حسن (رضی اللہ عنہ) حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) سے افضل ہیں۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وحضرت امام حسن افضل است از امام حسین (رضی اللہ عنہما) (مکتوب نمبر ۶۷، دفتر اول ص ۱۸۸)۔ اور حضرت امام حسن حضرت امام حسین سے افضل ہیں اللہ دونوں سے راضی ہو۔ اسکے باوجود آپ کا ذکر خیر بہت ہی کم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ خوارج تو آپ کے دشمن تھے اور ہیں۔ مگر محب اہل بیت اور سنیت کا دعوی کرنیوالے بھی اس طرح جوش وخروش اور محبت وعقیدت سے ذکر نہیں کرتے جس طرح حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا ذکر کیا جاتا ہے اسکی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ آپ نے امت مسلمہ کی بہتری اور بھلائی کے لئے حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے جنگ کرنے کی بجائے صلح کر لی تھی اور یہ صلح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی کے عین مطابق تھی۔ جو لوگ اس صلح سے ناراض اور ناخوش تھے اور ہیں۔ وہ ان کا تذکرہ نہیں کرتے اور حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی صلح سے حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی خلافت (بادشاہی) برحق ثابت ہوئی ہے۔

آپؓ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔ یہاں چند فضائل بیان کئے جاتے ہیں۔ علامہ عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے حسن (رضی اللہ عنہ) کی کنیت ابو محمد تھی اور زاہد، جواد، بردبار، صاحب وقار اور دبدبہ والے القاب وغیرہ تھے۔ مدینہ منورہ سے مکہ کی طرف پیدل چل کر بیس حج کئے حالانکہ آپ کے پاس سواریاں تھیں۔ اور دو مرتبہ اپنا سارا مال راہ خدا میں دے دیا اور آدھا مال تین مرتبہ راہ خدا میں خرچ کر دیا اور آپ کے مناقب میں سے سب سے بڑی منقبت یہ ہے کہ خلافت کو دے دیا مسلمانوں کے خون کی حفاظت

کی خاطر اس کے باوجود کہ آپ کے ساتھ پہاڑوں کی طرح لشکر تھے۔ (نبراس ص ۵۱۶)۔ حضرت حسن جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں اور حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے اپنے نانا جان اور اپنے والد گرامی اور اپنی والدہ ماجدہ سے بہت سی حدیثیں یاد کرلیں تھیں۔ (سیر اعلام النبلاج ۴ ص ۲۷۷)۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) مشابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے

حضرت عقبہ بن حارث بیان کرتے ہیں خَرَجْتُ مَعَ اِبِیْ بَکْرِ الصِّدِیْقِ مِنْ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ بَعْدَ وَفَاۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ بِلَیَالٍ وَعَلِیُّ بْنُ ابِیْ طَالِبٍ یَمْشِیْ اِلٰی جَنْبِہٖ فَمَرَّ بِحَسَنِ بْنِ عَلِیٍ وَھُوَ یَلْعَبُ مَعَ الغِلْمَانِ فَاحْتَمَلَہٗ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِیْقُ عَلٰی رَقَبَتِہٖ وَجَعَلَ یَقُوْلُ بِاَبِیْ شَبِیْہِ النَّبِیِ لَیْسَ شَبِیْھًا بَعَلِیّ وَعَلِی ﷺ یَضْحَکُ (کتاب الشریعۃ ج ۵ ص ۲۱۴۷)۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے کچھ دن بعد حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر نکلا اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) ان کے ساتھ چل رہے تھے حضرت ابوبکر نے حضرت حسن کو بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا دیکھا اور کندھوں پر اٹھالیا اور فرمایا یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشابہ ہیں۔ علی المرتضی کے مشابہ نہیں۔ اور یہ سن کر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ مسکرا رہے تھے۔

حضرت ابو جحیفہ (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی پھر وہ باہر نکل کر جارہے تھے پھر انہوں نے دیکھا حضرت حسن بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو حضرت ابوبکر نے ان کو اٹھا کر اپنے کندھے پر بٹھالیا اور کہا ان پر میرے باپ فداء ہوں، یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہیں حضرت علی کے مشابہ نہیں ہیں اور حضرت انس ہنس رہے تھے۔ (صحیح البخاری کتاب المناقب باب صفت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق کو دیکھا وَحَمَلَ الْحَسنَ وَھُوَ یَقُوْلُ: بِاَبِیْ شَبِیْہٌ بِالنَّبِیِّ وَلَیْسَ شَبِیْہٌ بِعَلِیٍّ وَعَلِیٌّ یَضْحَکُ (بخاری

کتاب فضائل الصحابہ حدیث ۳۷۵۰)۔ کہ آپ حضرت حسن کو اٹھائے ہیں۔اور فرما رہے ہیں میرے باپ ان پر فدا ہوں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہیں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے ان کی شباہت نہیں ملتی۔اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) زبان صدیق سے یہ کلمات سن کر مسکرا رہے ہیں۔ اس حدیث میں جہاں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مشابہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیان ہوا۔ وہاں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ خلیفہ اول افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق، سیدنا حضرت ابوبکر الصدیق عبداللہ بن عثمان (رضی اللہ عنہ) کو آل بیت سے خصوصی پیار تھا۔اور حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے خصوصی شفقت اور محبت فرماتے تھے۔ اس حدیث کا ذکر دور صدیقی میں بھی اٗئے گا۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے لئے خصوصی دعا

حضرت ابوھریرہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اُحِبُّ حَسَنًا فَاَحِبَّہٗ من یحبہ (بخاری)، اے اللہ بیشک میں حسن سے محبت رکھتا ہوں تو اسے محبت فرما جو ان سے محبت کرے۔

حضرت براء (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھے پر تھے آپ یوں دعا مانگ رہے تھے، اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اُحِبُّہٗ وَاَحِبَّہٗ (بخاری و مسلم)۔ اے اللہ میں انہیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی انہیں محبوب بنالے۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے محب کے حق میں خصوصی دعا

حضرت ابوھریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دن کے کچھ حصے میں باہر آیا یہاں تک آپ سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہ) کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کیا یہاں بچہ ہے دو دفعہ ارشاد فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھوڑی دیر ٹھہرے کہ حسن (رضی اللہ عنہ) دوڑتے ہوئے آئے یہاں تک دونوں نے ایک دوسرے سے معانقہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی، اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ

اُحِبُّهُ فَاَحِبَّهُ وَ اَحِبَّهُ مَنْ يُّحِبُّهُ (مشکوۃ بحوالہ بخاری ومسلم)۔اے اللہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں تو بھی اسے محبوب بنالے اوراس سے محبت کرنے والے کو بھی محبوب بنالے۔اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسن (رضی اللہ عنہ) سے محبت کرنیوالے کے حق میں دعا کی ہے۔ ہر مسلمان کے دل میں محبت حسن ہونی چاہی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْ مُّحِبِّيْهِ وَ مَوَالِيْهِ وَلاَ تَجْعَلْنَا مِنْ مُّبْغَضِيْهِ وَمَعَادِيْهِ فَاِنَّ مَحْبُوْبَ الْمَحْبُوْبِ مَحْبُوْبٌ وَفِىْ قَلْبِ الْمُحِبِّ الْمَغْلُوْبِ مَطْلُوْبٌ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۹۸)۔اے اللہ ہمیں حسن کے ساتھ محبت کرنیوالوں اور ان کے دوستوں اور مدد کرنیوالوں سے بنا اور اے اللہ ہمیں ان کے کینہ رکھنے والوں ان سے دشمنی اور عداوت رکھنے والوں سے نہ بنا۔ بیشک محبوں کا محبوب پیارا ہوتا ہے اور محب مغلوب کے دل میں مطلوب ہوتا ہے (امین)۔

حضرت حسن اور حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہما) کے لئے دعا

حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید (رضی اللہ عنہ) اور حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) دونوں کو لیا ہوا تھا اور فرما رہے تھے، اَللّٰھُمَّ اِنِّىْ اُحِبُّهُمَا اَحِبَّهُمَا (بخاری کتاب المناقب)۔

اے اللہ میں ان دونوں کو دوست رکھتا ہوں تو بھی ان کو دوست رکھ۔ ایک اور روایت میں ہے حضرت براء (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اور حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) اپ کے مونڈھے پر تھے آپ فرماتے تھے، اے اللہ میں حسن کو دوست رکھتا ہوں سو تو بھی ان کو دوست رکھ (بخاری کتاب المناقب)۔

حضرت اسامہ کی منقبت

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يَاخُذُنِىْ فَيُقْعِدُنِىْ

عَلٰی فَخِذِہٖ وَیَقْعَدُ الْحَسَنَ ابْنَ عَلِیٍّ عَلٰی فَخِذِہٖ الْاُخْرٰی ثُمَّ یَضُمُّھُمَا مجھے پکڑ کر اپنی ران مبارک پر بٹھاتے تھے اور حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کو پکڑ کر دوسری ران مبارک پر بٹھاتے تھے پھر ان دونوں کو اپنے ساتھ چمٹاتے اور پھر دعا کرتے اَللّٰھُمَّ ارْحَمْھُمَا فَاِنِّیْ اَرْحَمُھُمَا (مشکوۃ بحوالہ بخاری) اے اللہ ان پر رحم فرما کیونکہ میں ان پر رحم کرتا ہوں۔حضرت اسامہ (رضی اللہ عنہ) حضرت زید (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے آزاد کردہ غلام کے بیٹے کو حضرت حسن کے برابر جگہ دیتے اور شفقت ومحبت اور مہربانی میں شریک فرماتے تھے:

زانکہ ترا برمن مسکین نظر است ☆ آثارم از آفتاب مشہور تر است

چونکہ آپ کی مجھ مسکین پر نظر (کرم) ہے اس لئے میرے آثار سورج سے زیادہ مشہور ہیں۔

حضرت اسامہ سے انتہائی محبت

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسامہ (کے بچپن میں ان) کی ناک کو صاف کرنا چاہا (جیسا کہ بچوں کی ناک صاف کردیا کرتے ہیں) تو میں نے (اس بات کو خلاف ادب جان کر کہ میری موجودگی میں اسامہ کی ناک کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صاف کریں) عرض کیا کہ آپ رہنے دیجئے یہ کام میں کردوں گی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عائشہ اسامہ کو محبوب رکھو کیونکہ میں اس کو عزیز ومحبوب رکھتا ہوں۔(مشکوٰۃ کتاب المناقب بحوالہ ترمذی)۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (مرض وفات میں) بہت زیادہ کمزور اور نحیف ہوگئے تو، میں اور دوسرے لوگ مدینہ میں قیام پزیر ہوگئے۔چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ پر خاموشی طاری تھی (یعنی شدت مرض وضعف کے سبب طاقت گویائی بھی باقی نہیں رہ گئی تھی) چنانچہ (مجھ کو دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم زبان

سے کچھ نہیں بولے، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر مجھ پر رکھتے اور پھر اٹھاتے (نور ولایت (امیر بنانے) اور ظہور فراست کے سبب) میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حق میں دعا فرما رہے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب المناقب بحوالہ ترمذی)

سوار بھی کتنا اچھا ہے

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کو کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے ایک شخص نے کہا اے صاحبزادے

نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ وَنِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ کتنی اچھی سواری پر سوار ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ اور سوار بھی تو کتنا اچھا ہے (ترمذی)۔ یعنی سواری بھی اچھی ہے اور سوار بھی اچھا ہے۔

آپ نے حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے متعلق فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے

حضرت ابو بکرہ نفیع بن حارث ثقفی سے روایت ہے کہ (ایک دن) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر خطبہ (دیتے ہوئے) دیکھا کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (دائیں یا بائیں) پہلو تھے کبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وعظ و نصیحت میں تخاطب کے لئے) لوگوں پر توجہ فرماتے اور کبھی (پیار و محبت بھری نظروں سے) حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے

إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ،(الصحیح البخاری کتاب الفتن ۷۱۰۹) (الجامع الترمذی ابواب المناقب ۴۰۲۶)، کہ یہ میرا بیٹا سید ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ یہ پیشینگوئی پوری ہوئی کہ حضرت حسن مجتبیٰ کے دونوں جماعتوں میں صلح ہوگئی جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں فریق ملت اسلامیہ ہی کے

فرد ہیں۔اس فتنہ کی وجہ سے کوئی بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں، چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں گروہوں کو مسلمان قرار دیا ہے، باوجود یہ کہ ان میں سے ایک گروہ مصیب تھا، اور ایک مخطی تھا۔(مرقاۃ) یہ حدیث مختلف الفاظوں سے مروی ہے

چنانچہ امام مبارک محمد بن اثیر جزری رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۶۰۶ھ) یوں نقل فرماتے ہیں، اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ عَظِیْمَتَیْنِ (نسائی) ، بیشک یہ میرا بیٹا سید ہے شاہد کہ اللہ تعالی ان کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے گا۔

۲) اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ فَیُصْلِحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْهِ بَیْنَ فِئَتَیْنِ (ترمذی)، بلاشبہ میرا یہ بیٹا سید ہے اللہ تعالی ان کے ہاتھوں دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔

۳)، اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَاِنِّیْ لَاَرْجُوْا اَنْ یُّصْلِحَ اللّٰہُ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنْ اُمَّتِیْ (ابوداؤد) (جامع الاصول ج ۹ ص ۳۳)۔ بیشک یہ میرا بیٹا سید ہے اور بیشک میں امید رکھتا ہوں یہ کہ اللہ تعالی اس کے ذریعہ سے میری امت کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔

متعدد حدیثوں میں لعل ذکر کیا گیا ہے اور یہ امید و تمنی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر قران وحدیث میں یقین کے معنی میں آتا ہے تو اب لعل اللہ کا معنی ہوگا یقینا اللہ تعالی حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے ذریعہ سے دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دیگا اور لعل عسی کی طرح امید کے معنی میں مشترک ہیں۔ اُسْتُعْمِلَ لَعَلَّ اِسْتِعْمَالِ عَسَی لِاِشْتِرَا کِهِمَا فِی الرِّجَاءِ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۳۰۸)۔

، اِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (بخاری کتاب الصلح باب ۹ حدیث نمبر ۲۷۰۴)۔ بیشک یہ میرا بیٹا سید ہے اللہ تعالی

ان کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ان احادیث میں حضرت حسن مجتبیٰ کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ وہ میری امت کے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا۔ کیونکہ صلح کرنا ہرلحاظ اور ہر اعتبار سے اچھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ (سورہ نساء ۱۲۸)،اور صلح بہتر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرمارہے تھے حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنّ ابۡنِیۡ ھٰذَا سَیِّدٌ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنۡ یُّصۡلَحَ بِهٖ بَیۡنَ فِئَتَیۡنِ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ، (بخاری کتاب الفتن) بیشک یہ میرا بیٹا سید ہے اللہ تعالی ان کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ان احادیث میں حضرت حسن مجتبیٰ کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ وہ میری امت کے دومسلمانوں کی بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا۔(بخاری کتاب الفتن حدیث ۷۱۰۹)۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کے بارے میں فرمایا ہے: اِنَّ ابۡنِیۡ ھَذٰا سَیِّدٌ وَّ لَیُصۡلِحَنَّ اللّٰهُ بِهٖ بَیۡنَ فِئَتَیۡنِ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ عَظِیۡمَتَیۡنِ (مجمع الزوائد۔ ج ۹ صفہ ۲۰۴) بلاشبہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تعالی ان کے ذریعہ دو بڑی مسلمان جماعتوں میں ضرور صلح کرادے گا۔

امام فضل اللہ تو ربشتی رحمہ اللہ (متوفی ۶۶۱ ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں ، ھَذٰا الۡحَدِیۡثُ رَوَاہُ جَمِیۡعُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَ کَفَی بِهِ شَرَفًا وَفَضۡلاً فَلاَ اسود مِمَّنۡ سَمَّاہُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ سَیِّدًا (کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنۃ ج ۴ ص ۱۳۳۳)۔اس حدیث کو سب صحابہ نے روایت کیا ہےاور حضرت حسن کے لئے یہی شرف وفضیلت کافی ہے کہ کوئی اس سے بڑھکر سردارنہیں جس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سید رکھا تھا۔

سید کا معنی

سَادَ یَسُوْدُ وَسِیَادَۃً کے معنی مجد وشرف کے ہیں سید واحد ہے سادۃ جمع سادتنا احزاب ۱۶۷۔ ہمارے سردار۔اور سادات جمع الجمع لفظ سید کا مفہوم سردار سر براہ مالک اقا مخذوم محترم الفاظ سے ادا کیا جاتا ہے۔لفظ سید نسب اور قومیت کے معنی میں استعمال نہیں کیا جاتا۔

مذکورہ بالا حدیثوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسن کو اِبْنِیْ (میرا بیٹا) اور سَیِّدٌ (سردار) فرمایا ہے۔علامہ علی بن سلطان قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) لفظ سید کا معنی بیان فرماتے ہیں اِنَّمَا یُطْلَقُ حَقِیْقَۃً عَلٰی مَنْ جَمَعَ السَّادَتَ نَسَباً وَّحَسَباً وَّ عِلْمًا وَّعَمَلاً (مرقات ج۱۱ص ۲۹۸) بیشک سید کا اطلاق اس شخصیت پر ہوتا ہے جس میں حسب ونسب علم وعمل اور سرداری کی سب خوبیاں کو جمع کرلیا ہو۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۰۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ سید وہ ہے جو اپنی قوم میں نیکی میں بلند و بالا ہو۔بعض علماء فرماتے ہیں سید وہ ہے جس پر اس کا غضب غالب نہ آئے یعنی حلم والا ہو۔سید کا اطلاق کئی معنوں میں آیا ہے مثلا مربی، مالک، شریف، فضیلت والا، کریم، حلیم، قوم کی ایذا کو برداشت کرنیوالا، رئیس، اور (نیک کاموں میں) سب سے آگے (اشعۃ اللمعات)۔۔چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری کائنات کے سردار ہیں حضرت فاطمہ زہراء امت کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنین کریمین اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔اسی لئے حضرت فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ عنہا) کی اولاد کو سید (جمع سادۃ،سادات) کہا جاتا ہے۔اللہ تعالی نے حضرت یحیٰ علیہ السلام کو سید فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے اَنَّ اللهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللهِ وَ سَیِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ (سورہ آل عمران ۳۹)

بے شک اللہ آپ کو یحیٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو (عیسیٰ) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں

گے۔سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے نیک بندوں میں سے۔

شوہر اپنی بیوی کے لئے سردار ہوتا ہے، اس لئے شوہر کو سید کہا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :{ وَاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ} (سورہ یوسف ۱۲: ۲۵)اور دونوں کو عورت کا میاں دروازے کے پاس ملا۔

اوراسی طرح احادیث میں ہے **قوموا الی سید کم او خیر کم** (صحیح بخاری ج ا ص ۲۴۶، ۵۳۷)، تم اپنے سردار یا بہتر کے لئے کھڑے ہو جائے۔

غزوہ حنین ہوازن وثقیف میں الجلاح نامی مارا گیا جب اس خبر رسول اللہ کو پہنچی آپ نے فرمایا قتل الیوم سید شباب ثقیف طبری ج ۳ ص ۱۳۱۔آج ثقیف کے جوانوں کا سردار قتل ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب سید ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنی زبان مبارک سے فرمایا اَنَا سَیِّدٌ وَلَدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَلَا فَخْرَ (ترمذی نمبر ۳۱۴۸) کہ میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور اس میں کوئی فخر نہیں۔

سید کا معنی سردار اور مددگار کا بھی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ (مشکوۃ باب اداب السفر) سفر میں قوم کا بہترین فرد وہ ہے جو ان کی خدمت (مدد) کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کی تشریف آوری پر فرمایا: قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِ کُمْ (مشکوۃ باب الاسراء)۔اٹھو اور اپنے سردار کی طرف جاؤ۔

حضرت سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) قبیلہ کے سردار تھے اس لئے ان کو سید فرمایا اور ان کی تعظیم و تکریم کے لئے کھڑا ہونے کا حکم دیا۔

حضرت انس (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ

سَیِّدَا کُھُوْلِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اِلَّا النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ ابوبکر اور عمر انبیاء ورسل کے علاوہ اولین اور آخرین معمر (جو وفات کے وقت معمر ہیں) لوگوں کے سردار ہیں (ترمذی وابن ماجہ)۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعاء استغفار کو سید الاستغفار فرمایا ہے: (مشکوۃ حدیث نمبر ۲۳۳۵) یعنی سب سے افضل استغفار۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جمعہ کے دن کو اور دنوں کا سردار فرمایا: سَیِّدُ الْاَیَّامِ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ ترجمہ: کہ جمعہ کا دن دنوں کا سردار ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نمک کے متعلق فرمایا: سَیِّدُ اِدَامِکُمُ الْمِلْحُ (مشکوۃ المصابیح) نمک تمہارے کھانے کا سردار ہے۔

بنی سلمہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مَنْ سَیِّدُکُمْ یَا بَنِی سَلَمَہ قَالُوْا۔ اَلْجَدُّ (الادب المفرد)۔ اے بنی سلمہ تمہارا سردار کون ہے انہوں نے کہا دادا۔ مؤمن کو سید کا لقب دیا جا سکتا ہے لیکن منافق کو سید نہیں کہنا چاہیے۔

علامہ ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں لَا تَقُوْلُوْا الِلْمُنَافِقِ سَیِّدٌ ۔تم منافق کو، سید مت کہو۔ تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ جائز ہے مؤمن کو کہ سید کہا جائے۔ اور یہ اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس کو امام احمد اور حاکم نے عبداللہ بن شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے۔

اَلسَّیِّدُ اللّٰہُ تعالیٰ (کہ سید اللہ تعالیٰ ہے) اس لئے کہ حقیقۃ سیادۃ کسی کے لئے نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور اس کے سوا سب اس کے مملوک ہیں (مرقاۃ ج ۸ ص ۵۳۳)۔

حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا ابوبکر سیدنا (ابوبکر ہمارے سردار ہیں)۔ الشریف کا معنی بلند مرتبہ عزت وبزرگی والا اس کی جمع اشراف آتی ہے السید، الشریف دونوں لقب حضرت

فاطمہ زہراء اور حضرت حسنین کریمین کی اولاد کے ہیں اس لئے ہند و پاک میں انہی پر بولے جاتے ہیں خیال رہے جو سید ہے وہ شریف ہے اور جو شریف ہے وہ سید ہے۔

شیخ یوسف نبہانی خصائص اہل بیت لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے زمانے میں اصطلاح یہ تھی کہ اشراف (مساوات) کا اطلاق صرف اہل بیت پر کیا جاتا تھا، دوسروں پر نہیں، پھر یہ لقب حسنی اور حسینی سادات کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔ علامہ سیوطی رسالہ زنبیہ میں فرماتے ہیں: صحابہ کرام کے زمانہ میں شریف (سید) کا اطلاق ہر اس فرد پر کیا جاتا تھا جو اہل بیت کرام میں سے ہو خواہ حسنی حسینی ہو یا علوی، حضرت محمد بن حنفیہ کی اولاد میں سے ہو یا ان کے علاوہ حضرت علی مرتضیٰ کی اولاد میں سے، نیز حضرت جعفر کی اولاد ہو یا حضرت عقیل کی یا حضرت عباس کی، جب جب مصر میں فاطمی حضرات مسند آرائے خلافت ہوئے تو انہوں نے شریف (سید) کا اطلاق حضرت حسن و حسین کی اولاد کے ساتھ خاص کر دیا، مصر میں آج تک یہ اصطلاح جاری ہے۔

علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ فرماتے ہیں: تمام لوگوں پر عموما اور اہل بیت پر خصوصا چند امور کی رعایت لازم ہے (۱) علوم شرعیہ کے حاصل کرنے کا اہتمام کرنا کیونکہ علم کے بغیر نسب کا (کامل) فائدہ نہیں ہے۔ (۲) آباء پر فخر کرنا اور علومِ دینیہ حاصل کئے بغیر محض ان پر اعتماد نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے بارگاہِ الٰہی میں زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ (الصواعق المحرقہ ص ۱۸۱)۔

حافظ جلال الدین سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں ان اسم الشریف کان یطلق فی الصدر اول علی کل من کان من اٰھل البیت سواء کان حسنیا ام حسینیا ام علوییا من ذریة محمد بن الحنفیه وغیرہ من اولاد علی بن ابی طالب ام جعفر یا ام عقیلیا ام عباسیا (العجاجة الذرنبية فی السلاسة الذینبية)

اسم شریف کا اطلاق صدر اول میں اہل بیت پر ہوتا تھا خواہ حسنی ہوں یا حسینی محمد بن حنفیہ کی اولاد ہو ان کے علاوہ علی ابن ابی طالب کی اولاد ہو جعفری ہو یا عقیلی یا عباسی ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت محمد بن حنفیہ کی اولاد کو شریف کہا جاتا ہے تو شریف ہی کو سید بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے سید اور شریف میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور ان میں فرق کرنا غلطی ہے **فالسید هو الشریف و الشریف هو السید** (تنبیہ الحصیف الی خطا التفریق بین السید والشریف ص ۳۲) تو جو سید ہے وہ شریف ہے اور جو شریف ہے وہ سید ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کی وہ اولاد جو حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے ہے اسے سید کہتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد جو دوسری بیویوں کے بطن سے ہے اسے علوی کہتے ہیں سید نہیں کہتے۔ جیسے محمد ابن حنفیہ وغیرہم۔ یہ تمام فضائل اس اولاد شریف کے ہیں جو حضرت فاطمہ زہراء زہرا خاتون جنت کے بطن سے ہوں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب شریف میں یہ ہی حضرات داخل ہیں۔ (الکلام المقبول ص ۱۸)

حضرت حسن مجتبیٰ کا نماز میں پشت پر سوار ہونا

حضرت ابو بکرہ نفیع بن حارث ثقفی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھا کرتے جب سجدہ میں جاتے تو حسن چھلانگ لگا کر آپ کی پشت اور گردن پر سوار ہو جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آہستہ نرمی سے اوپر اٹھتے تاکہ گر نہ جائیں روای کہتے ہیں ایسے کئی بار ہوا۔ چنانچہ جب نماز مکمل ہوگئی تو صحابہ نے پوچھا کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم دیکھتے ہیں کہ آپ حسن (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ایسے پیش آتے ہیں اس طرح کرتے ہوے کسی اور کے ساتھ آپ کو ہم نے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا دنیا میں میری یہ خوشبو ہے۔ **وَاِنَّ ابْنِیْ هٰذَا سَیِّدٌ وَعَسَی اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ** (مناقب ص ۲۵۳)۔ اور یہ کہ میرا یہ

بیٹا سردار ہے اور یقیناً اللہ تعالی اس کے سبب مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کر دے گا۔

علم وفضل وروایت حدیث

آپ سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں۔ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے والد گرامی حضرت علی مرتضیٰ اور اپنے برادر گرامی حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے اور ماموں ھند ابن ابی ھالہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت حدیث نقل ہے۔ حافظ ذھبی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف سیر اعلام النبلاء میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت نقل کرنے والوں میں حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) ہیں اور دیگر ھاشمی بزرگ الحارث بن نوفل بھی ہیں اس مقام سے یہ چیز واضح ہوئی کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ان حضرات کے روابط قائم تھے اور نقل حدیث میں ان سے استفادہ کرتے تھے اور ان میں بھی کوئی تعارض نہیں تھا بلکہ اکتساب علم کرتے تھے (فوائد نافعہ ج ۲ ص ۱۴۵) آپ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۳ بیان کی گی ہے۔

چنانچہ علامہ سعد الدین تفتا زنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۹۳ھ) لکھتے ہیں وَمَرْوِيَاتُهٗ ثَلَاثَةَ عَشَرَ حَدِيْثًا (شرح اربعین نوویہ ص ۱۱۰) اور چار احادیث کو اصحاب سنن نے بیان کیا ہے جن میں ایک یہ ہے یعنی (۱) آپ کی مرویات میں سے یہ حدیث ہے کہ حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ کلمات یاد کئے دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلَى مَالَا يُرِيْبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِيْنَةٌ وَالْكَذِبَ رِيْبَةٌ (ریاض الصالحین باب الصدق بحوالہ ترمذی)

جو چیز شک میں مبتلا کرنیوالی ہے اس کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرو جس میں شک شبہ نہیں اور یقین جانو کہ سچائی اطمینان والی چیز ہے اور جھوٹ شک میں مبتلا کرنے والی چیز ہے اس حدیث کو ترمزی

نے روایت کیا ہے (۱) حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) بن علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنے ماموں حضرت ہند ابن ھالہ (رضی اللہ عنہ) سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ شریف روایت کیا جس کو امام ترمزی نے شمائل میں اور امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفا میں نقل کیا ہے۔ اور حلیہ شریف میں راقم الحروف نے جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے شرح لکھی ہے جو خدا کے فضل سے شائع کر دی ہے حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل واخلاق اور عادات شریفہ کا ایمان افروز بیان کیا ہے امام ترمذیؒ نے الشمائل میں مختلف مقام پر اس کو ذکر کیا ہے مگر الشفاء میں ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے۔ (۳) دعاء قنوت بھی آپ سے مروی ہے۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ صدقہ کی کھجور لے کر اپنے منہ میں رکھ لی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس میرے منہ سے نکال لیا اس حال میں کہ اس میں میرا لعاب دھن مل چکا تھا۔ وہ اس کو صدقہ کی کھجوروں میں ملا دیا۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ ایک کھجور کی کیا بات تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھانے کھا لینے دیا ہوتا آپ نے فرمایا ہمارے لئے یعنی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے صدقہ حلال نہیں۔ اِنَّا آلُ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۵)۔

صاحب سیر الصحابہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اتنی سی عمر میں براہ راست فیضان نبوی سے زیادہ بہریاب ہونے کا کیا موقع مل سکتا ہے۔ تاہم آپ جس خانوادہ کے چشم و چراغ تھے اور جس باپ کی آغوش میں تربیت پائی تھی وہ علوم مذھبی کا سرچشمہ اور علم وعمل کا مجمع البحرین تھا اس لئے قدرۃً اس آفتاب علم کے پرتو (چمک) سے حضرت حسنؓ بھی مستفید ہوئے۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ میں جو جماعت علم وافتاء کے منصب پر فائز تھی اس میں ایک آپ کی ذات گرامی تھی البتہ آپ کے فتاوی کی تعداد بہت کم ہے (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۳۰)۔ اور آپ

کی مرویات کی تعداد تیرہ بیان کی گئی ہے۔ مذہبی علوم کے علاوہ آپ کو اس زمانہ کے مروجہ فنون میں بھی درک تھا خطابت اور شاعری اس زمانہ کے بڑے کمالات تھے حضرت حسنؓ عرب کے اخطب الخطباء کے فرزند تھے اس لئے خطابت آپ کو ورثہ میں ملی تھی (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۳۱)۔

دعاء قنوت حضرت حسن (رضی اللہ عنہ)

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ کلمات تعلیم فرمائے جنہیں میں نمازِ وتر میں پڑھا کروں وہ کلمات (دعا) یہ ہے اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ، وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ، وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ، فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ، اِنَّهٗ لَا یُذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ، (مشکوۃ بحوالہ ترمذی ابوداود، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)۔

اے اللہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ راہ راست دکھا جنہیں تو نے راہ راست دکھلایا ہے اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ عافیت عطا فرما جنہیں تو نے عطا کی ہے اور مجھے اپنا دوست بنا ان لوگوں کے ساتھ جنہیں تو نے اپنی دوستی کے ساتھ سرفراز کیا ہے اور جو کچھ تو نے عطا کیا ہے اس میں مجھے اپنی قضا کے شر سے بچا کہ بے شک حکم تیرا ہی چلتا ہے تجھ پر کسی کا حکم نہیں چل سکتا واقعہ یہ ہے کہ جسے تو دوست بنائے وہ خوار نہیں ہوسکتا اور جس سے دشمنی کرے اسے عزت نہیں مل سکتی اے ہمارے رب تو بہت برکت والا ہے اور بلند شان والا ہے (اشعۃ اللمعات)۔

حضرت محمد مہدی حضرت حسن مجتبیٰ کی اولاد سے ہوں گے

امام متکلمین علامہ عبد العزیز پڑھاروی لکھتے ہیں اُخْتُلِفَ فِیْ اَنَّ الْمَھْدِیَّ مِنْ اَوْلَادِ الْحَسَنِ اَوِ الْاَوْلَادِ الْحُسَیْنِ وَالرَّاجِحُ۔ اَلْاَوَّلُ کَمَا رَوَاہُ اَبُوْدَاوُدَ : حضرت محمد مہدی کے بارے میں اختلاف کیا گیا کہ وہ حضرت حسن کی اولاد سے ہوں گے یا حضرت حسین کی اولاد سے پہلی بات

زیادہ راجع ہے (کہ آپ حضرت حسن کی اولاد سے ہوں گے) جیسا کہ ابو داود نے روایت کیا ہے۔

ابواسحاق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لخت جگر حسن رضی اللہ عنہ کی طرف نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے جیسا کہ پیغمبر خدا نے بھی اس کو یہی فرمایا تھا، عنقریب اس کی نسل سے ایک شخص ظاہر ہوگا جس کا نام تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے موافق ہوگا، وہ باطنی سیرت یعنی اپنے اخلاق وکردار میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھتا ہوگا گو ظاہری شکل وصورت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم شکل ہیں ہوگا اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ باتیں بیان فرمائیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ وہ شخص زمین پر عدل وانصاف کو پھیلا دے گا۔ (مشکوٰۃ کتاب الفتن بحوالہ ابوداؤد،)

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں ایک خاص نکتہ ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے (اللہ تعالی کی خوشنودی کے لئے) خلافت کو چھوڑ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کی پشت (اولاد) سے ایک ایسا خلیفہ پیدا فرمائے گا کہ ان جیسی کسی کی بھی خلافت نہیں ہوگی۔ (نبراس ص ۵۲۴)۔

بعض نے اس میں یوں تطبیق دی ہے کہ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ والد ماجد کی طرف سے حسنی ہوں گے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حسینی ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ یہ شرف حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر حاصل ہوا ہے۔ کہ ان کی اولاد سے حضرت محمد مہدی دنیا میں تشریف لائیں گے۔

حضرت محمد مہدی کا آنا علامت قیامت ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دنیا اس وقت تک اختتام پذیر نہیں ہوگی جب تک کہ عرب پر ایک شخص قبضہ نہیں کرے گا جو میرے خاندان میں سے

ہوگا اوراس کا نام میرے نام پر ہوگا۔(ترمذی،ابوداؤد)

اورابوداؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔اگر دنیا کے اختتام پذیر ہونے میں صرف ایک دن بھی باقی رہ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس دن کوطویل ودراز کرے گا یہاں تک کہ پروردگار میری نسل میں سے ہوگا یا فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سے اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بھیجے گا جس کا نام میرے نام پر اور جس کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا اور وہ تمام روئے زمین کو(عرب کی سرزمین کو) عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح اس وقت سے پہلے تمام روئے زمین ظلم وجور سے بھری تھی۔(مشکوٰۃ) علامہ علی قاری فرماتے ہیں **فیکون محمد بن عبداللہ فیہ ردعلی الشیعة حیث یقولون المہدی الموعود هو القائم المنتظر وهو محمد بن الحسن العسکری** (مرقاۃ ج۹ صفحہ ۳۵۰)۔پس وہ حضرت مہدی محمد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہوں گے اس میں روافض کا رد کیا گیا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ مہدی موعود وہ قائم منتظر ہیں جن کا نام محمد بن عسکری ہے۔کہ اَہل سنت کے امام مھدی کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا اور روافض کے امام مھدی کا نام محمد بن الحسن العسکری ہے۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا مہدی میری عترت میں سے اور فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہوں گے۔(ابوداؤد)

حضرت ابوسعید حذریؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔مہدی میری اولاد میں سے ہوں گے روشن وکشاد پیشانی اوراونچی ناک والے ہوں گے اور وہ روئے زمین کوانصاف وعدل سے بھر دیں گے جس طرح کہ وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی وہ (یعنی امام مہدی) سات برس تک روئے زمین پر برسر اقتدار اور قابض رہیں گے۔(ابوداؤد)

حضرت سیدنا امام محمد مہدی کا امامت کرانا

حضرت ابوھریرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم (بخاری حدیث ۴۹۱، مسلم ۳۸۵)** کیسے ہوگے تم جب تم میں ابن مریم اسمان سے اترے گے اور تمہارا امام تم میں ہی سے ہوگا۔ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا **لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ، فَيَقُوْلُ: اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا، فَيَقُوْلُ: لَا، اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللهِ هٰذِهِ الْاُمَّةَ** (رواہ مسلم، کتاب الایمان، باب بیان نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام)، میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کے لئے لڑتا رہے گا وہ گروہ قیامت تک (حق پر) غالب رہے گا جب حضرت عیسیٰ بن مریم (آسمان سے) نازل ہوں گے تو مسلمانوں کا امیر حضرت عیسیٰ سے گزارش کرے گا تشریف لائیں اور ہمیں نماز پڑھائیں۔ حضرت عیسیٰ جواب میں فرمائیں گے نہیں تم خود ہی آپس میں ایک دوسرے کے امام ہو۔ یہ اس امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ اعزاز ہے۔

طبرانی نے مرفوعا بیان کیا ہے کہ مہدی التفات کرے گا اور عیسیٰ ابن مریم نازل ہو چکے ہوں گے۔ یوں معلوم ہوگا یا ان کے بالوں سے پانی کے قبرے ٹپک رہے ہیں۔ حضرت مہدی ان سے کہیں گے آگے ہو کر لوگوں کے نماز پڑھا پڑھا دیجئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے نماز تو آپ کے لئے کھڑی کی گئی ہے اور وہ میری اولاد میں سے ایک آدمی (مہدی) کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

ابن حبان کی صحیح میں ہے کہ وہ حضرت مہدی کی امامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نماز ادا کریں گے اور صحیح مرفوع روایت یہ ہے کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو ان کے (اس وقت کے لوگوں

کے)امیر مہدی ہوں کہیں گے ہمیں آ کر نماز پڑھا دیجئے تو وہ جواب دیں گے نہیں اللہ تعالیٰ نے اس امت کے بعض لوگوں کو بعض پر اعزازی طور پر امام بنایا ہے۔(الصواعق المحرقہ)۔

علامہ سعد الدین التفتازانی رحمہ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ثُمَّ الْاَصَحُّ اَنَّهٗ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ وَيَؤُمُّهُمْ وَيَقْتَدِيْ بِهِ الْمَهْدِيُّ لِاَنَّهٗ اَفْضَلُ فَاِمَامَتُهٗ اَوْلٰى۔ (شرح عقائد نسفی مع نبراس ص ۴۴۷)، پھر اصح یہ ہے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے اور ان کی امامت کریں گے اور امام مہدی ان کی اقتداء کریں گے کیونکہ وہ افضل ہیں لہٰذا ان کی امامت اولیٰ ہوگی۔

صحیح پہلی بات قرار دی جاتی ہے کیونکہ وہ حدیثوں سے ثابت ہیں اور دلیل نقلی عقلی دلیل سے مقدم ہے۔افضل الرسل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضرت عبدالرحمن ابن عوف کی اقتداء میں نماز ادا کی تھی (مسلم کتاب الصلوۃ باب تقدیم الجماعۃ) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایام مرض میں حضرت ابوبکر صدیق کی اقتداء میں نماز ادا کی تھی۔اس لئے فاضل کا مفضول کی نماز ادا کرنا جائز ہے۔

حضرت حسن دور نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

سات برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے پھر تیس سال تک اپنے والد گرامی کے ساتھ گزارے پھر چھ ماہ خلیفہ رہے۔اس کے بعد باقی ساری عمر مدینہ منورہ میں رہے اور (وصال کے بعد) بقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔(نبراس ص ۵۱۷)۔

بعض نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۳۰)۔بہر حال آپ (رضی اللہ عنہ) کی عمر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت سات برس ہو یا آٹھ برس اور فضیلتوں کے علاوہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے

کی فضیلت بھی حاصل ہے کہ آپ صحابہ کرام میں سے ہیں اور آپ کی صحابیت کا انکار کرنا بہت بڑی جہالت اور بدبختی ہے۔ تاریخ اور اسماء الرجال کی کتب میں آپ (رضی اللہ عنہ) کے حالات واحوال مختلف طریقوں سے مرقوم ہیں۔ اس لئے نقل روایات میں تکرار بھی ہوگا مگر یہ تکرار بھی لطف سے خالی نہیں ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی وہ کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آئی ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے ناز ونعم سے ان کی پرورش فرمائی۔ کبھی آغوش شفقت میں لئے ہوئے نکلتے، کبھی دوش مبارک پر سوار کئے ہوئے برآمد ہوتے۔ ان کی ادنی ادنی تکلیف پر بے قرار ہوجاتے۔ بغیر حسن (رضی اللہ عنہ) کو دیکھے ہوئے نہ رہا جاتا تھا۔ ان کو دیکھنے کے لئے روزانہ فاطمہ زہراء (رضی اللہ عنہ) کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) اور حسین (رضی اللہ عنہ) بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد مانوس ہوگئے تھے۔ کبھی نماز کی حالت میں پشت پر چڑھ کے بیٹھ جاتے، کبھی رکوع میں ٹانگوں کے درمیان گھس جاتے، کبھی ریش مبارک سے کھیلتے۔ غرض طرح طرح کی شوخیاں کرتے۔ جان نثار نانا نہایت پیار اور محبت سے ان طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے اور کبھی تادیبا بھی نہ جھڑکتے، بلکہ ہنس دیا کرتے تھے۔ (سیر صحابہ ج ۴ ص ۱۸)

حضرت حسن دور صدیقی (رضی اللہ عنہ) میں

اس کے بعد حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) مسند نشین خلافت ہوئے۔ آپ بھی ذات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق کی وجہ سے حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) عصر کی نماز پڑھ کر نکلے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) بھی ساتھ تھے۔ راستہ میں حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے اٹھا کر

کندھے پر بٹھالیا اور فرمانے لگے، قسم ہے یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ ہیں، علی (رضی اللہ عنہ) کے مشابہ نہیں ہیں۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) یہ سن کر ہنسنے لگے (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۱۸ بحوالہ بخاری کتاب المناقب الحسن (رضی اللہ عنہ) والحسین (رضی اللہ عنہ)۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی سب تعظیم کیا کرتے تھے

حضرت عقبہ بن حارث (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) عصر کی نماز پڑھی پھر باہر نکل کر چلے اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) تھے تو حسن کو دیکھا کہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ (حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے) انہیں اپنے کندھے پر اٹھالیا اور فرمایا میرا باپ قربان ہو تم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم شکل ہو، اور (حضرت) علی مسکرا رہے تھے (بخاری، کتاب المناقب باب صفۃ النبی)۔ علامہ عینیؒ نے ان آٹھ افراد کا ذکر کیا ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے ان میں سے حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) بھی ہیں اور مشابہت سے کلی مشابہت نہیں بلکہ جزوی مراد ہے۔ اس حدیث میں حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اور آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کا بیان ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سمجھدار بچے کو کھیلنے کی اجازت ہو اس لئے کہ حضرت حسنؓ اس وقت سات برس کے تھے اور وہ کھیل رہے تھے (عمدۃ القاری ج ۱٦ ص ۱۴۳)۔

حافظ ابن کثیر (رضی اللہ عنہ) لکھتے ہیں **وَقَدْ كَانَ صِدِّيْقُ يُجِلُّهُ وَيُعَظِّمُهُ وَيُكْرِمُهُ وَ يُحِبُّهُ وَيَتَفَدَّهُ وَ كَذَالِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّاب** (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۳۹)۔ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کی بزرگی اور عظمت کے معترف تھے۔ اکرام اور محبت سے پیش آتے تھے اور اپنی جان نچھاور کرتے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کا سلوک بھی ایسا ہی تھا۔ علامہ جار اللہ ابوالقاسم محمد بن عمر زمخشری معتزلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۳۸ھ) نے بغیر کسی حوالہ کے لکھا ہے کہ

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) منبر نبوی پر تشریف فرما تھے کہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) آئے فَقَالَ اَنْزِلْ مِنْ مَجْلِسِ اَبِیْ فَقَالَ مَجْلِسُ اَبِیْكَ وَاللّٰهِ لَا مَجْلِسُ اَبِیْ اور کہا میرے والد کی جگہ سے اترو۔ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا بیشک اللہ کی قسم یہ تمہارے والد کی جگہ ہے میرے باپ کی جگہ نہیں،۔ یہ کہہ کر ان کو گود میں اٹھالیا اور رونے لگے۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا اللہ کی قسم یہ میرے اشارے سے نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا۔ وَاللّٰهِ مَا تُهِمْتُكَ اور اللہ کی قسم میں آپ کو متھم نہیں کرتا (مختصر کتاب الموافقۃ بین اہل البیت والصحابۃ عربی ص ٦٦ اردو ص ٤٠)۔

حضرت حسنؓ اہل بیت میں سے تھے اور فقراء اہل صفہ کے نگران بھی تھے حضرت علی اور جعفر بن ابی طالب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اہل صفہ کے ساتھ کثرت کے ساتھ مجالس کرتے تھے چونکہ اہل صفہ کے ساتھ مجالس کا حکم دیا گیا تھا (حلیۃ الاولیاء)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں وَقَدْ ثَبَتَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ كَانَ یُكْرِمُهُمَا وَیُعْطِیْهُمَا كَمَا یُعْطِیْ اَبَاهُمَا (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۲٦)، اور بیشک یہ بات صحیح ثابت ہے کہ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) دونوں شہزادوں کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ اور ان دونوں کے عطیات دیتے تھے۔ خلفاء راشدین سمیت تمام صحابہ کرام حد درجہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور آپ کے گھرانے کا دل وجان سے احترام کرتے۔ (شان حسن وحسین)

حضرت حسن دور فاروقی (رضی اللہ عنہ) میں

حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے بھی اپنے زمانہ میں دونوں بھائیوں کے ساتھ ایسا ہی محبت آمیز برتاؤ رکھا۔ چنانچہ جب آپ (رضی اللہ عنہ) نے کبار صحابہ کے وظائف مقرر کئے تو گو حضرت حسنؓ اس صف میں نہ آتے تھے، لیکن آپ کا بھی پانچ ہزار ماہانہ مقرر فرمایا (سیر الصحابہ ج ٤ ص ۱۸

بحوالہ فتوح البلدان بلاذری ذکر عطاء عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ)۔

حضرت حسن دور عثمانی (رضی اللہ عنہ) میں

حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) نے بھی اپنے زمانہ میں ایسا ہی شفقت آمیز طرز عمل رکھا۔ صدیقی اور فاروقی دور میں حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) اپنی کمسنی کے باعث کسی کام میں حصہ نہ لے سکتے تھے۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں پورے جوان ہو چکے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ سے آپ کی عملی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے اول طبرستان کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ یہ فوج کشی سعید ابن العاص کی ماتحتی میں ہوئی تھی (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۱۸ بحوالی ابن اثیر ج ۳ ص ۸۴ طبع یورپ)۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کا حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی حفاظت کرنا

اس کے بعد جب حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے خلاف فتنہ اٹھا اور باغیوں نے قصر خلافت کا محاصرہ کرلیا تو حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے اپنے والد بزرگوار کو یہ مشورہ دیا کہ آپ محاصرہ اٹھنے تک کے لئے مدینہ سے باہر چلے جایئے، کیونکہ اگر آپ کی موجودگی میں حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) شہید کر دے گئے تو لوگ آپ کو مطعون کریں گے اور شہادت کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے۔ لیکن باغی حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی نقل وحرکت کی برابر نگرانی کر رہے تھے۔ اس لئے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اس مفید مشورہ پر عمل پیرا نہ ہوسکے۔ (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۱۸ بحوالہ ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۱ طبع یورپ)۔ البتہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔ چنانچہ انہوں نے اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے اس خطرہ کی حالت میں نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ حملہ آوروں کی مدافعت کی، اور باغیوں کو اندر گھسنے سے روکا تھا۔ اس مدافعت میں خود بھی بہت زخمی ہوئے۔ سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا، لیکن حفاظت کی یہ تما

م تدبیریں ناکام ثابت ہوئیں اور باغی چھت پر چڑھ کر اندر گھس گئے اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو شہادت کی خبر ہوئی تو آپ نے جوش غضب میں حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کو طمانچہ مارا کہ تم نے کیسی حفاظت کی کہ باغیوں نے اندر گھس کر حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر ڈالا (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۱۹، **کشف المحجوب فارسی ص ۰۷، تاریخ الخلفاء**)۔ اس واقعہ سے بااسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کتنا احترام کیا کرتے تھے اوراپ کے صاحبزادے حفاظت کے لئے دروازے پر کھڑے رہے۔ سبحان اللہ کیا ہی ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کیا کرتے تھے۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) دور حیدری) میں

حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد مسند خلافت خالی ہوگئ اور مسلمانوں کی نگاہ ء انتخاب حضرت علی (رضی اللہ عنہ) پر پڑی اور انہوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی تو حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے غایت اندیشی سے والد بزرگوار کو مشورہ دیا کہ جب تک تمام ممالک اسلامیہ کے لوگ آپ سے خلافت کی درخواست نہ کریں، اس وقت تک آپ اسے قبول نہ فرمایئے۔ لیکن حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ خلیفہ کا انتخاب صرف مہاجر و انصار کا حق ہے۔ جب وہ کسی کو خلیفہ تسلیم کرلیں تو پھر تمام ممالک اسلامیہ پر اسکی اطاعت واجب ہوجاتی ہے۔ بیعت کے لئے تمام دنیا کے مسلمانوں کے مشورہ کی شرط نہیں ہے اور خلافت قبول کرلی۔ (سیر الصحابہ جلد ۴ ص ۱۹)۔ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو جنگ جمل سے روکا اور فرمایا کہ آپ مدینہ لوٹ جائیں اور کچھ دن کے لئے خانہ نشین ہو جائیں لیکن حضرت علیؓ کی رائے میں مدینہ لوٹ جانا اور خانہ نشین ہوجانا امت کے ساتھ فریب تھا اور اس سے امت اسلامیہ میں مزید افتراق وانشقاق کا اندیشہ تھا اس لئے واپس نہ ہوئے (سیر الصحابہ جلد ۴ ص ۱۹ بحوالہ اخبار

الطوال ص ۱۵۵)۔ جنگ جمل کے بعد جنگ صفین میں بھی اپنے والد کے ساتھ رہے۔ التوائے جنگ پر جو عہد نامہ مرتب ہوا تھا اس میں شاہد تھے (سیر الصحابہ جلد ۴ ص ۱۹ بحوالہ تاریخ مسعودی ج ۴ ص ۲۶۳)۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کا تقویٰ اور ترک دنیا

حافظ ابو العباس احمد قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، وَكَانَ حَلِيْمًاوَّرِعًا فَاضِلًا دَعَاهُ وَرْعُهٗ وَفَضْلُهٗ اِلٰى اَنْ تَرَكَ الْمُلْكَ وَالدُّنْيَا رَغْبَةً فِيْمَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمِمَّا يَدُلُّ عَلٰى صِحَّةِ ذٰلِكَ وَ عَلٰى صِدْقِ النَّبِيِّ وَصِحَّةِ نُبُوَّتِهٖ (المفھم شرح مسلم)۔ کہ حضرت حسن بہت بڑے بردبار، پرہیزگار اور فاضل تھے اور ان کا ورع اور ان کی افضلیت اس بات کی داعی ہوئی کہ بادشاہی اور دنیا کو چھوڑ دیا ان نعمتوں کے شوق میں جو اللہ کے ہاں ہیں اور یہ بات ان کے صحیح ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ (جو انہوں نے خلافت کو امیر معاویہ کے سپرد کر دیا تھا) اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی اور آپ کی نبوت کے سچا ہونے کی بھی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا تھا وہ پورا ہو گیا۔ یہاں یہ بات ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ جب حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے راضی ہوئے تو پھر کسی مسلمان کو بھی حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہرگز بغض اور دشمنی نہیں رکھنی چاہیے۔ جن کے ساتھ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے صلح کی ہے ان کے ساتھ ہر اہل ایمان کو محبت اور صلح رکھنی چاہیے۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی سخاوت

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۹۱۱ھ) تحریر فرماتے ہیں، كَانَ الْحَسَنُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ لَهٗ مُنَاقِبُ كَثِيْرَةٌ سَيِّدًا حَلِيْمًا ذَا سَكِيْنَةٍ وَ وَقَارٍ وَ حَشْمَةٍ جَوَادٍ مَمْدُوْحًا يَكْرَهُ الْفِتَنَ وَالسَّيْفَ تَزَوَّجَ كَثِيْرًا وَكَانَ يُجِيْزُ الرَّجُلَ بِمِائَةٍ (تاریخ الخلفاء ص

۱۵۰)۔حسن (رضی اللہ عنہ) کے مناقب وفضائل بے شمار ہیں آپ (رضی اللہ عنہ) بڑے بردبار، حلیم الطبع، عزت وشان والے پروقار صاحب جاہ وحشم تھے آپ (رضی اللہ عنہ) فتنہ فساد اور خون ریزی کو ناپسند فرماتے تھے آپ (رضی اللہ عنہ) سخاوت میں بے بدل تھے بسا اوقات ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ درہم عطاء فرما دیتے تھے آپ (رضی اللہ عنہ) نے بہت سی شادیاں کیں۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے قانونی مشورہ سے بے گناہ کی جان بچ گئی

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے ایک قانونی مشورہ کا ذکر علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے جو دلچسپ ہے:
ایک شخص کو گرفتار کر کے حضرت علی مرتضیٰؓ کے سامنے لایا گیا۔گرفتاری ایک ویران غیر آباد مقام سے ہوئی تھی گرفتاری کے وقت اسکے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی، یہ کھڑا ہوا تھا اور ایک لاش خاک وخون میں تڑپ رہی تھی۔اس شخص نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے سامنے اقبال جرم کرلیا اور انہوں نے قصاص کا حکم دے دیا۔اتنے میں ایک اور شخص دوڑا دوڑا آیا اور اس نے اقبال جرم کیا۔

حضرت علی المرتضیٰؓ نے ملزم اول سے دریافت کیا کہ تو نے کیوں اقبال جرم کیا تھا؟ اس نے کہا کہ جن حالات میں میری گرفتاری کی گئی تھی، میں نے سمجھا کہ ان حالات کی موجودگی میں میرا انکار کچھ بھی مفید نہ ہوگا۔پوچھا گیا کہ واقعہ کیا ہے؟ اس نے کہا میں قصاب ہوں میں نے جائے وقوع کے قریب ہی بکرا کو ذبح کیا تھا، گوشت کاٹ رہا تھا کہ مجھے پیشاب کا زور پڑا۔میں جائے وقوع کے قریب پیشاب سے فارغ ہوا کہ میری نظر اس لاش پر پڑگئی۔میں اسے دیکھنے کے لئے اسکے قریب پہنچا، دیکھ رہا تھا کہ پولیس نے گرفتار کرلیا۔سب لوگ کہنے لگے کہ یہی شخص اس کا قاتل ہے مجھے یقین ہوگیا کہ ان لوگوں کے بیانات کے سامنے میرے بیان کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا۔اس لئے میں نے اقبال جرم کرلینا ہی بہتر سمجھا۔

اب دوسرے اقبال مجرم سے دریافت فرمایا، اس نے کہا میں اعرابی ہوں، مفلس ہوں، مقتول کو میں

نے بہ طمع مال قتل کیا تھا، اتنے میں مجھے کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی، میں ایک گوشہ میں جا چھپا ۔اتنے میں پولیس آ گئی اس نے پہلے ملزم کو پکڑ لیا۔اب جبکہ اس کے خلاف فیصلہ سنایا گیا تو میرے دل نے مجھے آمادہ کیا کہ میں خود اپنے جرم کا اقبال کروں ۔ یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سیدنا حسنؓ سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا امیر المؤمنین اگر اس شخص نے ایک کو ہلاک کیا ہے تو ایک شخص کی جان بچائی بھی ہے۔ اور اللہ تعالی نے فرمایا ہے **وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا** ۔ (اور جس نے زندہ رکھا اس کو گویا اس نے زندہ رکھا تمام انسانوں کو)۔ حضرت علیؓ نے مشورہ قبول فرمایا۔ دوسرے ملزم کو چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بیت المال سے دلایا (رحمت اللعلمین حصہ ۲ ص ۱۱۳ بحوالہ الطرق الحکمیہ)۔

شہادت حضرت علی (رضی اللہ عنہ)، خلافت حضرت حسن (رضی اللہ عنہما)

حضرت علیؓ کی خلافت کے پانچویں سال پر ابن ملجم نے آپؓ پر حملہ کیا اور اس سے حضرت علیؓ کو کاری زخم لگا اور نقل وحرکت سے معزور ہو گئے ۔ چنانچہ جمعہ کی امامت حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کو تفویض فرمائی ۔حضرت علیؓ کو زخم نہایت کاری تھا۔بعض ساتھیوں نے آپ (رضی اللہ عنہ) سے حضرت حسنؓ کی آئندہ جانشینی اور خلافت کے بارے میں سوال کیا، آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا ، نہ میں حکم دیتا ہوں نہ روکتا ہوں (سیر الصحابہ جلد ۴ ص ۱۹ بحوالہ تاریخ مسعودی ج ۳ ص ۳۶۳)۔ زخمی ہونے کے تیسرے دن حضرت علیؓ جنت الفردوس کو سدھارے۔حضرت حسنینؓ اور جعفرؓ نے غسل دیا۔حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز فجر سے قبل آپ (رضی اللہ عنہ) کا جسد خاکی مقام رحبہ میں جامع مسجد کے متصل سپرد خاک کیا گیا (سیر الصحابہ جلد ۴ ص ۱۹ بحوالہ ص ۳۶۳)۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی بیعت

اور حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد ہوئی تھی اور سب سے پہلے آپ (رضی اللہ عنہ)

کے دست اقدس پر بیعت کرنیوالے قیس بن سعد بن عبادہ جو آذربائیجان کے حاکم تھے (سیرت امیر المومنین ص ۱۷۲) اس کے بعد تمام اہل عراق نے بیعت کی اور رمضان ۴۰ھ میں حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

آپ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے چالیس ہزار تھے اور آپ (رضی اللہ عنہ) نے خلافت کا کام جناب امیر معاویہؓ کو ۵ جمادی الاولی ۴۱ھ سپرد کیا تھا۔ دست برداری کے بعد کوفہ چھوڑ کر مدینۃ الرسول لوٹ گئے اور تاعمر اپنے جد امجد کے جوار میں بسر کردی۔ آپ کی مدت خلافت چھ مہینے سے لیکر سات ماہ تک ہے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ چالیس ہزار سے زیادہ آدمیوں نے حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور وہ سات مہینہ حجاز، یمن، عراق اور خراسان وغیرہ پر حکمران رہے۔ اس کے بعد معاویہؓ شام سے ان کے مقابلہ کو نکلے۔ جب دونوں قریب ہوئے، تو حضرت حسنؓ کو اندازہ ہوا کہ جب تک بہت بڑی تعداد کام نہ آجائے گی اس وقت تک کسی فریق کا غلبہ پانا مشکل ہے۔ اس لئے چند شرائط پر آپ امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوگئے اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ ظاہر ہوگیا کہ میرا یہ لڑکا سید ہے اور خدا اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو فرقوں میں صلح کرائے گا (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۳۵ بحوالہ اللغات نووی ج ۱ ص ۱۵۹)۔

حضرت حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہ) بڑے نرم خو، متحمل مزاج، صلح جو اور امن پسند تھے۔ جنگ وجدل سے آپ کو طبعی نفرت تھی اس لئے صلح پر اتفاق کیا۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) اور حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی صلح

اس صلح کے متعلق حضرت ابوسعید حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) اکے مقابلے میں پہاڑوں کے مثل فوجیں

لے کر آئے تو عمرو بن العاصؓ (حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے مشیر خاص) نے کہا میں تو یہ فوجیں ایسی دیکھ رہا ہوں کہ جب تک اپنے مقابل کو قتل نہ کرلیں گی پیٹھ نہ پھیریں گی یہ سن کر حضرت امیر معاویہؓ نے (جوابا) عمرو بن العاص سے کہاں اور امیر معاویہؓ ان دونوں سے بہتر تھے (وَكَانَ وَاللهِ خَيْرُ الرَّجُلَيْنِ، یہ بطور جملہ معترضہ حسن بصری کا کلام ہے)۔یعنی امیر معاویہؓ اور عمرو بن عاص دونوں میں حضرت امیر معاویہؓ بہتر ہیں۔اس لئے کہ عمرو بن العاصؓ معاویہ کو قتل وقتال کی ترغیب دے رہے تھے کہ خوب جنگ ہو لوگ مارے جائیں بخلاف حضرت امیر معاویہؓ کے۔کہ امیر معاویہ صلح کے خواہشمند تھے تا کہ مسلمانوں کی خونریزی نہ ہو۔حضرت امیر معاویہ نے کہا اے عمرو اگر ان لوگوں نے ان لوگوں کو اور ان لوگوں نے ان لوگوں کو قتل کر دیا (یعنی اگر ہمارے لشکر نے ان کے لشکر کو یا ان کے لشکر نے ہمارے لشکر کو قتل کر دیا) تو لوگوں کے خون کا (عنداللہ) کون ذمہ دار ہوگا اور ان کی عورتوں اور بچوں کی خیر گیری (دیکھ بھال) کرنے والا میرے پاس کون ہوگا پھر امیر معاویہؓ نے قریش کے دو شخص جو بنی عبد الشّمس کی اولاد میں سے تھے۔

(حضرت امیر معاویہ نے) عبدالرحمن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو حضرت امام حسنؓ کے پاس بھیجا اور کہا ان کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے صلح پیش کرو اور ان سے بات کرو اور صلح کی طرف بلاؤ چنانچہ یہ دونوں آئے اور ان کے پاس گئے اور دونوں نے بات کی اور صلح کے طلبگار ہوئے اس پر حضرت امام حسن بن علیؓ نے دونوں سے فرمایا ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔ہم نے (خلافت کی وجہ سے) یہ مال پایا (یعنی روپیہ پیسہ خرچ کرنے کی عادت ہوگئی ہے اگر ہم خلافت چھوڑ دیں تو روپیہ کہاں سے آئے گا) اور یہ جماعت (جو ہمارے ساتھ ہے) خون ریزی پر طاق ہے (یعنی بغیر روپے دیئے ماننے والے نہیں) ان دونوں نے کہا بلاشبہ وہ (امیر معاویہؓ) آپ کی خدمت میں اتنا اور اتنا (مال) پیش کرتے ہیں اور صلح کے طالب ہیں آپ سے صلح کی درخواست کرتے

ہیں۔حضرت حسنؓ نے فرمایا اس کا کون ذمہ دار ہوگا؟ امام حسن (رضی اللہ عنہ) جو بھی سوال کرتے یہ دونوں یہی کہتے ہم لوگ آپ کے لئے اس کے ذمہ دار ہیں تو حضرت امام حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح کر لی۔

حضرت حسن بصریؒ نے کہا میں نے حضرت ابوبکرہؓ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر دیکھا اور حضرت حسن بن علیؓ آپ کے پہلو میں تھے آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی امام حسنؓ کی طرف اور فرماتے ۔اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (بخاری کتاب الصلح حدیث نمبر ۲۷۰۴) (بخاری ،کتاب الفتن)۔میرا یہ بیٹا سید ہے (یعنی مسلمانوں کا سردار ہے) اور اللہ تعالی اسکے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔(عبدالرحمن بن سمرہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے ،عبداللہ بن عامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت ۱۲ برس کے تھے)۔اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ مال لے کر خلافت سے دستبردار ہونا اور صلح کرنا جائز ہے اور یہ مال حلال اور طیب ہے (نعمۃ الباری ج ۵ ص ۵۳۳)

حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے حضرت حسن کو تین لاکھ روپئے ایک ہزار کپڑے تیس غلام اور ایک سو اونٹ دیئے۔حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ چلے گئے۔(نعمۃ الباری ج ۵ ص ۵۳۳)۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) خلیفہ چنے گئے ،حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے بیعت نہیں کی ،آپ لشکر جرار لے کر ان کو رام کرن کے لئے روانہ ہوئے ،حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) بھی ویسا ہی لشکر لے کر مقابلہ کے لئے آئے جب حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے دونوں طرف دو بڑے لشکر دیکھے تو انہوں نے مصلحت یہ سمجھی کہ

خلافت سے دستبردار ہوجائیں تا کہ مسلمانوں کا خون نہ بہے، چنانچہ چھ ماہ کے بعد آپ حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے، اور نبی ﷺ کی پیشینگوئی پوری ہوئی۔ (تحفة القاری)۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی دستبرداری کے موقع پر خطبہ

جب صلح طے پا گئی تو حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ لوگوں کے ایک مجمع میں تقریر کریں اور انہیں بتائیں کہ میں نے معاویہ کی بیعت کر کے خلافت ان کے سپر کر دی ہے۔ تو آپ (رضی اللہ عنہ) کو اس بات کو قبول کرتے ہوئے منبر پر چڑھ کر حمد وثناء الٰہی اور رسول کریم ﷺ پر درود پڑھنے کے بعد اور فرمایا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ أَكْيَسَ الْكَيِّسِ التُّقَى وَإِنَّ أَحْمَقَ الْحُمْقِ الْفُجُورُ لوگو! سب سے بڑی دانائی تقویٰ اور سب سے بڑی حماقت فسق وفجور ہے پھر فرمایا آپ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے نانا ﷺ کے ذریعے ہدایت دی۔ ذلالت سے بچایا۔ جہالت سے نجات دی۔ ذلت کے بعد عزت دی اور قلت کے بعد تم کو کثرت بخشی۔ امیر معاویہ نے مجھ سے حق کے متعلق جھگڑا کیا تھا۔ اور وہ میرا حق ہے۔ ان کا حق نہیں۔ اور آپ لوگوں نے اس شرط پر میری بیعت کی ہے۔ کہ جو مجھ سے صلح کرے گا تم اس سے صلح کرو گے۔ اور جو مجھ سے جنگ کرے گا تم اس سے جنگ کرو گے۔ میں نے اصلاح امت اور فتنہ کو اور رفع کرنے کی خاطر حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے مصالحت کو پسند کیا ہے۔ اور میں اس جنگ کو بھی ختم کرنے کا اعلان کرتا ہوں جو میرے اور ان کے درمیان برپا ہے اور میں نے ان کی بیعت بھی کر لی ہے۔ وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ (سورہ الانبیاء ۱۱۱)۔ ترجمہ: میں نہیں جانتا کہ شاید یہ صلح تمہارے لئے ایک فتنے کا باعث اور ایک وقت تک کے لئے فائدے کا موجب بن جائے۔ مگر میں نے صرف آپ کی اصلاح اور بقاء چاہی ہے۔ اور

جس بات سے اس صلح پر آپ کا شرح صدر ہوا وہ حضرت حسنؓ کے حق میں حضور ﷺ کے ایک قولی معجزے کا ظہور ہے۔ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرا یہ سردار بیٹا ہے۔ جس کے ذریعے اللہ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں عنقریب صلح کروائے گا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے (الصواعق المحرقۃ)

حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) پر طعنہ کشی حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) پر طعنہ زنی ہے

حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) نے خلافت حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کر دی تو آپ (رضی اللہ عنہ) خلیفہ ہو گئے چنانچہ امام اہل سنت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ (۱۳۴۱ھ) فرماتے ہیں، یعنی خلافت واقعہ تحکیم کے بعد حضرت امیر معاویہ کے لئے راست آئی، رہا اہل حق کے نزدیک تو ان کے لئے خلافت کا راست آنا اس دن سے ہوا جب سیدنا حسن مجتبی صلی اللہ تعالیٰ عَلٰی جَدِّہِ الْکَرِیْمِ وَاَبِیْہِ وَعَلٰی اُمِّہٖ وَاَخِیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت امیر معاویہؓ سے صلح فرمائی اور وہ صلح جلیل وجمیل ہے جس کی امید رسول اللہ نے کی اور اس صلح کو سیدنا حسن (رضی اللہ عنہ) کی سیادت سے قرار دیا، اس لئے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں صحیح حدیث میں جو جامع صحیح بخاری میں مروی ہے۔ میرا یہ بیٹا سید ہے شاید اللہ اسکے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح فرمادے۔ اور اسی سے ظاہر ہوا کہ امیر معاویہ پر طعنہ کشی امام حسن (رضی اللہ عنہ) پر طعنہ زنی ہے۔ بلکہ ان کے جد کریم حضرت محمد ﷺ پر طعنہ ہے بلکہ یہ ان کے خدا عزوجل پر طعن کرنا ہے۔ اس لئے کہ مسلمانوں کی باگیں ایسے کو سونپ دینا جو طعنہ زنوں کے نزدیک ایسا ایسا ہے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت ہے۔ اور معاذ اللہ (ان کے طور پر) یہ لازم آتا ہے کہ اس خیانت کا ارتکاب امام حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہ) نے کیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو پسند کیا۔ حالانکہ وہ تو اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے جو کچھ وہ بولتے ہیں وہ وحی ہے جو انہیں خدا کی طرف سے آتی ہے تو

اس تقریر کو یاد رکھو اس کیلئے نافع ہے جس کی ہدایت کا اللہ نے ارادہ فرمایا۔(حاشیہ المعتقد المنتقد اردو ص ۲۸۷)۔

دراصل یہ صلح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی تکمیل بھی تھی جو آپ نے فرمایا تھا کہ میرا بیٹا سید ہے عنقریب اللہ تعالی ان کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں مصالحت کر دے گا (بخاری)۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ ؓ کی دونوں جماعتیں مسلمان تھیں

اس واقعہ صلح میں ان خوارج کا رد ہے جو حضرت علی المرتضیٰؓ اور آپ کے ساتھیوں کی نیز حضرت امیر معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کی کفر کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس شہادت کے اعتبار سے یہ دونوں گروہ مسلمانوں میں سے ہیں۔

مفتی احمد یار خان نعیمیؒ فرماتے ہیں،اور اس فرمان عالی میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد اور امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کے زمانہ میں پیش آیا کہ آپ کے ہاتھ پر چالیس ہزار آدمیوں نے موت پر بیعت کر لی تھی۔قلت اور ڈر سے آپ پاک تھے۔امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے جنگ کی تیاری تھی کہ آپ نے امیر معاویہ کے حق میں سلطنت سے دست برداری کر لی۔آپ کے بعض ساتھیوں پر یہ بات بہت گراں گذری حتی کہ کسی نے آپ سے کہا اے مسلمانوں کی عار! آپ نے فرمایا کہ عار نار سے بہتر ہے۔صرف اس خیال سے آپ نے یہ کام کیا کہ نانا جان کی امت میں قتل وخون نہ ہو۔ان دونوں جماعتوں کو مسلمان فرمانے میں یہ بتایا گیا کہ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور امام حسن (رضی اللہ عنہ) دونوں اور ان دونوں کی جماعتیں مسلمان ہوں گی۔ بغاوت اسلام سے نہیں نکال دیتی (مراۃ شرح مشکوۃ ، ۸:۶۱ ۴)۔

خلافت سے دست برداری کے بعد حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) مع اپنے اہل بیت اور جملہ

متعلقین کے مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ اہل کوفہ تھوڑی دیر تک روتے ہوئے پہنچے۔ حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) تاحیات مدینہ منورہ ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ آپ انتقال فرما گئے (ابن خلدون)۔

حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کی صلح کے فوائد

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (متوفی ۸۵۲ھ) شرح بخاری شریف میں لکھتے ہیں، وَفِيْ هٰذِهِ الْقِصَّةِ مِنَ الْفَوَائِدِ عَلَمٌ مِّنْ اَعْلَامِ النُّبُوَّةِ وَمَنْقَبَةٌ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ، فَاِنَّهُ تَرَكَ الْمُلْكَ لاَ لِقِلَّةٍ وَلاَ لِذِلَّةٍ وَلاَ لِعِلَّةٍ بَلْ لِرَغْبَتِهٖ فِيْمَا عِنْدَ اللهِ لِمَا رَاٰهُ مِنْ حَقْنِ دِمَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ فَرَاعَى اَمْرَ الدِّيْنَ وَمَصْلِحَةَ الْاُمَّةِ وَفِيْهَا رَدٌّ عَلَى الْخَوَارِجِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُكَفِّرُوْنَ عَلِيًّا رضی اللہ عنہ وَّمَنْ مَّعَهٗ وَمَعَاوِيَةَ وَمَنْ مَّعَهٗ بِشَهَادَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم لِطَائِفَتَيْنِ بِاَنَّهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (فتح الباری شرح بخاری ج۱۶ ص ۸۳)۔ اس واقعہ صلح میں بہت سے فوائد ہیں۔ یہ صلح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت نبوت کے دلائل و براہین کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے اور پھر جس طرح آنجناب نے ارشاد فرمایا تھا واقع میں اس طرح پایا گیا۔ (کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعطائے خداوندی مستقبل میں پیش آنے والے حوادث کو جانتے تھے)۔

اور سیدنا حسنؓ کی اس میں عظیم منقبت ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے حکومت وامارت کو کسی قلت، ذلت یا علت کی بناء پر نہیں چھوڑا بلکہ اپنے منصب خلافت کو ترک کیا اور انہوں نے امر دین کی رعایت کرتے ہوئے امت کی مصلحت کو پیش نظر رکھا۔ اس میں خارجیوں کا رد ہے جو حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھیوں کو کافر کہتے تھے۔ اور حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) اور ان کے ساتھیوں کو بھی کافر گردانتے تھے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں گروہوں کے بارے میں گواہی دی

کہ وہ مسلمان ہیں۔

صلح کی فضیلت

جب دو مسلمان یا دو جماعتیں آپس میں اختلاف کریں یا باہم جھگڑنے لگیں تو ان دونوں میں صلح کرانا بڑے ثواب کا باعث ہے اور جو صلح کرے، مفاھمت اور مصالحت میں پیش قدمی کرے تو یہ بھی بڑے اجر کا کام ہے یہ صلح جو حضرت امام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان ہوئی اس میں دونوں امت کے اتفاق اور اتحاد جان و مال کی حفاظت کے لئے تیار ہو گئے تھے اور دونوں چاہتے تھے کہ امت مسلمہ خونریزی سے بچ جائے تو آخر ایسا ہوا کہ حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد مسلمان آپس میں لڑتے رہے اور خون بہاتے رہے پھر حضرت امام حسنؓ کی صلح سے یہ خونریزی کا سلسلہ ختم ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی پوری ہوگئی۔

کتاب وسنت میں صلح کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے اللہ تعالی فرماتا ہے لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوٰهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ (سورہ نساء آیت ۱۱۴)۔ترجمہ: عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں خیر نہیں ہوتی مگر وہ لوگ جو کہ خیرات کی اور کسی نیک کام یا لوگوں میں باہم صلح کرانے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (سورہ نساء ۱۲۸)۔ترجمہ: اور صلح ہر طرح بہتر ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (سورہ انفال ۱)۔ترجمہ: تم اللہ تعالی سے ڈرو اور اپنے باہمی تعلقات کی صلح کرو (نزاع ترک کرو اور باہم الفت ومحبت پیدا کرو)۔

ایک اور جگہ اللہ تعالی فرماتا ہے إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ (سورہ حجرات ۱۰)۔ترجمہ: ایماندار آپس میں بھائی ہیں سو اپنے بھائیوں میں (نزاع کی صورت میں) صلح کرادیا کرو۔صلح کرانے والا اور صلح اور اصلاح کی کوشش کرنے والا کذاب نہیں ہوتا بلکہ قابل تحسین

ہے چنانچہ حضرت اُم کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے جھوٹا وہ شخص نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے اور بھلائی کی بات آگے پہنچاتا ہے یا بھلائی کی بات کہتا ہے (بخاری و مسلم) کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اُم کلثومؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان باتوں میں سے کسی بات میں کذب کی رخصت دیتے نہیں دیکھا جن میں لوگ اجازت سمجھتے ہیں سوائے تین باتوں کے، لڑائی کے متعلق لوگوں کے درمیان صلح کراتے ہیں اور مردوں کی اپنی بیوی سے اور عورت کو اپنے خاوند کے ساتھ گفتگو میں ۔(ریاض الصالحین)۔

معلوم ہوا کہ صلح کرنا اور صلح کرانا بڑی نیکی اور امن وسلامتی کا کام ہے اس لئے حضرت امام حسنؓ نے صلح کر کے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کیا اور صلح پر تا زندگی قائم و دائم رہے کیونکہ یہ صلح اخلاص ومحبت والی تھی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کسی کمزوری کی بنا پر نہیں چھوڑی تھی

علامہ ابن حجر مکی (متوفی ۹۷۴ھ) لکھتے ہیں **وَكَانَ مَعَهُ مِنَ الْعَدَدِ وَالْعَدَدُ مَا يُقَاوِمُ مَنْ مَعَهُ مُعَاوِيَةَ فَلَمْ يَكُنْ نَزُوْلُهُ عَنِ الْخَلَافَةِ وَتَسْلِيْمُهُ الْاَمْرُ لِمُعَاوِيَةَ اِضْطِرَارِيًّا بَلْ كَانَ اِخْتِيَارِيًّا كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ مَا مَرَّ فِيْ قِصَّةِ نَزُوْلِهِ مِنْ اَنَّهُ اِشْتَرَطَ عَلَيْهِ شُرُوْطًا كَثِيْرَةً فَالْتَزَمَهَا وَوَفَّى لَهُ بِهَا** (الصواعق ص ۳۰۹)۔

اور حضرت حسن کے ساتھ اتنے آدمی تھے جن سے حضرت امیر معاویہ کے ساتھیوں کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا آپ کی خلافت سے علیحدگی اور اُسے حضرت امیر معاویہ کے سپرد کرنا اضطراری (مجبوری کی بنا پر) نہیں تھا بلکہ اختیاری تھا جیسا کہ خلافت سے دستبرداری کا واقعہ اس پر دلالت کرتا ہے اور حضرت امام حسنؓ نے صلح کے موقع پر بہت شرطیں لگائیں تھیں جنکی حضرت امیر معاویہؓ نے پابندی

(پاسداری) کی اور انہیں پورا کیا۔ اس میں ان مورخین کا ردّ ہے جو کہتے ہیں حضرت امیر معاویہؓ نے کوئی بھی شرط پوری نہیں کی تھی۔ (الصواعق المحرقۃ ص ۲۱۷)

بعض ظاہر بینوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ حضرت حسنؓ نے اپنی فوج کی کمزوری سے مجبور ہو کر امیر معاویہؓ سے صلح کر لی اور کچھ واقعات بھی اس خیال کی تائید میں مل جاتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ نے یہ جلیل القدر منصب محض مسلمانوں کی خونریزی سے بچنے کے لئے ترک کیا۔ گویا صحیح ہے کہ جس فوج کو لے کر آپ مقابلہ کے لئے نکلے تھے اس میں کچھ منافق بھی تھے۔ جنہوں نے عین موقع پر کمزوری دکھائی۔ مگر اسی فوج میں بہت سے خارجی العقیدہ بھی تھے جو آپ کی حمایت میں امیر معاویہؓ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب انہوں نے مصالحت کا رنگ دیکھا تو آپ کی تکفیر کرنے لگے (سیر الصحابہ جلد ۴ ص ۱۳۴ بحوالہ اخبار الطوال ص ۲۳۰)۔

خود عراق میں چالیس بیالیس ہزار کوفی جنہوں نے آپ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی آپ کے ایک اشارہ پر سر کٹانے کے لئے تیار تھے (سیر الصحابہ جلد ۴ ص ۳۴ بحوالہ ابن عساکر جلد ۲ ص ۲۱۹)۔ عراق تو عراق سارا عرب آپ (رضی اللہ عنہ) کے قبضہ میں تھا۔ مصالحت وغیرہ کے بعد ایک مرتبہ بعض لوگوں نے آپ (رضی اللہ عنہ) کو خلافت کی خواہش سے مہتم کیا۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ عرب کے سر میرے قبضہ میں تھے، جس سے میں صلح کرتا، اس سے وہ بھی صلح کرتے اور جس سے میں جنگ کرتا، اس سے وہ بھی لڑتے۔ لیکن اس کے باوجود میں نے خلافت کو خاصۃ للہ اور امت کی خونریزی سے بچنے کے لئے چھوڑا (سیر الصحابہ جلد ۴ ص ۳۵ بحوالہ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۷)۔

خود آپ (رضی اللہ عنہ) کی فوج میں ان چند منافقوں کے علاوہ جنہوں نے بعض مخفی اثرات سے عین وقت پر دھوکا دیا تھا باقی پوری فوج کٹنے پر آمادہ تھی۔ ابو عریق راوی ہیں کہ ہم ہزار آدمی حضرت

حسنؓ کے مقدمۃ الجیش میں کٹنے اور مرنے کے لئے تیار تھے۔ اور شامیوں کی خون آشامی کے لئے ہماری تلواروں کی دھاروں سے خون ٹپک رہا تھا۔ جب ہم لوگوں کو صلح کی خبر معلوم ہوئی تو شدت غضب ورنج سے معلوم ہوتا تھا کہ ہماری کمر ٹوٹ گئی۔

صلح کے بعد جب حسنؓ کوفہ آئے تو ہماری جماعت کے ایک شخص ابو عامر سفیان نے غصہ میں کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِيْنَ (مسلمانوں کے رسوا کرنے والے السلام علیک) اس طنزیہ اور گستاخانہ سلام پر اس صبر وتحمل کے پیکر نے جواب دیا ابو عامر ایسا نہ کہو میں نے مسلمانوں کو رسوا نہیں کیا البتہ ملک گیری کی ہوس میں مسلمانوں کی خونریزی پسند نہیں کی (سیر الصحابہ جلد ۴ ص ۳۵ بحوالہ استیعاب جلد ا ص ۴۳۳ اور مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ حسین)۔

شیعان علیؓ اس صلح کو جس نظر سے دیکھتے تھے اور اسکے بارے میں ان کے جو جذبات تھے ان کا اندازہ ان خطبات سے ہوسکتا ہے جس سے وہ اس سردار خلد برین کو مخاطب کرتے تھے۔ مذلل المومنین مسلمانوں کو رسوا کرنے والے، **مسود وجوہ المسلمین** مسلمانوں کو رو سیاہ کرنے والے، عار المومنیین ننگ مسلمین یہ وہ خطبات تھے، جن سے حضرت حسنؓ کو خطاب کیا جاتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ صلح اور دستبرداری کو کس درجہ ناپسند کرتے تھے

حضرت حسن صلح اور امن پسند تھے

واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسنؓ ایسے امن پسند، صلح جو، نرم خو تھے کہ انہوں نے اول یوم ہی سے ارداہ کرلیا تھا کہ اگر بلا کسی خونریزی کے انہیں ان کی جگہ مل گئی تو لے لیں گے ورنہ اس کے لئے مسلمانوں کا خون نہ بہائیں گے۔ طبری کا بیان ہے کہ حسنؓ کے ساتھ چالیس ہزار آدمی تھے لیکن آپ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ آپ (رضی اللہ عنہ) کا خیال تھا کہ امیر معاویہؓ سے کچھ مقرر کرا کے دستبردار ہوجائیں۔ چنانچہ جس وقت آپ نے عراقیوں سے بیعت لی تھی اسی وقت اس عزم کا

اشارۃً ظاہر فرما دیا تھا۔ زہری لکھتے ہیں کہ امام حسنؓ نے اہل عراق سے بیعت لیتے وقت یہ شرط کر لی طے تھی کہ تم کو پورے طور سے میری اطاعت کرنی ہوگی، یعنی جس سے میں لڑوں گا اس سے لڑنا ہوگا اور جس سے صلح کروں گا اس سے صلح کرنی پڑے گی۔ اس شرط سے عراقی اسی وقت کھٹک گئے تھے کہ آپ آئندہ جنگ وجدال ختم کر دیں گے۔ چنانچہ اسی وقت ان لوگوں نے آپس میں کہا تھا کہ ہمارے کام کے آدمی نہیں اور لڑنا نہیں چاہتے اس کے چند روز بعد آپ کو زخمی کر دیا گیا (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۳۶)۔

حضرت حسنؓ نے اپنے گھر والوں پر بھی یہ خیال ظاہر فرما دیا تھا۔ ابن جعفر کا بیان ہے کہ صلح سے قبل میں ایک دن حسنؓ کے پاس بیٹھا تھا۔ جب چلنے کے ارداہ سے اٹھا تو انہوں نے میرا دامن کھینچ کر بٹھا لیا اور کہا کہ میں نے ایک رائے قائم کی ہے امید ہے تم بھی اس سے اتفاق کرو گے۔ ابن جعفر نے پوچھا کونسی رائے ہے؟ فرمایا میں خلافت سے دستبردار ہو کر مدینہ جانا چاہتا ہوں، کیونکہ فتنہ برابر بڑھتا جاتا ہے۔ خون کی ندیاں بہہ چکی ہیں، عزیز کو عزیز کا پاس نہیں ہے، قطع رحم کی گرم بازاری ہے، راستے خطرناک ہو رہے ہیں۔ سرحدیں بے کار ہو گئی ہیں۔ ابن جعفر نے جواب دیا، خدا آپ کو امت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیر خواہی کے صلہ میں جزائے خیر دے۔

اس کے بعد آپ نے حسینؓ کے سامنے یہ رائے ظاہر کی۔ انہوں نے کہا، خدارا علیؓ کو قبر میں جھٹلا کر معاویہؓ کی سچائی کا اعتراف نہ کیجئے۔ آپ نے یہ سن کر حسینؓ کو ڈانٹا کہ تم شروع سے آخر تک برابر میری ہر رائے کی مخالفت کرتے چلے آ رہے ہو۔ خدا کی قسم میں طے کر چکا ہوں کہ تم کو فاطمہؓ کے گھر میں بند کر کے اپنا ارداہ پورا کروں گا۔ حسینؓ نے بھائی کا لہجہ درشت دیکھا تو عرض کیا۔ آپ علیؓ کی اولاد اکبر اور میرے خلیفہ ہیں، جو رائے آپ کی ہوگی وہی میری ہوگی۔ جیسا مناسب سمجھیں کیجئے۔

اس کے بعد آپ (رضی اللہ عنہ) نے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ ان واقعات سے معلوم ہو گیا ہوگا

کہ خلافت سے دستبرداری میں فوج کی کمزوری وغیرہ کا چنداں سوال نہ تھا۔ بلکہ چونکہ آپ (رضی اللہ عنہ) کو اس کا یقین ہو گیا تھا کہ بغیر ہزاروں مسلمانوں کے خاک وخون میں تڑپے کوئی فیصلہ نہیں ہوسکتا، اور جنگ جمل سے لے کر برابر مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہتی چلی آ رہی ہیں۔ اس لئے آپ (رضی اللہ عنہ) نے اسے روکنے کے لئے خلافت کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی عزلت نشینی اختیار فرمائی۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنِ الْمُسْلِمِينَ خَيْرَ الْجَزَاءِ۔ (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۳۷)

صلح سے کون ناخوش تھے؟

جب خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کی گئی تو وہ کوفہ داخل ہوئے اور لوگوں سے خطاب کیا اور تمام اطراف اور صوبوں کا ان کے ہاتھ پر اتحاد ہو گیا۔ قیس بن سعد جو عرب کے نہایت فطین لوگوں میں سے ایک تھے۔ حضرت معاویہؓ کی طرف آئے جبکہ پہلے وہ مخالفت کا عزم کر چکے تھے اس طرح اس سال حضرت معاویہ کی بیعت پر سب کا اجتماع اور اتحاد ہو گیا حضرت حسن بن علیؓ سرزمین عراق سے مدینہ منورہ چلے گئے ان کے ساتھ ان کے بھائی سیدنا حسین ؓ اور دوسرے بھائی اور ان کے بھتیجے عبداللہ بن جعفر بھی تھے اس کے بعد وہ جب شیعوں کے کسی محلہ سے گزرتے تو وہ ان کے اس فعل یعنی خلافت معاویہؓ کو سپرد کرنے پر طعن وتشنیع اور سخت ملامت کرتے۔ بے شک حضرت حسنؓ اس معاملہ میں نیکوکار ھدایت یافتہ اور قابل ستائش تھے انہوں نے بھی طعنے سننے میں تنگی ملامت یا ندامت محسوس نہ کی بلکہ وہ اس پر راضی اور خوش تھے اگرچہ اس سے ان کے معتقدین اہل خانہ اور ان کے حامیوں کی ایک جماعت کو سخت ناگواری ہوئی اس کے بعد خصوصا آج کے دن تک یہ سلسلہ پھیلتا رہا ہے اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ اتباع سنت کی جائے اور ان کی تعریف کی جائے کیونکہ انہوں نے مسلمانوں کو قتل وغارت سے بچایا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس امر (صلح) پر ان کی تعریف کی۔ معلوم ہوا کہ حضرت حسنؓ کی صلح سے روافض وروافض ناخوش وناراض ہیں مگر حضرت

حسنؓ نے ان کی پرواہ نہیں کی بلکہ حق کی پیروی کی اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا کیا جو سب سے اعلی کارنامہ تھا۔ آپ پر اللہ تعالی کی طرف سے لاتعداد و لامحدود رحمتیں نازل ہوں۔

اپنی زبانوں کو بدگوئی سے بچانا چاہیئے

لھذا ہمیں چاہیئے کہ حضرت معاویہؓ کو لعن طعن اور مورد الزام ٹھہرانے کی بجائے خلیفہ (بادشاہ) برحق مانتے ہوئے تعظیم و تکریم اور اچھے طریقہ سے یاد کریں۔

اور اس آیت مبارکہ پر عمل کریں چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ. لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلاَ تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سورہ بقرہ ۱۴۱)۔

ترجمہ: اس امت کا عمل ان کے ساتھ گیا گزرا اور تمہارا عمل تمہارے ساتھ ہے۔ اور ان کے اعمال کے متعلق تم سے کوئی سوال نہ ہوگا۔

علامہ علی قاری حنفیؒ (متوفی ۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں، وَاخْتَارَ السَّلْفُ تَرْكَ الْكَلاَمِ فِي الْفِتْنَةِ الْاُوْلٰى وَقَالُوْا تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللهُ عَنْهَا اَيْدِيْنَا فَلاَ نُلَوِّثُ بِهَا اَلْسِنَتِنَا (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۹۹) سلف نے پہلے فتنہ میں بات نہ کرنے اور تبصرہ نہ کرنے کو اختیار کیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ جن کے خون سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ نے پاک رکھا ہے تو ہم اپنی زبانوں کو ان کے ساتھ نہ ملوث کریں۔

خالد بن یزید بشرؒ نے اپنے والد سے روایت کی کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ اور جنگ جمل و صفین کو اور اس واقعہ کو جوان لوگوں کے درمیان ہوا پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ وہ خون ہیں جن سے اللہ نے میرا ہاتھ روک دیا میں ناپسند کرتا ہوں کہ اپنی زبان کو اس میں آلودہ کروں۔ فَقَالَ تِلْكَ دِمَاءٌ كَفَّ اللهُ يَدِي عَنْهَا وَاَنَا اَكْرَهُ اَنْ اَغْمِسَ لِسَانِيْ

فِيهَا (طبقات ابن سعد اردو ج ۵ ص ۲۹۷، طبقات الکبری ج ۵ ص ۳۰۷)۔
یقین جانیں کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کی برائی کرنے سے حضرت علی اور حسنین شریفین کی شان وفضیلت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور نہ یہ حضرات روافض کی بیہودہ حرکات سے خوش ہوتے ہیں اس لئے ان کے ذکر سے خاموشی اور سکوت میں بھلائی ہے۔

عراق سے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف روانگی

حضرت سیدنا حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جب تاریخی صلح ہوگئی اور ایک عظیم اور بڑا انتشار اہل اسلام میں ختم ہوگیا تو دونوں حضرات اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ اپنے مراکز کی طرف روانہ ہوگئے۔
ابن کثیرؒ لکھتے ہیں، حضرت حسنؓ اپنے برادر سیدنا حسین بن علیؓ کے سمیت اپنے دیگر بھائیوں اور چچازاد برادر حضرت عبداللہ بن جعفر کی معیت میں ارض عراق (کوفہ) سے مدینۃ النبی کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں جب یہ حضرات اپنے شیعوں (ساتھیوں) اور حامی قبائل کے پاس سے گزرتے تو بعض لوگ سیدنا حسنؓ کو امیر معاویہؓ کے لئے خلافت سپرد کردینے پر عار دلاتے ملامت کرتے اور سخت الفاظ سے یاد کرتے تھے حالانکہ سیدنا حسنؓ درست معاملہ کرنے والے نیک نیت شخص تھے اور وہ ان لوگوں کے برے رویہ سے اپنے اندر کوئی کمزوری محسوس نہیں کرتے تھے بلکہ وہ اپنے اس مصالحت کے فعل پر شرح صدر خوش اور مطمئن تھے اور انہوں نے وقتی تقاضوں کے درمیان درست فیصلہ کرکے یہ صورت اختیار کی تھی۔ (فوائد نافع حصہ دوم)۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ذریعہ معاش

حضرت حسنؓ کی معاش کے احوال ابتداء سے عمدہ تھے۔حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب صحابہ کرام کے وظائف مقرر کئے گئے تھے تو حضرت علی المرتضی کا وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوا تھا اور اس وقت آپ کے فرزندان سیدنا حسن اور حسین کے وظائف بھی قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لحاظ کرتے ہوئے پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئے تھے۔اور اسی طرح حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں بھی ان حضرات کے وظائف کامل طور پر ادا کئے جاتے رہے ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔پھر حضرت علی المرتضی خود خلیفہ منتخب ہوئے انہوں نے بھی ان حضرات کے ادائے وظائف میں کوئی تبدیلی نہیں فرمائی۔(فوائد نافع حصہ دوم ص ۱۲۴)۔

حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے عطیات اور وظائف

حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد جناب حسنؓ مدت العمر مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے ان حضرات کے لئے جو وظائف مقرر تھے وہ انہیں ۴۱ھ سے تا مدت العمر با قاعدگی سے موصول ہوتے رہے۔اور اس معاملہ میں کوئی ناغہ نہیں ہوا اور کوتاہی نہیں ہوئی۔ابن عساکر نے اپنی مشہور تاریخ دمشق (تذکرہ سیدنا حسنؓ) میں عطیات کا واقعہ درج کرتے ہوئے پہلے وقتی عطیہ (چار لاکھ درہم) کا ذکر کیا ہے۔اس کے بعد مبرد کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت حسنؓ ہر سال امیر معاویہؓ کی خدمت میں پہنچتے تھے اور امیر معاویہؓ ان کو ایک لاکھ درہم سالانہ عنایت کرتے تھے(فوائد نافعہ حصہ دوم ص ۱۲۶)۔

معلوم ہوا کہ حضرت حسنؓ اسودہ حال تھے اور معاشی اعتبار سے کسی قسم کی پریشانی نہیں تھی نیز یہ بھی معلوم ہوا حسنین کریمین اور حضرت معاویہؓ کے آپس میں بڑے خوش گوار تعلقات تھے۔خلفاء راشدین حضرت امیر معاویہؓ اور دیگر صحابہ کرام سب خاندان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام کرتے تھے

اور ان کی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ اہل بیت وصحابہ سب اس آیت کا مصداق تھے رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ آپس میں مہربان تھے۔

فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (سورہ آل عمران ۱۰۳)۔تم اسکے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے تھے۔ آیات وروایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ الزام کذب بیانی ہے کہ دور حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) میں حضرت علیؓ اور دیگر خاندان اہل بیت کو سب وشتم کیا جاتا تھا۔ اس قسم کی باتیں لکھنے اور بیان کرنے والے روافض وخوارج تھے جو مسلمانوں میں انتشار پھیلاتے ہیں یہ ایک ایسی غلط فہمی جس کے دور کرنے کے لئے کتاب تحفہ جعفریہ اور رحماء بینھم کا مطالعہ کیجئے تاکہ اصل حقیقت واضح ہوجائے۔

خیال رہے حضرت حسنین کریمین (رضی اللہ عنہما) دونوں کو جو سالانا وظائف بکثرت دئے جاتے تھے ان کا لینا ان حضرات کا لینا درست تھا کیونکہ ان کے پاس نہ تو خلافت تھی اور نہ ان کی آمدنی کے ظاہری زرائع تھے لیکن یہاں زیادہ تر تعظیم وتکریم اور حسن سلوک کرنا مقصود تھا۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی دعا قبولیت

ایک مرتبہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کو حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی جانب سے عطیات وظائف کے آنے میں تاخیر ہوگئی اور آپ کو تنگی پیش آئی۔ آپ نے یاددہانی کے لئے حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے نام ایک رقعہ لکھنا چاہا اور قلم ودوات طلب کیا لیکن کچھ سمجھ کر رہ گئے خط نہیں لکھا۔ اسی روز آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے فرزند کیا حال ہے؟ عرض کیا اچھا ہوں لیکن تنگ دست ہوں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تم نے اسی غرض سے قلم ودوات منگوائی تھی کہ تم ایک مخلوق سے مانگو۔ حضرت حسنؓ نے عرض کیا ارادہ تو یہی تھا اب آپ فرما کیا کروں؟۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اقْذِفْ فِيْ قَلْبِيْ

رَجَائَكَ وَقَطِّعْ رِجَائِي عَمَّنْ سِوَاكَ حَتّٰى لَاۤ اَرْجُوْا اَحَدًا غَيْرَكَ اللّٰهُمَّ وَمَا ضَعُفَتْ عَنْهُ قُوَّتِيْ وَمَا قَصُرَ عَنْهُ عَمَلِيْ وَلَمْ تَنْتَهِ اِلَيْهِ رَغْبَتِيْ وَلَمْ تَبْلُغْهُ مَسْئَالَتِيْ وَلَمْ يَجْرِ عَلٰى لِسَانِيْ مِمَّا اَعْطَيْتَ اَحَدًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ مِنَ الْيَقِيْنِ فَخُصَّنِيْ بِهٖ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ۔ الٰہی میرے دل میں اپنی آرزو پیدا کردے اور دوسروں سے میری تمنائیں اس طرح ختم کردے کہ میں کسی سے پھر تیرے سوا امید وابستہ نہ رکھوں الٰہی میری قوتوں کو کمزور نہ بنا میرے نیک اعمال کو کوتاہ نہ کر مجھ سے اعراض نہ فرما تو اپنے فضل وکرم سے مجھے توکل وتوفیق کی ایسی قوت عطاء فرما کہ میں کسی مخلوق کے پاس اپنی حاجت نہ لے جاؤں تو ہی میرے مسائل کو حل فرما اور مجھے وہ سب کچھ دے دے جواب تک پہلے اور آنیوالے شخص کو نہیں دیا۔اے رب العلمین مجھے یقین کی دولت سے مالا مال فرما۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کی قسم میں نے یہ دعا ایک ہفتہ تک نہیں پڑھی ہوگی کہ امیر معاویہؓ نے مجھے پانچ لاکھ درھم بھیج دیئے جس پر میں نے اللہ تعالی کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو اپنے یاد کرنے والوں کو کبھی فراموش نہیں فرماتا اور اپنے مانگنے والوں کو محروم اور ناامید نہیں فرماتا جس دن یہ رقم آئی اس روز رات کو میں نے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے دریافت فرمارہے ہیں کہ حسن (رضی اللہ عنہ) کیسے ہو، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھا ہوں اور اسکے بعد میں نے تمام واقعہ عرض کیا۔آپ نے سماعت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے میرے بیٹے اللہ تعالی سے امیدوار ہونا اور مخلوق سے التجا نہ کرنے کا نتیجہ یہی ہوتا ہے (تاریخ الخلفاء ۱۵۳،نورالابصار ص ۱۸۸)۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) بردبار کریم تھے

امام ابوالحسن علی بن محمد الجزری متوفی ۶۳۰ لکھتے ہیں وَكَانَ حَلِيْمًا كَرِيْمًا وَرِعًا، دعَاهُ وَرَعَهُ

وَفَضْلَهُ اِلٰی اَنْ تَرَكَ الْمُلْكَ وَالدُّنْيَا، رَغْبَةً فِيْمَا عِنْدَ اللهِ تَعَالٰى، وَكَانَ يَقُوْلُ: مَا اَحْبَبْتُ اَنْ اَلِيَّ اَمْرَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ عَلٰى اَنْ يُّهْرَاقَ فِيْ ذٰلِكَ مِحْجَمَةَ دَمٍ، وَكَانَ مِنَ الْمُبَادِرِيْنَ اِلٰى نُصْرَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانٍ (رضی الله عنه) (اسد الغابة ص ۱۸)۔ حضرت حسن بہت ہی بردبار، کریم ور پرہیزگار تھے ان کی پرہیزگاری ہی نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ انہوں نے اللہ کے یہاں کی ناز و نعیم پر قناعت کر کے دنیا اور اس کی سلطنت چھوڑ دی اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نہیں چاہتا کہ میں امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاکم بنوں اور میری حکومت میں کسی کا خون پچھنے سے بھی گرایا جائے۔ حضرت عثمان بن عفان کی مدد میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے۔ (جب آپ کو شہید کیا گیا تھا اس وقت حضرت حسن باہر دروازے پر ان کی حفاظت کے لئے کھڑے تھے)۔

حضرت حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہ) کی شہادت

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت تو زہر کے اثر سے ہوئی ہے مگر اس میں شدید اختلاف ہے کہ زہر کس نے دیا تھا۔ بعض کتابوں میں زہر دینے کا ذکر آتا ہے مگر کسی کا نام مذکور نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے زہر دلوایا تھا۔ بعض نے لکھا ہے یزید کے حکم سے آپ (رضی اللہ عنہ) کو زہر دیا گیا تھا اور بعض نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی وجہ سے زہر دے دیا تھا۔ مگر یہ سب باتیں غلط اور بے سند ہیں کیونکہ تاریخ کی کسی معتبر کتاب میں یہ نہیں آتا کہ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے بتایا ہو کہ مجھے کس نے زہر دلوایا اور کس نے دیا ہے۔ جب انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بھی دریافت کرنے پر نہیں بتایا تو پھر بلا تحقیق یہ کہنا کہ فلاں نے زہر دیا، یا فلاں نے زہر دلوایا تھا سب باتیں بلا تحقیق اور غلط باتیں ہیں۔ لہذا بغیر علم کے کسی کی طرف ایسی نسبت کرنا جائز نہیں ہے۔ بعض نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ویسے بیمار ہوئے

تھے اور اسی بیماری میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ مگر زیادہ روایات میں یہی ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کو زہر دیا گیا تھا اور اسی کے سبب سے آپ (رضی اللہ عنہ) نے وفات پائی اور شہادت کا درجہ حاصل کرلیا۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔ شیخ ابن تیمیہ حرانی حنبلیؒ (متوفی ۷۲۸ھ) نے حضرت حسنؓ کی وفات کے سلسلہ میں یوں لکھا ہے فَقِيْلَ اِنَّهٗ مَاتَ مَسْمُوْعًا وَهٰذِهٖ شَهَادَةٌ لَّهٗ وَ كَرَامَةٌ فِیْ حَقِّهٖ وَلٰكِنْ لَّمْ يَمُتْ مُقَاتِلاً (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۲۱)
تو کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات زہر خورانی سے ہوئی اور یہ چیز ان کے حق میں شہادت کے درجہ میں اور ان کے لئے بزرگی اور فضیلت کی دلیل ہے اور جنگ کرتے ہوئے آپ (رضی اللہ عنہ) کی وفات نہیں ہوئی۔

ساڑھے نو سال مدینہ منورہ میں گذارے اور بیماری کے ایام بہت سخت تھے اس لئے کہ بیماری شدید تھی اور چالیس دن تک بیمار رہے اور آپ (رضی اللہ عنہ) نے بیماری کے دن بڑے صبر و تحمل سے گذارے تھے اور آخر کار بعض روایات کے مطابق ۵ ربیع الاول ۵۹ھ کو آپ کا وصال ہوگیا اور آپ (رضی اللہ عنہ) کی نماز جنازہ حضرت حسینؓ کی اجازت سے اس وقت کے امیر مدینہ سعید بن العاص اموی نے پڑھائی۔ حضرت حسینؓ زیادہ مستحق تھے کہ آپ کی نماز پڑھاتے مگر آپ (رضی اللہ عنہ) صلح پر قائم رہے اور امیر مدینہ ہی کو حکم دیا کہ وہ پڑھائیں جو حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے مقرر تھے۔

فضل بن دکین کہتے تھے کہ جب حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) کا مرض بڑھ گیا تو انہیں جزع (گھبراہٹ) کی حالت طاری تھی ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اے ابو محمد یہ جزع (گھبراہٹ) جس وقت آپ کی روح آپ کے جسم سے جدا ہوگئی اس وقت آپ اپنے والدین علی اور فاطمہ نانا نانی یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدیجۃ الکبریٰ اور اپنے م چچا یعنی حمزہ اور جعفر اور اپنے ماموں

یعنی قاسم، طیب، طاہر، ابراہیم اور اپنی خالاؤں یعنی رقیہ، ام کلثوم اور زینب کے پاس پہنچیں گے یہ سن کر ان کی وہ حالت دور ہوگئی۔ جب حضرت حسن کی وفات ہوئی تو بنی ھاشم کی عورتوں نے ایک مہینے تک ان کے لئے نوحہ (اظہار غم) کیا اور ایک سال تک سوگ کا لباس پہنا۔ (اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج ۲ ص ۲۰)۔

جنت البقیع میں دفن

اللہ تعالی کی طرف سے ہر انسان کے لئے انتقال کا وقت مقرر ہے اسی ضابطہ قدرت کے تحت جناب (امام) حسن مجتبیٰؓ کا انتقال ہوگیا ان کی تمنا تھی کہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دفن کی سعادت حاصل ہوجائے تو جناب حضرت امام حسینؓ نے اُم المومنین حضرت عائشہؓ سے اس چیز کی اجازت طلب کی تھی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اجازت دے دی تھی۔ لیکن بقول بعض مورخین اس معاملہ میں بعض بنوامیہ حائل ہوئے اور اس بات کا خطرہ پیدا ہوگیا کہ اس موقعہ پر کوئی فتنہ نہ کھڑا ہوجائے تو اس موقع پر جناب عبداللہ بن عمرؓ اور جناب ابوھریرہؓ نے حضرت حسینؓ کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ آپ کے برادر جناب نے اس بات کی وصیت کی تھی کہ اگر جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مبارک میں دفن ہونے کے معاملہ میں فتنہ کھڑا ہوجانے کا خطرہ ہوجائے تو مجھے جنۃ البقیع میں جدہ (ہماری دادی اماں) کے پاس دفن کردیا جائے۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے انتقال کے موقع پر عظیم اجتماع

جس روز حضرت حسنؓ کا انتقال ہوا اس دن آپ (رضی اللہ عنہ) کے انتقال پر لوگوں کا عظیم اجتماع ہوا ایک شخص ابن ابی مالک جو اس موقعہ پر موجود تھا وہ ذکر کرتا ہے کہ اتنا کثیر مجمع تھا کہ اگر سوئی ہوتی تو وہ زمین کی بجائے انسان پر گرتی۔ حضرت ابوھریرہؓ کے متعلق مئورخین نے لکھا ہے کہ امام موصوف جناب حسن بن علیؓ کی وفات کے روز مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہوئے گریہ

کرتے تھے اور بلند آواز کے ساتھ ندا کرتے تھے، کہ اے لوگو آج نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب فرزند کا انتقال ہوگیا اور گریہ کرنے کا موقع ہے۔ (فوائد حصہ دوم ۱۶۴ بحوالہ سیر اعلام، مختصر ابن عساکر۔ الاصابہ)۔

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی تاریخ شہادت

اس میں اختلاف ہے کہ شہادت کب واقع ہوئی بعض نے کہا ہے کہ ۵۰ ھ میں شہادت واقع ہوئی اور یہ بھی کہا گیا ہے ۴۹ ھ میں ہوئی۔ اور بعض نے کہا ہے ۴۴ ھ میں ہوئی۔ اور آپ (رضی اللہ عنہ) کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا اور آپ (رضی اللہ عنہ) سے آپ (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے حسن بن حسنؓ ابوھریرہؓ اور ایک بہت بڑی جماعت نے روایت کی ہے (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۲۹۶)۔ بعض نے لکھا ہے کے حضرت امام ممدوح نے ۴۶ سال کی عمر میں بہ ماہ ربیع الاول ۵۹ ھ میں وفات پائی اور والدہ مکرمہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ (رحمۃ اللعلمین ج ۲ ص ۱۱۳)۔

حضرت حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہ) کی اولاد

کتاب رحمۃ اللعلمین میں حضرت حسن کے بارہ بیٹوں کے نام مذکور ہیں۔ زید، حسن مثنی، حسین، طلحہ، اسمعیل، عبداللہ، حمزہ، یعقوب، عبدالرحمن، عبداللہ ابوبکر، قاسم، عمر۔ پانچ بیٹیاں: فاطمہ، ام سلمہ، ام عبداللہ، ام الحسین رملہ، ام الحسن۔

زید بن حسن ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت ابو مسعود عقبہ بن عمر بن ثعلبہ الخزرجی الانصاری تھا۔ حسن مثنی بن حسن ان کی والدہ کا نام خولہ بنت منظور بن ریان بن عمرو بن جابر بن عقیل بن سمی بن مازن بن فزارہ ھیں (رحمۃ اللعلمین)۔ بعض نے آپ کی اولاد کی تعداد اکیس بیان کی ہے۔ (الحسین بن علی سیرتہ جہادہ ص ۴۶)

آپ (رضی اللہ عنہ) کے خصائل حمیدہ

آپ علم و فضل والے اور عابد و زاہد تھے کرم وسخاوت میں اپنی مثال آپ (رضی اللہ عنہ) تھے، حلم و بردباری کے بادشاہ تھے۔ معاف کرنیوالے، درگزر کرنیوالے تھے۔ آپ بے حد متواضع تھے، آپ (رضی اللہ عنہ) دنیا و آخرت کے سردار اور آپ (رضی اللہ عنہ) حسن خلق والے تھے۔ لوگوں کے حوائج [ضرورتوں] کو پورا کرنیوالے تھے فضول باتوں سے پرہیز کرتے تھے آپ (رضی اللہ عنہ) مخالف و موافق امیر وفقیر سب کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے۔ ہر ایک سے مراتب کے مطابق شفقت فرماتے تھے۔ اَپنے بہت بڑے عبادت گزار، امن پسند اور سخی تھے۔ آپ نے دنیا کی بادشاہی کو چھوڑ دیا اور آخرت کو اختیار کیا۔ حضرت حسنؓ سیرت وصورت میں دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ آپ نہایت سخی، بڑے مہمان نواز، دوسروں کی غلطیوں سے درگزر کرنے والے، اور اپنے دشمنوں کو معاف کرنے والے، نہایت حلیم الطبع اور نیکوکار تھے۔ آپ کی فطرت میں نرمی، سادگی، محبت، شفقت اور خلوص بدرجہ کمال تھا۔ مسلمانوں کے مابین نفاق، جھگڑا، فساد اور خون ریزی آپ کو بالکل پسند نہ تھی۔ آپ کی دلی تمنا یہی تھی کہ امت مسلمہ آپس میں متحد ہو کر رہے۔ سب میں آخوت وملاپ ہو، یگانت اور بھائی چارہ ہو۔ (روشنی کے مینار، ص ۵۰)۔

آپ جنتی نوجوانوں کے سردار، مخلوق کے محبوب، حکیم مقرب تھے غرضیکہ حضرت حسن بن علیؓ میں بے شمار صوفیانہ خصلتیں بھی تھیں اور ان کے کلام میں تصوف کی جھلکیاں نمایاں تھیں اور وہ خود عالی شان، بلند مقام کے مالک تھے (حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۳۷۶)۔

خضاب کرنا

بالوں کو خضاب کرنے میں مختلف قسم کی روایات پائی جاتی ہیں اور صحابہ کرام سے بالوں کو سیاہ کرنے میں بھی بعض روایات دستیاب ہوتی ہیں۔ حضرت حسنؓ کے متعلق علماء تراجم لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی

ریش (داڑھی) مبارک کو سیاہ خضاب لگایا (فوائد نافعہ ص ۱۵۰)۔

ابوالربیع السمعان عبید اللہ بن ابی یزیدؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں، رَاَیۡتُ الۡحَسَنَ بۡنَ عَلِیٍّ قَدۡ غَضَبَ بِالسَّوَادِ (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۳۸)، کہ میں نے حضرت حسن بن علی کو دیکھا بیشک آپ (رضی اللہ عنہ) نے سیاہ خضاب لگایا ہے۔ اسی طرح قیس مولی حباب اور مسلم بن مریم سے مروی ہے (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۳۷)۔

انگوٹھی پہننا

انگوٹھی کا پہننا اسلام میں جائز ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے جواز میں احادیث مروی ہیں حضرات حسنین شریفین کے تراجم میں حضرت جعفر صادقؒ کی روایت اپنے والد حضرت امام محمد باقر سے مروی ہے کہ حضرت حسنؓ اور حسینؓ اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ اِنَّ الۡحَسَنَ وَالۡحُسَیۡنِ کَانَا یَتَخَتَّمَانِ فِی الۡیَسَارِ (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۳۷) اور دیگر روایت میں اس طرح منقول ہے کہ حسنین کریمینؓ نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگوٹھی میں ذکر اللہ منقش کیا ہوا تھا (سیر اعلام النبلاء، فوائد نافعہ)۔

شکر رنجی دور کرنے میں سبقت کرنا

ایک بار حضرت حسنؓ اور ان کے برادر حضرت حسینؓ میں کسی بات پر شکر رنجی ہوگئی اور انہوں نے باہم گفتگو ترک کردی اور دو تین روز اسی حالت میں گزر گئے اس کے بعد حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کے پاس تشریف لائے اور جھک کر ان کے سر کو بوسہ دیا۔ پھر حضرت حسینؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی حضرت حسنؓ کے سر کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ ترک ہجران کی ابتداء کرنے میں جو چیز مجھے مانع ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) اس حصول فضیلت کے مجھ سے زیادہ حقدار ہیں تو لھذا میں نے اس بات کو ناپسند جانا کہ میں آپ (رضی اللہ عنہ) کے اس حق میں سبقت کر

کے نزاع پیدا کروں (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۰۸)۔

اور بعض علماء کرام نے شکر رنجی کے اس واقعہ کو حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن رات سے زیادہ ترک کلامی کرے (شکر رنجی وغیرہ) اور جو اس ھجران (جدائی) کو ترک کرنے میں سبقت کرے گا وہ جنت کی طرف جانے میں سبقت کرے گا۔

اس حدیث کے بیان کرنے کے بعد حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے درمیان ترک کلامی اور تنازع ہوگیا ہے تو میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ لوگ آپ (رضی اللہ عنہ) کے (افعال واعمال میں) اقتداء کرتے ہیں تو آپ حضرت کو باہمی ترک کلامی نہیں کرنی چاہیئے اور آپ (رضی اللہ عنہ) اپنے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے جائیں اور ان سے جا کر کلام کریں کیونکہ آپ ان سے عمر میں چھوٹے ہیں (وہ آپ (رضی اللہ عنہ) کے بزرگ ہیں) تو اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ترک ھجران میں سبقت کرنیوالا پہلے جنت میں جائے گا نہ سنا ہوتا تو میں اپنے بھائی کی طرف پہلے جاتا۔ لیکن میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ میں ان سے جنت کی طرف سبقت کروں۔ حضرت ابوھریرہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گفتگو سے اگاہ کیا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے بھائی حسین رضی اللہ عنہ نے درست کہا ہے اور پھر اپنے برادر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف گئے اور ان سے کلام کی ابتدا کی اور اسی طرح دونوں برادران میں شکر رنجی ختم ہوگئی (ذخائر العقبی ص ۱۶۳، فوائد نافعہ)۔

حضرت حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہ) خلیفہ راشد ہیں

صاحب العطایا الاحمدیہ فتاوی نعیمیہ لکھتے ہیں کہ خلافت صدیقی کی مدت دو سال آٹھ ماہ ہے اور

خلافت فاروقی کی مدت دس سال چار دن اور خلافت عثمانی کی مدت بارہ سال تین ماہ اور خلافت حیدری علوی کی مدت چار سال آٹھ ماہ پندرہ دن ہے۔ اسطرح کل مدت خلافت تیس سال ایک ماہ اورانیس دن بنتی ہے۔ امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی خلافت اسکے بعد شروع ہوئی لہذا اسلئے امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی خلافت خلافت راشدہ میں شامل نہیں ہے۔ (زیادہ تحقیق کے لئے دیکھیے فتاوی نعیمیہ ج ۵ ص ۱۲۰)۔ حضرت امام حسن کی خلافت کی نفی کرنا جمہور علماء کے خلاف ہے۔

چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی ۱۰۵۲ھ) حدیثِ سفینہ کی شرح میں فرماتے ہیں جو پہلے گذر چکی ہے کہ یہ حساب تقریبی ہے اس میں کسروں (مہینوں، دنوں) کو حذف کر دیا گیا ورنہ حضرت ابوبکر کی خلافت جیسا کہ جامع الاصول میں ہے دو سال چار ماہ خلافت، حضرت عمر دس سال چھ ماہ، حضرت عثمان بارہ سال سے کچھ دن کم خلافت اور حضرت علی کہ خلافت چار سال نو ماہ ہے۔ اس حساب سے خلفاء اربعہ کا دور ۲۹ سال سات ماہ اور نو دن ہے تیس سال سے باقی پانچ ماہ رہ جاتے ہیں جو کہ امام المسلمین حسن بن علیؓ کا دور ہے اور یہ خلفاء میں شامل ہیں بعض کتب سے خلافت ابوبکرؓ دو سال تین ماہ نو دن خلافت عمرؓ دس سال چھ ماہ پانچ دن خلافت عثمانؓ بارہ دن کم بارہ سال اور خلافت علی چار سال نو ماہ ہے اس حساب سے امام حسنؓ کا دور چھ ماہ اور تین راتیں بنتا ہے

(اشعۃ اللمعات اردو ج ۶ ص ۳۹۳، اشعۃ المعات فارسی ج ۴ ص ۲۸۵، مظاہر حق ج ۳ ص ۸۴۳)۔

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا (رواہ ابن حبان) یعنی مدت خلافت راشدہ تیس برس ہے پھر بادشاہی ہوگی اور یہی وہ مدت جو کامل ہوگی حسن بن علی پر کیونکہ وہ اپنے والد کے بعد خلیفہ بنائے گئے۔ تھے اور چھ ماہ خلیفہ رہے پھر خلافت کو حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دیا (مطاب وفیہ شرح عقائد نسفیہ ص ۱۴۲)۔

حضرت حسنؓ کی خلافت خلفاء راشدین میں شامل اور کامل تھی چنانچہ مفتی احمد یار خانؒ (متوفی

۱۳۹۱ھ) نے تفسیر نعیمی ج ۲ ص ٦١٦ میں، مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ (متوفی ۱۳٦۷ھ) نے خزائن العرفان ص ۱۷۵ میں، مولانا امجد علیؒ (متوفی ۱۳٦۷ھ) بہار شریعت حصہ اول ص ۲۷ نے لکھا ہے کہ حضرت حسنؓ خلفاء راشدین میں شامل ہیں۔

علامہ محدث احمد بن حجر مکی شافعیؒ فرماتے ہیں، **هُوَ آخِرُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ بِنَصِّ جَدِّهٖ وَلِيَ الْخِلَفَةَ بَعْدَ قَتْلِ اَبِيْهِ بِمُبَايَعَةِ اَهْلِ الْكُوْفَةِ فَاَقَامَ بِهَا سِتَّةَ اَشْهُرٍ وَاَيَّمَا خَلِيْفَةُ حَقٍّ وَاِمَامُ عَدْلٍ وَصِدْقٍ** (الصواعق المحرقۃ ص ۱۹۱)۔ آپ اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نص کے مطابق آخری خلیفہ راشد ہیں۔ اپنے والد (حضرت علی) کی شہادت کے بعد اہل کوفہ کی بیعت سے چھ ماہ اور چند دن تک خلیفہ رہے۔ آپ خلیفہ برحق اور امام عادل وصادق ہیں اور اپنے نانا کی اس پیش گوئی کو پورا کرنے والے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ میرے بعد خلافت تین سال تک رہے گی مگر یہ چھ ماہ ان تین سالوں کی تکمیل کرنیوالے ہیں تو آپ کی خلافت منصوص ہے اور اس پر اجماع ہو چکا ہے اور اس کے برحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں (الصواعق)۔

حضرت حسن مجتبیٰ (رضی اللہ عنہ) کی مدت خلافت

آپ (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کی مدت چھ ماہ سات یا آٹھ ماہ تھی اور خلافت راشدہ کا تتمہ اور مکمل کرنے والی تھی اس خلافت راشدہ کی مدت کو جس کی خبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی کہ اس کی مدت تیس برس ہوگی پھر بادشاہی ہو جائے گی۔

بلاشبہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، **اَلْخِلَافَةُ فِيْ اُمَّتِيْ ثَلَاثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ مُلْكًا بَعْدَ ذَالِكَ** (سنن ترمزی)۔ کہ میری امت میں خلافت تیس سال ہوگی پھر اس کے بعد بادشاہی۔ ربیع الاول ۴۱ھ میں خلافت حضرت معاویہ کے سپرد کر دی تھی (سیرت امیر المومنین خامس الخلفاء الراشدین ص ۱۸۱ ملخصا)۔

علامہ وھبۃ الذھیلی لکھتے ہیں وَكَانَتْ مُدَّةُ خَلَافَتِهِمْ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً إِلَّا سِتَّةَ أَشْهُرٍ هِيَ مُدَّةُ خِلَافَةِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ۔ (اصول الفقہ الاسلامی جزء اول ص۹۰) خلفاء اربعہ کی مدت خلافت تیس برس تھی مگر چھ ماہ کم یہی حضرت حسن بن علی کی مدت خلافت ہے۔

تاریخ کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ حضرت حسنؓ چھ ماہ خلیفہ رہے ہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مسائل اعتقادیہ وکلامیہ میں خلفاء اربعہ کی خلافت کا ذکر تو کتابوں میں کیا گیا ہے مگر حضرت حسنؓ کی خلافت کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حضرت حسنؓ کی یہ چھ ماہ خلافت تیس سال کی مدت کو مکمل کرنیوالی تھی۔ اور خلافت راشدہ میں داخل تھی اس لئے علماء نے عقائد میں ان کا مستقل تذکرہ نہیں کیا اور صحیح حدیث میں صلح کی جو پیش گوئی کی گئی تھی۔ اس میں خلافت کا ذکر آ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشینگوئی بھی پوری ہوگئی۔

خلافت حسنی پر ایک نظر

بعض مؤرخین نے حضرت حسنؓ کی شش ماہہ خلافت کو خلافت راشدہ میں نہیں سمجھا کیونکہ وہ قلیل مدت کے لئے تھی اور نامکمل تھی۔ نامکمل کہنا اس لئے نادرست ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو بھی پھر نامکمل کہہ کر خلافت راشدہ سے خارج کرنا پڑے گا حالانکہ یہ جائز نہیں۔ مدت خلافت کا کم ہونا بھی کوئی معقول وجہ نہیں ہے۔

حضرت حسنؓ کی خلافت پر اگر غور اور فکر کے ساتھ نظر ڈالی جائے تو وہ خلافت راشدہ کا نہایت ہی اہم حصہ ہے، اور حضرت حسنؓ کی خلافت اگرچہ ملکی فتوحات اور جنگ و پیکار کے ہنگاموں سے خالی ہے، لیکن حضرت حسنؓ نے جنگ کے میدان گرم کئے اور خون کے دریا بہائے بغیر اسلام اور عالم اسلام کو اس قدر فائدہ پہنچایا جو شاید بیسوں برس کی خلافت اور سینکڑوں لڑائیاں لڑنے کے بعد بھی نہیں پہنچایا جا سکتا تھا۔

خدمت اسلام کے اعتبار سے حضرت حسنؓ یقینا خلفاء راشدین کے پہلو بہ پہلو جگہ پانے کا حق رکھتے ہیں۔ انہوں نے دس سال کی خانہ جنگی کو جس کے دور ہونے کی توقع نہ تھی یک لخت دور کر دیا۔ انہوں نے منافقوں اور مسلم نما یہودیوں کی شرارتوں اور ریشہ دوانیوں کو جو دس سال سے نشوونما پا کر اب بہت طاقتور اور عظیم الشان ہو چکی تھیں یکا یک درہم برہم کر دیا اور شرارت پیشہ لوگ حیران ومبہوت ہو کر ان کا منہ تکنے لگے انہوں نے مشرکین کے اطمینان کو جو دس سال سے مسلمانوں کی خانہ جنگی کا تماشہ مزے لے کر دیکھ رہے تھے برباد کر دیا۔ انہوں نے خاراشگوف تلواروں اور آہن گداز نیزوں کا رخ دشمنان اسلام کی طرف پھیر دیا۔ جو اس سے پہلے مسلمانوں کی گردنیں اڑانے اور سینے زخمی کرنے میں مصروف تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے بعد حضرت حسنؓ نے بہادری کا نمونہ دکھایا ، جبکہ کوفہ میں حضرت امیر معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کی ان کے اپنے مختصر الفاظ سے، اگر امارت و خلافت امیر معاویہؓ کا حق تھا ان کو پہنچ گیا اور اگر یہ میرا حق تھا تو میں نے ان کو بخش دیا نہ صرف زمانے کے مسلمانوں کو عظیم الشان درس معرفت حاصل ہوا۔ بلکہ قیامت تک کے لئے مسلمانوں کی رہبری کا عظیم الشان کام انجام دینے کی غرض سے خونخوار و بے پناہ سمندروں کی تاریکیوں میں ایک لائٹ ہاؤس قائم ہو گیا۔ حضرت حسنؓ کے پاس چالیس ہزار جنگجو فوج موجود تھی ۔ یہ فوج خواہ کیسے ہی بے وقوف متلون مزاج لوگوں پر مشتمل ہو اور ان سے کیسی بھی گستاخیاں سرزد ہوئی ہوں ، لیکن اہل شام اور حضرت امیر معاویہؓ سے لڑنے اور مارنے مرنے کا حلف سب اٹھائے ہوئے تھے۔

ایسی حالت میں ایک ۲۷ سالہ جوان العمر جنگ آزمودہ اور بہادر باپ کا بیٹا اپنے باپ کے رقیب اور مدمقابل سے دو ہاتھ کئے بغیر ہرگز نہیں رہ سکتا تھا۔ حضرت امام حسنؓ یہ بھی جانتے تھے کہ تمام عالم اسلام اس بات سے واقف ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کس قدر محبت تھی اور ان کو حضرت علیؓ سے بھی زیادہ اس بات کا موقع حاصل تھا کہ وہ صحابہ کرامؓ اور عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کی حمایت کی

ہمدردی کو تھوڑی سی مدت اور بڑی آسانی سے اپنی طرف جذب کر سکیں ۔ ہم چشموں ، بھائیوں ، ماتحتوں ، جنگی افسروں کی ترغیب اور صلح کی حالت میں طعن و تشنیع بھی ان کے لئے دامن گیر تھے ۔ وہ خود سپہ سالاری کی قابلیت اور شہنشائیت کی اہلیت بخوبی رکھتے تھے ۔ اولوالعزمی اور بلند ہمتی اس عمر کا خاصہ ہے لیکن اللہ تعالی کی ہزاروں ہزار اور بے شمار رحمتیں حضرت حسن ؓ کی روح پر نازل ہوں کہ انہوں نے اخلاص ، ایثار اور خدمت اسلام کا وہ بہترین نمونہ امت محمدیہ کے لئے چھوڑا جس کی توقع خیر البشر ، رحمۃ اللعالمین اور جامع جمیع کمالات انسانیت کے نواسے سے ہو سکتی تھی ۔

اے حسن ؓ ! تو نے مسلمانوں کے دو ٹکڑوں کو آپس میں ملا کر ایک کر دینے کا وہ عظیم الشان کام کیا ہے ، جو دولخت شدہ کردہ زمین کے جوڑنے ، شق شدہ آسمان کا باہم جوڑ ملانے سے بھی زیادہ مشکل کام تھا ۔

اے حسن ؓ ! تو نے اپنی مدت خلافت میں کوئی میدان کارزار گرم نہیں کیا ، لیکن تو نے دنیا کے تمام بہادروں ، تمام شمشیر زنوں ، تمام سپہ سالاروں ، تمام ملک گیروں ، تمام شر انگیزوں کی سرداری حاصل کر لی ۔

اے حسن ؓ ! تیرے ہی فعل حسن کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے بحر روم اور بحر روم کے جزیروں پر قبضہ کیا ، قسطنطیہ کی فصیل تک پہنچ کر عیسائی شہنشاہی کو ذلیل و فضیحت کیا ۔ طرابلس ، الغرب ، مراکش ، سپین ، سندھ ، افغانستان ، ترکستان ، ممالک اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے ۔

اے حسن ؓ ! تو نے عالم اسلام میں زندگی کی روح پھونک دی ۔

اے حسن ؓ ! تو نے اپنی شرافت کا نمونہ دکھا کر کشت اسلام کو از سر نو سرسبز کیا ۔

اے حسن ؓ ! مسلمانوں کی ہر کامیابی ، مسلمانوں کی فتح مندی ، مسلمانوں کی ہر ایک سربلندی تیری روح پر رحمت الہی کی بارش بن جاتی ہو گی ۔ (سیرت امام حسن ؓ ص ۹۱ ۔ ۸۹)

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے جامع نصائح

حرمازی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) نے کوفہ میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا، اِنَّ الْحِلْمَ زِيْنَةٌ وَالْوَقَارَ مَرُوَّةٌ وَالْعَجَلَةَ سَفَهٌ وَالسَّفَهَ ضَعْفٌ وَمُجَالَسَةَ اَهْلِ الدِّنَاءَةِ شَيْنٌ وَّمُخَالَطَةَ الْفُسَّاقِ رِيْبَةٌ (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۱۳۵)۔حلم وحوصلہ مندی انسان کو زینت بخشی ہے وقار اخلاق حسنہ میں سے ہے، جلد بازی خفت عقل کی علامت ہے، جھالت اور عدم بردباری ایک کمزوری ہے۔کمینوں کی صحبت ایک عیب ہے اور فاسقوں سے مل بیٹھنا باعث تہمت ہے۔

چھٹا باب: حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

نام ونسب

حضرت حسین بن علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ھاشم بن عبد مناف بن قصی قریشی ھاشمی مطلبی۔

آپ کی والدہ ماجدہ سیدۃ النسا فاطمہ زہراء بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے والد ماجد امیر المومنین خلیفہ راشد سیدنا علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) ہیں۔

آپ کا نام نامی اسم گرامی حسین اور آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور سبط رسول (نواسہ رسول) ریحانۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھول) سَيِّدُ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (جنتی نوجوانوں کے سردار) طَيِّبٌ، زَكِيٌّ (پاک) وَفِيٌّ (وفادار) سَيِّدٌ (سردار) مُبَارَكٌ (برکت والے) تَابِعٌ لِمَرْضَاةِ اللهِ تَعَالٰى (اللہ تعالیٰ کی منشاء کے تابع) وغیرہ آپ کے القاب ہیں۔(نبراس، ۵۱۷: حاشیہ ۴)۔

حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) ۴ شعبان ۴ھ ہجری کو حضرت فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ

عنہا) کے شکم پاک سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے حضرت علی مرتضی (رضی اللہ عنہ) نے آپ کا نام حرب رکھا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو گھٹی دی۔ اور ان کے منہ مبارک میں اپنا لعاب دہن شریف ڈالا اور ان کے لئے دعا خیر کی۔ اور آپ نے حسین نام رکھا۔ حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتویں روز نام رکھا اور ان کا عقیقہ بھی کیا (البدایۃ والنہایۃ ۸، ۱۵۰:۸۔۱۴۹)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: كَانَ مَوْلِدُ الْحَسَنِ فِيْ رَمَضَانَ سَنَةَ ثَلَاثٍ مِنَ الْهِجْرَةِ عِنْدَ الْاَكْثَرِ وَكَانَ مَوْلِدُ الْحُسَيْنِ فِيْ شَعْبَانَ سَنَةَ اَرْبَعٍ فِيْ قَوْلِ الْاَكْثَرِ (الاصابۃ) سیدنا حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی ولادت اکثر مؤرخین کے نزدیک ماہِ رمضان ۳ ہجری میں ہوئی اور سیدنا حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی ولادت اکثر مورخین کے مطابق ماہِ شعبان ۴ ہجری میں ہوئی۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کا یہ قول بھی نقل فرمایا ہے کہ: بَيْنَ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ طُهْرٌ وَاحِدٌ حسن اور حسین کے درمیان ایک طہر (سال) کا فرق تھا۔

امام ابن حجر کی تحقیق کے مطابق بھی دونوں کی ولادت میں سال کا فرق ہے۔ حضرت حسن تین ہجری ماہِ رمضان اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) چار ہجری ماہِ شعبان میں پیدا ہوئے۔ (فتح الباری ۱۲۱۔۷)

امام حافظ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبیؒ (متوفی ۶۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ جب حسن پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام حرب رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: اَرُوْنِيْ اِبْنِيْ مَا سَمَّيْتُمُوْهُ قُلْتُ حَرْبٌ قَالَ بَلْ هُوَ حَسَنٌ فَلَمَّا وُلِدَ حُسَيْنٌ قَالَ اَرُوْنِيْ اِبْنِيْ مَا سَمَّيْتُمُوْهُ قُلْتُ حَرْباً قَالَ

هُوَ حُسَيْنٌ فَلَمَّا وُلِدَ الثَّالِثُ قَالَ اَرُوْنِيْ اِبْنِيْ مَا سَمَّيْتُمُوْهُ قُلْتُ حَرْباً قَالَ بَلْ هُوَ مُحْسِنٌ فَافْهَمْ ۔ (المفہم شرح المسلم، ۲۶۵)

مجھے میرا بیٹا دکھاؤ! تم نے ان کا کیا نام رکھا ہے؟ ہم نے کہا: حرب۔ آپ نے فرمایا: نہیں وہ حسن ہے ۔پھر جب حسین پیدا ہوئے تو میں نے ان کا نام حرب رکھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ! تم نے ان کا کیا نام رکھا ہے: ہم نے کہا: حرب۔ آپ نے فرمایا: نہیں وہ حسین ہے۔ پھر جب میرا تیسرا بیٹا پیدا ہوا تو میں نے اس کا نام حرب رکھا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے ان کا کیا نام رکھا ہے؟ ہم نے کہا: حرب۔ آپ نے فرمایا: نہیں وہ محسن ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں نے حضرت ہارون کی اولاد شبر، شبیر اور مشبر کے ناموں پر ان کے نام رکھے ہیں (شرح صحیح مسلم اسد الغابۃ)۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے نواسوں کے یہ نام رکھے تھے۔ اور اس سے قبل یہ نام رکھنے کی کسی کو توفیق نہ ملی تھی۔ اب امت مسلمہ میں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں ایسے مسلمان ہوئے ہیں اور ہیں کہ جن کے نام حسن اور حسین تھے اور ہیں۔ یہ ان سے محبت کی نشانی ہے۔

شیخ محمود شاکر مصری (متوفی ۱۹۹۹ء) لکھتے ہیں: وَلَمْ يَكُنْ اِسْمُ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ مَعْرُوْفَيْنِ لَدَى الْعَرَبِ قَبْلَ ذٰلِكَ فَحِيْنَ وُلِدَ الْحَسَنُ اَذَّنَ الرَّسُوْلُ ﷺ فِيْ اُذُنِهٖ وَ عَقَّ عَنْهُ كَبَشًا وَفِي الْيَوْمِ السَّابِعِ حَلَقَ شَعْرَهٗ وَ تَصَدَّقَ بِوَزْنِ شَعْرِهٖ فِضَّةً وَّ كَذٰلِكَ فَعَلَ مَعَ الْحُسَيْنِ وَحِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ كَانَ عُمْرُ الْحَسَنِ سَبْعَ سَنَوَاتٍ وَّالْحُسَيْنِ سِتَّ سَنَوَاتٍ (علی بن ابی طالب واسرتہ ص ۵۱۲ بحوالہ الحسین)۔

اس سے قبل حسن اور حسین دونوں نام عرب کے ہاں مشہور ومعروف نہیں تھے تو جس وقت حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی ان کے کانوں میں اذان دی اور ان کی جانب سے ایک

مینڈھا بطور عقیقہ دیا اور ساتویں دن ان کے سر کے بال منڈوائے اور ان بالوں کے برابر چاندی خیرات کی اور اسی طرح حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ معاملہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی عمر سات سال تھی اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی عمر چھ برس تھی۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) ایک سال بڑے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کانوں میں آذان دی

جب حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) پیدا ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دونوں کانوں میں اذان دی ۔عبیداللہ بن رافع (رضی اللہ عنہ) نے اپنے والد سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اَذَّنَ فِیْ اُذُنَیِ الْحُسَیْنِ جَمِیْعًا بِالصَّلٰوۃِ (ترجمۃ الامام الحسین ومقتلہ ص ۱۸) حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے دونوں کانوں میں (نماز والی) اذان دی۔

حضرت عاصم بن عبیداللہ بن ابی رافع وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اَذَّنَ فِي اُذُنَيِ الحُسَينَ جَمِيعاً بِالصَّلاۃِ (ترجمۃ الحسین من کتاب الطبقات الکبریٰ ص ۱۷ (کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے دونوں کانوں میں نماز والی اذآن دی۔ اور نومولود بچے کے کان میں اذآن دینے کے بے شمار فوائد ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب بچہ پہلی اواز سنے تو وہ توحید و رسالت کی ہی ہو

ساتویں دن عقیقہ کرنا

صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں وَاَذَّنَ فِیْ اُذُنِ وَتَفَلَ فِیْ فِیْہِ وَدَعَالَہٗ وَسَمَّاہُ حُسَیْناً یَوْمَ سَابِعٍ وَعَقَّ عَنْہُ بِکَبْشٍ وَقَالَ لِاُمِّہٖ اُحْلُقِیْ رَأْسَہٗ وَتَصَدِّقِیْ بِزِنَۃِ شَعْرِہٖ فِضَّۃً (اسد الغابہ)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے کان میں اذان دی، اپنا لعاب اقدس ان کے منہ میں ڈالا، آپ (رضی اللہ عنہ) کے حق میں دعا کی اور آپ (رضی اللہ عنہ) کا نام حسین رکھا اور حکم دیا کہ ساتویں دن ان کی طرف سے مینڈھا عقیقہ کرو اور بالوں کو منڈوا کر اس کے ہم وزن چاندی خیرات کردو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی ولادت پر ساتویں دن عقیقہ کیا اور ان کی طرف سے دو بکریاں ذبح فرمائیں اور ان کے سر کے بال تراشنے کے بعد خوشبو لگائی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس ارشاد فرماتے ہیں عَقَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ بِکَبْشَیْنِ کَبْشَیْنِ (نسائی)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسنین کی طرف سے عقیقہ کیا اور دو دو مینڈھے ذبح کئے۔

اور ابوداؤد کے الفاظ ہیں کہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَیْنِ کَبْشًا کَبْشًا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنین کریمین کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا اور اسی سے استدلال کرتے ہوئے امام مالک ایک مینڈھے کے قائل ہیں لیکن یہ درست اور راجح نہیں بچے کی طرف سے دو اور بچی کی طرف سے ایک جانور ذبح کرنا چاہیئے۔

صاحب عون المعبود لکھتے ہیں استدلَّ بِہٖ مَالِکٌ عَلٰی اَنَّہٗ یُعَقُّ عَنِ الْغُلَامِ وَعَنِ الجَارِیَۃِ شَاۃٌ وَاحِدَۃٌ قَالَ الحَافِظُ لاحجۃٌ فِیْہِ فَقَدْ اَخرَجَ اَبُو الشَّیْخِ مِنْ وَجْہِ آخر عَنْ عِکْرِمَۃَ عَنِ ابْنِ عَبَاسٍ بِلَفْظِ کَبْشِین کَبْشَیْنِ (عون المعبود باب العقیقۃ) (شان حسن وحسین ص ۸۶)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھانا

حضرت ام الفضل (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے میں اس

وقت حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو اپنے بیٹے (جن کا نام قثم تھا) کے حصے کا دودھ پلا رہی تھی رسول اللہ نے مجھ سے حسین کو مانگا میں نے حضرت حسین کو آپ کو گود میں دے دیا۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے آپ پر (فبال علیہ) تو پیشاب کر دیا۔ میں نے اپنے ہاتھ ان کی جانب بڑھائے (تاکہ حضرت حسین کو میں لے لوں لیکن) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَا تَذْرِمِي ابْنِي میرے بیٹے کو مجھ سے جدا مت کرو حضرت ام فضل فرماتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر پانی چھڑک دیا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں دودھ پیتے لڑکے کے پیشاب پر پانی کے چھینٹے مارے جائیں گے جبکہ اس عمر کی لڑکی کے پیشاب کو دھویا جائے گا (مستدرک حدیث ۴۸۲۹) لڑکے اور لڑکی دونوں کے پیشاب کا ایک ہی حکم ہے کہ اس کو دھویا جائے گا کیونکہ پیشاب نہ پاک ہوتا ہے۔

فضائل سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ (سورۃ البینہ)۔

ترجمہ: اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ یہ صلہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں

حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں آپ (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ فرزند علیؓ ہیں۔ جگر گوشہ فاطمۃ الزہراء اور صحابی مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ وہ فضیلتیں ہیں جو کسی کو بھی حاصل نہیں کہ آپ (رضی اللہ عنہ) اہل بیت میں بھی ہیں اور صحابہ میں بھی ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں: فَاِنَّهٗ مِنْ سَادَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعُلَمَاءِ الصَّحَابَةِ

وَابْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ اَلَّتِیْ هِیَ اَفْضَلُ بَنَاتِهٖ، وَقَدْ کَانَ عَابِدًا شُجَاعًا وَسَخِیًّا۔ (البدایہ والنہایہ، ۸: ۲۰۳)، حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سادات مسلمین اور علماء صحابہ میں سے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے رسول ﷺ کی سب سے افضل صاحبزادی کے بیٹے ہیں۔ اور وہ عابد بہادر اور سخی تھے۔

اور آپ (رضی اللہ عنہ) کا جلیل القدر صحابی ہونا اس بات سے ثابت ہے کہ امام بخاری نے آپ (رضی اللہ عنہ) کا صحابہ کرام میں ذکر کیا ہے۔ حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ (متوفی ۹۵۲ھ) فرماتے ہیں: اَلْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبِ نِ الْھَاشِمِیُّ اَبُوْ عَبْدِ اللهِ الْمَدَنِیُّ سِبْطُ رَسُوْلِ اللهِ وَرَیْحَانَتُهٗ (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۲۱۶)، کہ حسین بن علی بن ابو طالب ابو عبد اللہ مدنی رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور آپ ﷺ کے پھول تھے۔

اور جو آپ (رضی اللہ عنہ) کی صحابیت کا منکر ہے وہ بہت بڑا بدنصیب انسان ہے۔ جو فضیلتیں صحابہ کرام کی ہیں وہ سب فضیلتیں حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کے لئے ثابت ہیں۔

حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں

حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (سنن الترمذی۔ ابواب المناقب، ۴۰۲۰) (المسند، ۳: ۱۱۰۰۵)، حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔

اس حدیث میں حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کو جنت والوں کا سردار فرمایا گیا ہے یعنی انبیاء و رسل اور خلفاء راشدین کے علاوہ سب کے سردار اور سب سے افضل ہیں (اشعۃ اللمعات)۔ ان المراد هما سید اهل الجنت لان اهل الجنت کلهم شباب لکن یحص بما سوی الانبیاء والخلفاء الراشدین (لمعات التنقیح ج ۹ ص ۷۱۴)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا حسین مجھ سے ہیں، میں حسین سے ہوں

حضرت یعلی عامری (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کسی کی دعوت طعام پر گئے جب آپ تیار ہو کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لوگوں کے آگے آگے ہوئے ۔ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو پکڑنا چاہا تو حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کبھی ادھر اور کبھی ادھر بھاگنے لگے۔ ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہنسانے کے لئے اسکو پکڑ لیا پھر ایک ہاتھ گردن پر اور دوسرا ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھا۔ حضرت حسینؓ (نواسے) کے منہ پر منہ رکھ کر بوسہ دیا اور فرمایا حسینؓ مجھ سے اور میں حسینؓ سے ہوں ۔ اللہ اس سے محبت رکھے جو اس سے محبت رکھے۔ حسین بڑے قبیلوں کی طرح بڑا قبیلہ ہے (مناقب ص ۲۶۴)۔ کہ آپ کی اولاد سے دنیا بھر جائے گی۔

حضرت یعلی بن مرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: **حُسَيْنٌ مِّنِّيْ وَاَنَا مِنْ حُسَيْنٍ اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا ۔ حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِّنَ الْاَسْبَاطِ** (سنن الترمذی، ابواب المناقب ۴۰۲۸) حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے محبوب رکھے جو حسین نسے محبت رکھے۔ حسین نواسوں میں سے ایک نواسے ہیں۔ (میں اور حسین گویا ایک ہی ہیں) اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس سے محبت کرے جو حسین سے محبت کرے۔ حسین اسباط میں سے ایک سبط ہے، (میری اولاد میں سے ہیں)۔ اس حدیث مین تین فضیلتیں بیان کی گئی ہیں

(۱) **حُسَيْنٌ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْ حُسَيْنٍ** ، ان کلمات طیبات میں انتہائی محبت، اپنائیت اور دلی تعلق اور لگاؤ کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور واضح کیا کہ میں اور میرا حسین ایک جان دو قالب ہیں ہم دونوں کے درمیان ایسا جسمانی و روحانی رشتہ اور قرب و اتصال ہے کہ جس طرح مجھ سے محبت رکھنا واجب ہے اسی طرح حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت رکھنا واجب ہے اور جس طرح میری مخالفت حرام ہے اسی

طرح حسین (رضی اللہ عنہ) سے لڑنا حرام ہے (مظاہر حق)۔

حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْن ۔ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) مجھ سے ہیں کہ وہ میرے نواسے ہیں۔ میری بیٹی کے بیٹے ہیں

اور شجر محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سب پھل پھول ہیں کیونکہ والد ونانا درخت کے قائم مقام ہوتے ہیں اور بیٹے نواسے سب شاخوں پھولوں کی طرح اس لئے ہر کمال کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

امام بوصیری فرماتے ہیں

وَکُلُّھُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللہِ مُلْتَمِسٌ ۞ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ

اور وہ سب آپ کے دریا علم وفضل سے ایک چلو یا آپ کے باران جود وکرم سے ایک گھونٹ پانے والے ہیں۔

اور خیال رہے کہ حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْ حُسَیْن ۔ جیسا ارشاد ہے بعض دیگر صحابہ کرام کے حق میں بھی فرمایا ہے۔

(۱) حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْعَبَّاسُ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ (ترمذی)، عباس مجھ سے ہیں اور میں عباس سے ہوں یعنی میرے خاص قرابتوں میں سے ہیں یا یہ کہ میرے اہل بیت سے ہیں۔

(۲) حضرت براء ابن عازب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ جب حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید (رضی اللہ عنہم) کے درمیان حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ) کی صاحبزادی کے بارے میں جھگڑا ہوا کہ کون ان کی پرورش کرے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا فیصلہ ان کی خالہ کے حق میں کیا کیونکہ ان کی خالہ حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) کے نکاح میں تھی۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو فرمایا: اَنْتَ مِنِّی وَاَنَا مِنْکَ، تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے ہوں۔

(۳) حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: اَشْبَهْتَ خَلْقِي وَ خُلُقِي، (بخاری کتاب الصلح) کہ تم صورت اور سیرت میں سب سے زیادہ مجھ سے مشابہت رکھتے ہو۔

حضرت زید (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا، کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مددگار ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشعریوں سے فرمایا: فَهُمْ مِنِّي وَاَنَا مِنْهُمْ۔ (بخاری کتاب الشرکت)۔ تو وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

حضرت ابو اشعری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اشعریوں کا جب دوران جہاد توشہ ختم ہونے لگے یا مدینہ منورہ میں ان کا سامان خورد و نوش تھوڑا رہ جائے تو وہ سارے بچے ہوئے کو ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں اور پھر ایک برتن کے ساتھ آپس میں تقسیم کرتے ہیں اور فرمایا: فَهُمْ مِنِّي وَاَنَا مِنْهُم،

(۴) حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جُلَیبیب (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں فرمایا: هٰذَا مِنِّي وَ اَنَا مِنْهُ هٰذَا مِنِّي وَاَنَا مِنْهُ (مسلم فضائل صحابہ باب فضائل جلیبیب)۔، یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس طرح حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اسی طرح بعض دیگر صحابہ سے بھی فرمایا ہے۔

حُسَيْنٌ مِنِّي وَاَنَا مِنْ حُسَيْن (میں حسین سے ہوں اور حسین مجھ سے ہے)۔ اس کی شرح میں علامہ علی قاری قاضی عیاض کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قَالَ الْقَاضِيْ كَاَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم عَلِمَ بِنُوْرِ الْوَحْيِ مَاسَيَحْدُثُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقَوْمِ فَخَصَّهٗ

بِالذِّکْرِ وَبَیَّنَ اَنَّہُمَا کَالشَّیْئِ الْوَاحِدِ فِیْ وُجُوْبِ الْمَحَبَّۃِ وَحُرْمَۃِ التَّعَرُّضِ وَالْمُحَارَبَۃِ وَاَکَّدَ ذٰلِکَ بِقَوْلِہٖ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا فَاِنَّ مَحَبَّتَہٗ مَحَبَّۃُ الرَّسُوْلِ وَمَحَبَّۃُ الرَّسُوْلِ مَحَبَّۃُ اللّٰہِ (حاشیہ مشکوٰۃ، حاشیہ ۲:۱۷۵، مرقاہ ج ۱۱ص ۳۱۷)،

امام قاضی عیاضؒ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نور وحی سے جان لیا تھا جو کچھ ہونے والا تھا حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) اور لوگوں کے مابین، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کا خاص ذکر کیا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام حسین (رضی اللہ عنہ) ایک ذات کی طرح ہیں محبت کے واجب ہونے میں اور لڑائی کے حرام ہونے میں (یعنی ان کے ساتھ محبت کرنا واجب ہے اور ان سے لڑائی کرنا حرام ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی تاکید کی اس فرمان کے ساتھ: اللہ اس سے محبت کرے جو حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت کرتا ہے کیونکہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اللہ جلا جلالہ سے محبت ہے۔

حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت رکھنے والے سے اللہ محبت فرماتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا**۔ اللہ اس سے محبت رکھے جو حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت کرے

اس حدیث کے ماتحت علامہ علی قاری فرماتے ہیں:

فَاِنَّ مَحَبَّۃَ حُسَیْنٍ مَحَبَّۃُ الرَّسُوْلِ وَ مَحَبَّۃُ الرَّسُوْلِ مَحَبَّۃُ اللّٰہِ (مرقاۃ ج ۱۱ص ۳۱۷)

کہ بیشک حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اللہ تعالی کی محبت ہے۔

امام طبرانیؒ کبیر میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ یَعْنِی الْحُسَیْنَ (سبل الھدی والرشاد ج ۱۱ ص ۷۳) اے اللہ میں حسین سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما

اَحَبَّ اللّٰهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا ۔ اللہ اس کے ساتھ محبت کرتا ہے جو حسین سے محبت کرے۔ یا یہ معنی ہے اللہ اس سے محبت کرے جو حضرت حسین سے محبت کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعطائے الہی اور نور نبوت سے جان لیا تھا کہ عنقریب میری امت کے بعض لوگ میرے حسین کو بڑے ظالمانہ طریقہ سے شہید کردیں گے اور واقعہ کربلا کی سنگین صورت حال کو ملاحظہ فرما لیا تھا اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس حدیث میں حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی عظمت وفضیلت کو بیان فرمایا اور آنے والوں کو بتا دیا اور یہ احساس دلا دیا کہ حسین سے جنگ کرنا اور عداوت رکھنا عام قسم کی بات نہیں ہے بلکہ دنیا اور دین کی بربادی کا موجب ہے اور ان سے محبت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے۔

امام رزین بن عبید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ کُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَأَتٰی عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: مَرْحَبًا بِالْحَبِیْبِ بْنِ الْحَبِیْبِ (التاریخ الکبیر ا، ۳۲۴)، میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس موجود تھا کہ آپ کے پاس علی بن حسین آئے، تو ابن عباس نے فرمایا پیارے باپ کے پیارے بیٹے کو خوش آمدید۔

(۳) حضرت حسین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسہ ہیں

امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں وقیل سبط الرجل ولد ولدہ علی ما روی ان الحسن والحسین سبطا رسول اللہ ﷺ (تاویلات القرآن ج ۶ ص ۸۶)

حسین سبط من الاسباط، حسین نواسوں میں سے ایک نواسہ ہے۔

سِبْطٌ بِکَسْرِ السِّیْنِ وَفَتْحِ الْمُوَحَّدَةِ اَیْ وَلَدُ اِبْنَتِہٖ (مرقاۃ ج ۱۱ ص ۳۱۷)۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو سبط فرمایا ہے۔
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں سبط سین کے نیچے زیر اور باء ساکن ہے، اولاد کی اولاد، اس کے جمع اسباط ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے بھی اسباط کہلاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے اسباط اسی طرح تھے جس طرح عرب کے قبائل ہیں۔ سبط باء کی حرکت کے ساتھ، اصل میں اس درخت کو کہتے ہیں جس کے تنے بہت ہوں اور جڑ ایک ہو۔ سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) سبط کہنے میں اشارہ ہے کہ ان کی نسل سے بہت سی مخلوق پیدا ہوگی۔ (اشعۃ اللموات اردو)
اور اسباط کا ماخذ سبط ہے زبر کے ساتھ اور سبط ایسے درخت کو کہتے ہیں جسکی بہت سی شاخیں ہوں اور اس کی اصل ایک ہو گویا باپ درخت کے قائم مقام ہے اور اولاد بمنزلہ اسکی شاخوں کے۔

وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُرَادُ هٰهُنَا عَلٰى مَعْنٰى اَنَّهٗ يَتَشَعَّبُ مِنْهُ قَبِيْلَةٌ وَيَكُوْنُ مِنْ نَسْلِهٖ خَلْقٌ كَثِيْرٌ فَيَكُوْنُ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ نَسْلَهٗ يَكُوْنُ اَكْثَرَ وَاَبْقٰى وَكَانَ كَذٰلِكَ
(حاشیہ مشکواۃ)، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں مراد ہو کہ آپ سے ایک قبیلہ پھیلے گا اور آپ کی نسل میں بہت افراد ہوں گے تو یہ ایک اشارہ ہے کہ آپ کی نسل زیادہ ہوگی اور باقی رہے گی، چنانچہ اسی طرح ہوا۔

اَلسِّبْطُ بِكَسْرِ السِّيْنِ وَلَدُ الْوَلَدِ مَأْخُوْذٌ مِنَ السَّبَطِ بِالْفَتْحِ وَهُوَ شَجَرَةٌ لَّهٗ اَغْصَانٌ كَثِيْرَةٌ وَاَصْلُهٗ وَاحِدٌ وَيُطْلَقُ عَلَى الْقَبِيْلَةِ اِشَارَةٌ اِلٰى اَنَّ نَسْلَهٗ يَكُوْنُ اَكْثَرَ وَاَبْقٰى وَقِيْلَ فِيْ تَفْسِيْرِهٖ اِنَّهٗ اُمَّةٌ مِّنَ الْاُمَمِ كَذَا فِي اللَّمْعَاتِ (مشکواۃ، حاشیہ ۳:۱۷۵)،

لفظ سِبط سین کے کسرہ کے ساتھ کا معنی بیٹے کا بیٹا ہے۔ یہ ماٴخوذ ہے سَبط سے سین کے فتح کے ساتھ۔ سَبط اس درخت کو کہتے ہیں جس کی شاخیں بہت ہوں لیکن اس کی جڑ ایک ہو۔ اور لفظ سبط قبیلہ پر بھی

بولا جاتا ہے جو اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی نسل زیادہ ہوگی اور باقی رہے گی۔ اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ امتوں میں سے ایک امت ہیں۔ ابو بکر بن شبیہ یعلی عامری (رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حُسَيْنٌ مِنِّي وَ اَنَا مِنْ حُسَيْنٍ رَحِمَ اللهُ مَنْ اَحَبَّ حُسَيْنًا حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ (سبل الهدی والرشاد ج ۱۱ ص ۷۲)۔ حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں اللہ رحم فرمائے اس پر جو محبت کرے حسین سے۔ وہ نواسوں میں سے ایک نواسہ ہیں۔

سِبْطٌ مِنَ الْاَسْبَاطِ نواسوں میں سے ایک نواسہ ہے۔ اور سبط بیٹے اور بیٹی کے بیٹے کو بھی کہا جاتا ہے۔ لفظ سبط پوتوں اور نواسوں دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ اِنَّهٗ يَشْمَلُ وَلَدُ الْاِبْنِ وَوَلَدُ الْاِبْنَةِ سبط بیٹے بیٹی دونوں کی اولاد کو شامل ہے۔ (تاج العروس ج ۵ ص ۱۴۸، لسان العرب ج ۹ ص ۱۸۱)۔ لفظ سبط نواسے پر بولنا جانا زیادہ مشہور ہے۔ تو یہاں سبط کا معنی نواسا ہے۔ کیونکہ حضرت حسین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسا تھے۔

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: وَمَاخَذُهٗ مِنَ السَّبْطِ بِالْفَتْحِ وَ هِيَ شَجَرَةٌ لَهَا اَغْصَانٌ كَثِيْرَةٌ وَاَصْلُهٗ وَاحِدٌ كَاَنَّ الْوَالِدَ بِمَنْزِلَةِ الشَّجَرَةِ وَالْاَوْلَادَ بِمَنْزِلَةِ اَغْصَانِهَا (مرقاہ ج ۱۱ ص ۳۱۷)،

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی فرماتے ہیں، سبط وہ درخت ہے جس کی جڑ ایک ہو اور شاخیں بہت یعنی جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اسباط کہلاتے تھے کہ ان سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل شریف بہت چلی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا (سورہ اعراف ۷: ۱۶۰) اور ہم نے بانٹ دیا انہیں بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں ہیں۔

ایسے ہی میرے حسین سے میری نسل چلے گی اوران کی اولاد سے مشرق ومغرب بھرے جائے گا۔!
آج سادات کرام مشرق ومغرب میں ہیں۔اور سبط بیٹے اور بیٹی کے بیٹے کو بھی کہا جاتا ہے اس فرمان عالی کاظہور ہے۔(مراۃ شرح مشکوۃ،ج۸:۴۸۰۔۴۷۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت قاسم، حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہما) مکہ معظّمہ میں فوت ہوں گےتومشرکین نے کہا اِنَّ مُحَمَّدً اَبۡتَرٌ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منقطع النسل ہیں (معاذ اللہ)، کہ ان کا کوئی نام لینے والا نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کا دفاع کرتے ہوئے سورۂ کوثر نازل فرمائی اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ۔فرمایا کہ ہم نے آپ کو بکثرت جسمانی اور روحانی اولاد عطاء فرمائی جس سے آپ کا ذکر ہمیشہ ہمیشہ رہتا رہے گا ابتر تو آپ کا دشمن ہے اس لئے کہ اس کا نام لینے والا نہیں ہوگا۔اور دنیا نے دیکھ لیا کہ وہی ہوا ہے جو اللہ نے فرما دیا تھا۔ ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے۔ نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) آسمان زمین والوں کے محبوب ہیں

حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہ) کعبہ شریف کے سامنے بیٹھے تھے کہ آپ نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو آتے دیکھا تو فرمایا: هٰذَا اَحَبُّ اَهۡلِ الۡاَرۡضِ اِلٰی اَهۡلِ السَّمَآءِ۔ یہ اہل آسمان کو اہل زمین سے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔(البدایہ والنہایہ،ج۸:۲۱۵)۔
یعنی حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے زمین والے محبت کرتے ہیں اور آسمان والے بھی محبت کرنے والے ہیں۔

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ مشابہ تھے

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس حضرت حسین (رضی

اللہ عنہ) کا سر لایا گیا اور ایک طشت میں رکھا گیا۔ عبید اللہ ان کی آنکھ اور ناک میں چھڑی کو ٹھونکنے لگا اور ان کے حسن کے بارے میں کچھ کہا تو اس پر حضرت انس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَ كَانَ مَخْضُوْبًا بِالْوَسْمَةِ ، (الصحیح البخاری، فضائل اصحاب النبی، ۳۷۴۸) کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ تھے۔ اور آپ وسمہ کا خضاب لگائے ہوئے تھے۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں مجھے محمد بن ضحاک خرانی نے بتایا كَانَ وَجْهُ الْحَسَنِ يُشْبِهُ وَجْهَ رَسُوْلَ اللهِ وَ كَانَ جَسَدُ الْحُسَيْنِ يُشْبِهُ جَسَدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ (البدایہ والنہایہ) کہ حسن (رضی اللہ عنہ) کا چہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ کے مشابہ تھا اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا جسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کے مشابہ تھا۔

وسمہ لگانے کا مسئلہ

ابن جریج کہتے ہیں میں نے عمرو بن عطا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کو میں نے ضباغ (رنگنا) کرتے ہوئے دیکھا جب کہ ان کی عمر ساٹھ سال کی تھی اپ کے سر اور ڈاڑھی کے بال خوب سیاہ تھے (البدایہ والنھایہ) بعض لکھتے ہیں کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۵۴ سال تھی۔

ایک اور روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرت انس (رضی اللہ عنہ) نے کہا میں نے کہا اپنی چھڑی اٹھا کہ میں نے اس جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منہ مبارک دیکھا ہے کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو چومتے تھے اور وسمہ سے رنگا ہوا تھا یعنی مائل بسیاہی تھا کہ اس سے خضاب (رنگا) کیا کرتے تھے (فیض الباری پ ۱۴ کتاب المناقب)

عامر نے کہا کہ میں نے حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ آپ (رضی اللہ عنہ) بالوں کو وسمہ کے خضاب لگاتے تھے اور ہر رمضان میں ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے اور میں نے دیکھا کہ آپ

(رضی اللہ عنہ) اون کا جبہ پہنتے تھے ۔(ترجمۃ الامام الحسین ومقتلہ ص ۱۸)

آپ داڑھی اور سر کو کونسا خضاب لگاتے تھے کس چیز سے رنگا کرتے تھے اس بارے میں سدی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ آپ کی داڑھی سخت سیاہ تھی اور آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے علی بھی تھے ۔طلحہ بن عمرو بن عطاء اور عبید اللہ بن ابی یزید مکیین بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حسین بن علی کی طرف دیکھا اور وہ اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو سیاہ کرتے تھے۔

مولی حباب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ وہ سیاہ خضاب لگاتے تھے۔سعید بن ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا وہ بالوں کو سیاہ رنگ لگاتے تھے۔

عیذار بن حریث نے کہا کہ میں نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ بیل بوٹے والی چادر پہنے ہوئے تھے اس حال میں کہ اپنی داڑھی اور اپنے سر کے بالوں کو مہندی اور کتم سے رنگا ہوا تھا (ترجمۃ الامام الحسین ومقتلہ ص ۱۴۱ فوائد نافعہ ص ۲۰۱)

علامہ عبدالغنی نابلسی (متوفی ۱۱۴۲) لکھتے ہیں: خَضَبَ جَمَاعَةٌ بِالسَّوَادِ رُوِيَ ذٰلِكَ عَنْ عُثْمَانَ وَالْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَّ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَّابْنِ سِرِيْنِ وَاَبُو بَرْدَةَ وَاٰخَرِيْنَ (الحدیقۃ الندیۃ ج ۲ ص ۵۸۱،مطبوعہ الحقیقۃ ترکی)۔

ایک جماعت نے سیاہ خضاب لگایا ہے۔ یہ بات حضرت عثمان، حضرت حسین، حضرت عقبہ بن عامر ،ابن سرین اور ابو بردہ ((رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے۔مجاہدین کے لئے سیاہ خضاب (رنگ) کرنا جائز ہے مگر اس کا جواز بھی کسی حدیث میں نہیں آیا ہے۔ممکن ہے آپ (رضی اللہ عنہ) جہاد کی بناء پر سیاہ خضاب لگاتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) تو حنا اور کتم سے خضاب لگاتے

ہوں جو سرخی مائل ہو جو بالکل درست ہے بعض علماء نے سیاہ خضاب کو بالکل حرام قرار دیا ہے بعض جواز کے قائل ہیں اور تائید و تردید میں رسائل اور فتاوے لکھے گئے ہیں مگر سیاہ خضاب نہ لگانا ہی بہتر ہے (واللہ اعلم)۔

علامہ انور شاہ کشمیری وسمہ کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں انه يجوذ اذا كانت تلوح فيه الزُّرْقَةُ وَلَمْ يَكُنْ اَسْوَدَ حَالِكًا هٰكَذَا يُسْتَفَادُ مِنْ كَلَامِ مُحَمَّدٍ فِي المؤطا ثم جائز عند فِي الْجِهَادِ لارهاب العدو وان كان اسود حالكا و كذا لمن تزوج جاريةً حديثة التسن (فیض الباری ج ۴ ص ۴۹۲)

گستاخی کی سزا

اور یہ گستاخی عبید اللہ بن زیاد نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے سر اقدس کے ساتھ اس وقت کی تھی جب آپ (رضی اللہ عنہ) کے سر پاک کو شہادت کے بعد اس کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) بے مثل حسن و جمال والے تھے کیونکہ آپ شبیہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے بعد میں جلد ہی حق تعالیٰ نے ابن زیاد کو اس گستاخی کی وجہ سے اپنے عذاب میں پکڑ لیا تھا۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (سورہ بروج ۸۵:۱۲)، بیشک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کا عراقی لوگوں پر تعجب کرنا

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ محرم (احرام والا حج و عمرہ میں) اگر مکھی مار ڈالے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا: کہ عراق والے مکھی مارنے کے بارے میں پوچھتے ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :هُمَا رَيْحَانَىَّ مِنَ الدُّنْيَا (الصحیح البخاری ، فضائل اصحاب النبی ، ۳۷۵۳)، وہ دونوں میرے دنیا کے پھول ہیں۔

اہل عراق پر تعجب ہے کہ انہوں نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو ظلما شہید کیا اور ان کا کوئی احترام ملحوظ نہ رکھا مگر احرام کی حالت میں مکھی مارنے کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں کہ کیا مارنا جائز ہے یا نہیں۔ معمولی قصور کا خیال ہے اور بڑے جرم کا ان کو احساس نہیں ہے۔ افسوس ہے بہر حال احرام کی حالت میں مکھی مارنے سے دم لازم نہیں ہوتا، صدقہ دینا پڑتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مچھر کے خون کے بارے میں پوچھا۔

عبدالرحمن بن ابی نعم سے روایت ہے کہ ایک عراقی نے حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہما) سے پوچھا کپڑے پر مچھر کا خون لگ جائے تو کیا حکم ہے؟ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا اس کی طرف دیکھو مچھر کے خون کا مسئلہ پوچھتا ہے حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے (نواسے) کو شہید کیا۔ اور میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا حضرت حسن اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہما) میرے دنیا کے پھول ہیں۔ (ترمذی، ابواب المناقب)۔

شیخ منصور علی ناصف (متوفی ۱۳۷۱ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے سائل کو جواب نہیں دیا تھا شاید کہ وہ سرکش انسان تھا اس لئے اس سے اعراض فرما دیا۔ اور جواب اسکا یہ ہے کہ محرم کے لئے مکھی مارنا جائز نہیں اور جب اس نے مکھی کو مار ڈالا تو اس پر صدقہ واجب ہے۔ اور مچھر کا خون کپڑے پر لگ جائے اگر زیادہ ہو تو اسکے خون کی پلیدی کو دور کرنا ضروری ہے ۔ (حاشیہ التاج الجامع لاصول ج ۳ ص ۳۵۶)۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی نعم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنَّ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ العِرَاقِ سال ابن عمر عن دم البَعُوْضِ يُصِيْبُ الثَّوْبَ؟ فقال ابن عمر انظر الى هذا يَسْأَلُ عن دَمِ البَعُوْضِ وَقَدْ قَتَلُوْا ابْنَ رسول الله ﷺ سَمِعْتُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّ الحسنَ وَالحسينَ هُمَا رَيحَانَتَایَ مِنَ الدُّنْيا (جامع الترمذی) کہ عراقیوں سے آدمی نے

حضرت عبداللہ بن عمر سے سوال کیا کہ کپڑے پر مچھر کا خون لگ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ حضرت عبد اللہ بن عمر نے کہا کہ اس شخص کی طرف دیکھو، مچھر کے خون کے بارہ میں سوال کرتا ہے حالانکہ انکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے کو شہید کیا اور بے شک میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ حسن وحسین (رضی اللہ عنہما) میرے دنیا کے دو پھول ہیں۔

اہل عراق کے نزدیک مکھی کا خون بہانا سے سنگین تھا۔ اور مچھر کے خون کا محرم کے کپڑوں پر لگ جانا خون حسین کے بہانے سے سنگین تھا۔ اس لئے حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ ان پر تعجب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کے نزدیک حضرت کو ظلماً شہید کرنا انتہائی نہ پسندیدہ فعل تھا۔

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے لئے دعا

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں، (حضرت) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سنا کہ حسین (رضی اللہ عنہ) بچہ ہی تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دونوں کلائیوں کو پکڑا اس وقت (حضرت) حسین (رضی اللہ عنہ) کے قدم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت قدم پر تھے۔ پھر فرمایا: چڑھو چڑھو!۔ حسین (رضی اللہ عنہ) اوپر کو چڑھتے جاتے تھے حتی کہ ان کے پاؤں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ پر تھے اور منہ کے برابر منہ تھا۔ پھر فرمایا: منہ کھولو! انہوں نے منہ کھولا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا منہ چوم لیا۔ اور زبان سے فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَحِبَّهٗ فَاِنِّیْ اُحِبُّهٗ۔ الٰہی میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما۔ (رحمۃ اللعالمین ۱۱۹)۔

سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کی مرویات کی تعداد

صفی الدین احمد حزرجیؒ (متوفی ۹۲۳ھ) نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے تذکرہ میں ذکر کیا ہے: رَوٰی عَنْ جَدِّهٖ ثَمَانِيَةَ اَحَادِيْثَ وَ عَنْ اَبِيْهِ وَ عَنْ اُمِّهٖ وَ عُمَرَ (حسنین شریفین

بحوالہ تہذیب الکمال ج ۲ ص ۲۲۸)، کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آٹھ احادیث روایت کی ہیں اور اپنے والد علی مرتضی سے بھی روایت نقل کی ہیں اور اپنی والدہ سیدہ فاطمہ الزہراء اور عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) سے بھی۔ چونکہ حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت چھوٹی عمر کے چھ سال تھے اس لئے ان کی روایات اپنے اکابر اور دیگر صحابہ کرام سے منقول ہیں البتہ محدثین نے خود ان سے بھی بعض روایات نقل کی ہیں ان میں سے چند روایات یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِنَّ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ قِلَّۃَ الْکَلَامِ فِیْمَا لَا یَعْنِیْہِ (مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ح ۱۷۳۲) انسان کے اسلام کی خوبی ےہ ہے کہ وہ بیکار کاموں میں کم از کم گفتگو کرے اور انہیں چھوڑ دے۔ امام زہریؒ نے حضرت علی بن حسین (رضی اللہ عنہ) سے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہُ مَالَا یَعْنِیْہِ، انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بے کار کاموں کو چھوڑ دے (کہ جن میں دین اور دنیا کا کوئی فائدہ نہ ہو)۔

ان دونوں حدیثوں کا مفہوم ایک ہی بنتا ہے صرف الفاظوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلْبَخِیْلُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ ثُمَّ لَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ ﷺ (مسند احمد) اصل بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ اور وہ مجھ پر زیادہ درود نہ پڑھے۔

حضرت سیدنا حسن (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے: سَاَلْتُ خَالِیْ ھِنْدَ بْنَ اَبِیْ ھَالَۃَ وَ کَانَ وَصَّافًا عَنْ حُلْیَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَ اَنَا اَشْتَھِیْ اَنْ یَّصِفَ لِیْ مِنْھَا شَیْئًا ...قَالَ

الْحَسَنُ: فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا، ثُمَّ حَدَّثْتُهُ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِيْ اِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَمَّا سَأَلْتُهُ عَنْهُ (الشمائل المحمدیۃ، ۷۔۴ ما جاء فی تواضع رسول اللہ، ۱۶۰)

میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہؓ سے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرنے میں ممتاز تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ سنا...... آپ نے فرمایا کہ کچھ عرصہ تک اس کا ذکر حسین (رضی اللہ عنہ) سے نہ کیا۔ پھر جب میں نے ذکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پیشتر ہی دریافت کر چکے اور سن چکے تھے۔ بلکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد و رفت کے متعلق کچھ زائد معلومات بھی حاصل کر رکھی تھیں۔

مسند احمد و سنن ابو داؤد میں ایک اور حدیث مرفوعاً حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَاِنْ جَآءَ عَلٰى فَرَسٍ (مسند احمد، ۱: ۱۷۳۵) (سنن ابو داود، کتاب الزکوۃ: ۱۶۶۲)۔ سائل کا حق قائم ہو جاتا ہے خواہ وہ گھوڑے پر ہی سوار آئے۔ حضرت سیدہ فاطمہ بنت حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے والد گرامی حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے سنا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: مَا مِنْ مُّسْلِمٍ وَّلَا مُسْلِمَةٍ تُصِيْبُهٗ مُصِيْبَةٌ وَاِنْ قَدِمَ عَهْدُهَا فَيُحْدِثُ لَهَا اِسْتِرْجَاعًا اِلَّا اَحْدَثَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ ذَالِكَ وَاَعْطَاهُ ثَوَابَ مَا وَعَدَهٗ بِهَا يَوْمَ اُصِيْبَ بِهَا (اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۵، مشکوۃ حدیث ۱۷۵۹)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس مسلمان مرد یا عورت کو کوئی مصیبت پہنچی ہو اگرچہ اس کو بہت زمانہ گزر چکا ہو اور وہ از سر نو اس کے لئے، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے۔ تو اللہ تعالیٰ اسے سر نو اسی قدر ثواب عنایت فرماتا ہے جس قدر اس مصیبت کے دن کا وعدہ فرمایا تھا۔ حضرت حسین بن علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَمَانُ اُمَّتِيْ مِنَ الْغَرَقِ اِذَا رَكِبُوا الْبَحْرَ اَنْ يَّقْرَءُوا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَ مُرْسَاهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ

رَّحِيۡمٌ (سورہ ہود ۴۱)، میری امت کو ڈوبنے سے امان ہے جب وہ دریا کا سفر کریں تو یہ آیت پڑھ لیا کریں بِسۡمِ اللّٰہِ مَجۡرٖھَا وَ مُرۡسَاھَا اِنَّ رَبِّیۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِیۡم (اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۵)۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: وَ رَوَی الۡحُسَیۡنُ عَنۡ اَبِیۡہِ وَ اُمِّہٖ وَ خَالِہٖ ھِنۡدِ بۡنِ اَبِیۡ ھَالَۃَ وَ عُمَرَ وَ رَوَی عَنۡہُ اَخُوۡہُ الۡحَسَنُ وَ بَنُوۡہُ عَلِیٌّ زَیۡنُ الۡعَابِدِیۡنَ وَ فَاطِمَۃُ وَسَکِیۡنَۃُ (الاصابہ ج۱ ص ۳۳۱)

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے والد، والدہ، اپنے ماموں ھند بن ابی ھالہ اور حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) سے نقل کیا۔ اور ان کی روایت کو نقل کرنیوالے آپ کے بھائی حسن (رضی اللہ عنہ) اور آپ کے بیٹے زین العابدین (رضی اللہ عنہ) اور آپ کی صاحبزادیاں فاطمہ اور سکینہ (رضی اللہ عنہما) ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانیؒ (متوفی ۸۵۲ھ) رقمطراز ہیں: رَوَی عَنۡ جَدِّہٖ وَاَبِیۡہِ وَاُمِّہٖ وَخَالِہٖ ھِنۡدِ بۡنِ اَبِیۡ ھَالَۃَ وَعُمَرَ بۡنِ الۡخَطَّابِ وَ عَنۡہُ اَخُوۡہُ الۡحَسَنُ وَبَنُوۡہُ عَلِیٌّ وَ زَیۡدٌ وَسَکِیۡنَۃُ وَفَاطِمَۃُ وَابۡنُ اِبۡنِہٖ اَبُوۡ جَعۡفَر الۡبَاقِرُ وَالشَّعۡبِی وَعِکۡرَمَۃُ وَ کُرۡزُ التَّمِیۡمِیۡ وَسِنَانُ بۡنُ اَبِیۡ سِنَانَ الدَّوۡلِیۡ وَعَبۡدُ اللّٰہِ بۡنُ عَمۡرَوبۡنِ عُثۡمَانَ وَالۡفَرۡزۡدَقُ وَجَمَاعَۃٌ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۲۷، تاریخ الاسلام ص ۹۴) سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) نے روایت کیا ہے اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باپ، والدہ، ماموں ھند بن ابی ھالہ اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) سے۔ اور ان سے روایت کرنے والے ان کے بھائی امام حسن، ان کی اولاد میں سے علی، زید، فاطمہ، سکینہ، ان کے پوتے ابوجعفر الباقر، نیز شعبی، عکرمہ، کرز تمیمی، سنان بن ابی سنان دولی، عبداللہ بن عمر، عثمان، فرزدق ہیں۔ ایک اور جماعت نے بھی آپ سے روایت

کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں : **وَقَدْ حَفِظَ الْحُسَیْنُ اَیْضًا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَ رَوٰی عَنْهُ اَخْرَجَ لَهٗ اَصْحَابُ السُّنَنِ اَحَادِیْثَ یَسِیْرَۃً** (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۲) اور بیشک حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی حدیثیں یاد کی تھیں ان کے لئے اصحاب سنن نے تھوڑی اور قلیل حدیثوں کی تخریج کی ہے یعنی زیادہ حدیثیں مروی نہیں ہیں

حضرت حسین بہت بڑے علماء وفضلاء صحابہ میں تھے

اسلام کے مشہور تاریخ لکھنے والے علامہ ابن عبد البر، امام نووی اور علامہ ابن اثیر سب نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ: امام حسین (رضی اللہ عنہ) بہت بڑے عالم وفاضل تھے۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی حدیثیں لوگوں سے بیان کیں۔ جن بزرگوں نے آپ سے حدیثیں سن کر دوسروں سے روایت کیں ان میں آپ کے بڑے بھائی حضرت حسن، آپ کے صاحبزادے علی اور زید، صاحبزادی فاطمہ اور سکینہ، پوتے ابوجعفر الباقر عام راویوں میں شعبی ،عکرمہ، کرز التیمی ، سنان بن ابی سنان ، دؤلی عبداللہ بن عمرو بن عثمان اور فرزدق مشہور ہیں۔

اس زمانے کے لوگ مسئلے مسائل اور فتوی حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے پوچھتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) جو عمر میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے بڑے اور خود بھی بڑے عالم وفاضل تھے اکثر مسائل حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے پوچھتے ہیں۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) شاعر بھی تھے اور بہت بڑے فصیح وبلیغ خطیب بھی تھے۔ آپ (رضی اللہ عنہ) کی فصاحت وبلاغت کا اندازہ ان خطبات سے لگایا جاسکتا ہے جو آپ نے حر بن یزید کے سامنے اور نیز دیگر مختلف اوقات میں دوران جہاد پیش کئے تھے۔

حافظ قرآن تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور کتاب اللہ تعالیٰ کے معانی پر آپ کی خاصی نگاہ تھی۔

اطاعت خدا اور اتباع نبوی میں کامل تھے۔تقوی وطہارت اور حق گوئی و بے باکی اور جہاد فی سبیل اللہ آپ کا شعار تھا۔

حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کے ارشادات

آپ (رضی اللہ عنہ) کے ارشادات بڑے حکیمانہ اور اخلاق وحکمت کا سبق ہیں۔ چنانچہ راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو فرماتے ہوئے سنا:

اَلصِّدْقُ عِزٌّ وَالْکِذْبُ عَجْزٌ وَالسِّرُّ اَمَانَۃٌ وَالْجِوَارُ قَرَابَۃٌ وَالْمَعُوْنَۃُ صَدَاقَۃٌ وَالْعَمَلُ تَجْرِبَۃٌ وَالْخُلُقُ الْحَسَنُ عِبَادَۃٌ وَالصَّمْتُ زَیْنٌ، وَالشُّحُّ فَقْرٌ وَالسَّخَاءُ غِنًی وَالرِّفْقُ لُبٌّ (تاریخ یعقوبی ۲:۲۴۲)، سچائی عزت ہے، جھوٹ عجز ہے، رازداری امانت، حق جوار قرابت ہے، امداد دوستی ہے، عمل تجربہ ہے، حسن خلق عبادت ہے، خاموشی زینت ہے، بخل فقر ہے، سخاوت دولت مندی ہے، نرمی عقلمندی ہے۔آپ (رضی اللہ عنہ) بہت بڑے خطیب اور شاعر بھی تھے۔آپ ؑ کے خطبات کا ذکر واقعہ شہادت کے سلسلے میں آتا ہے اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے متعدد اشعار تاریخ ابن کثیر میں مذکور ہیں جو وسعت علمی پر دلادت کرتے ہیں۔

حضرت سیدنا حسین ؓ اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اختیار کی حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے راضی ہونے کی حالت میں وصال فرمایا۔مگر آپ اس وقت چھوٹی عمر کے تھے یعنی چھ یا ساڑھے چھ برس کے تھے۔اور جب حضرت فاطمہ زہراء الزہراء رضی

اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو اس وقت حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی عمر ایک قول کے مطابق سات برس تھی۔

آپ نے حضرت فاطمہ، حضرت علی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں پرورش پائی اور نبوت کے گھر میں تعلیم وتربیت حاصل کی۔ جب ربیع الاول ۱۱ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوگیا اور چھ ماہ بعد حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے شفیق ترین نانا اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی شفیق ترین والدہ کے سایہ سے محروم ہو گئے لیکن حضرت علی (رضی اللہ عنہ) جیسے شفیق ترین باپ کی پدرانہ شفقت نے آپ کا غم دور کر دیا۔ حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ)

عہد صدیقی (رضی اللہ عنہ)

حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی عمر ۷ یا ۸ سال سے زیادہ نہ تھی اس لئے ان کے عہد کا کوئی واقعہ ذکر قابل ذکر نہیں ہے بجز اس کے کہ حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) (نواسہ) رسول کی حیثیت سے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو بہت مانتے تھے (سیر الصحابہ ج ۴ ص ۷ ۱۴) حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی بہت تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) سب ہی آپ کا احترام واکرام کیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: **ثُمَّ كَانَ الصِّدِّيْقُ يُكْرِمُهٗ وَ يُعَظِّمُهٗ وَ كَذٰلِكَ عُمَرُ وَ عُثْمَانُ** (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۸) پھر حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کی عزت اور تعظیم کرتے تھے اور اسی طرح حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کرتے تھے۔

عہد فاروقی (رضی اللہ عنہ)

حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) نے جب تمام مسلمانوں کے وظیفے مقرر کئے تو حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کا وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر فرمایا۔

ایک دفعہ یمن سے چادریں آئیں۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے صحابہ میں بانٹ دیں۔ چادریں بڑی تھیں اور ان میں سے کوئی حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے لائق نہ تھی۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) قبر انور اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ لوگ ان چادروں کو پہن پہن کر آپ کو شکریہ کے طور پر آکر سلام کر رہے تھے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا: تمہیں چادریں پہنے ہوئے دیکھ کر مجھ کو کوئی خوشی نہیں ہوئی۔ کیونکہ حسن و حسین کے جسم ان چادروں سے خالی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اسی وقت یمن کے حاکم کے نام حکم بھیجا کہ دو چادریں دونوں صاحبزادوں کے اندازے کے موافق بنا کر فوراً بھیجو۔ جب وہ چادریں آئیں تو خوش ہوئے اور فرمایا: اب مجھے خوشی ہوئی ہے۔

ایک دفعہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) سے ملنے کے لئے آپ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے تنہائی میں کچھ باتیں کر رہے تھے اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادے حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) دروازے پر کھڑے تھے۔ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) بھی انہیں کے پاس کھڑے ہو گئے اور تھوڑی دیر میں بغیر ملے حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ واپس ہو گئے۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: کہ آپ مجھے بغیر ملے کیوں واپس ہو گئے؟

امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا: کہ میں حاضر ہوا تھا میں نے دیکھا کہ آپ کے

صاحبزادے عبداللہ کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں، اس لئے میں عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کھڑا رہا۔ پھر انہیں کے ساتھ واپس ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: تمہیں ان کا ساتھ دینے کی کیا ضرورت تھی میرے نزدیک تم ان سے زیادہ حق رکھتے ہو جو کچھ ہماری عزت ہے وہ خدا کے بعد تم ہی لوگوں کی دی ہوئی ہے۔ (سیر الصحابہ بحوالہ ابن اثیر)

حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے بھی زیادہ مانتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) غنیمت کا مال تقسیم کرنے لگے۔ آپ نے یہ تقسیم حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) سے شروع کی اور ان کو ہزار درہم دیئے۔ اس کے بعد حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو ہزار درہم دیئے۔ پھر اپنے بیٹے حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کو پانچ سو درہم دیئے۔

حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا ابا جان جب یہ دونوں بچے تھے میں اس وقت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوتا رہا ہوں پھر بھی ان کو ایک ایک ہزار اور مجھ کو پانچ سو درہم دیئے جو میرے حق سے کم ہیں۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے غصہ سے جواب دیا: جاؤ! تم بھی ان کے باپ جیسا باپ، ان کی والدہ جیسی ماں، ان کے نانا جیسے نانا، ان کی نانی جیسی نانی، ان کے چچا جیسا چچا، ان کے ماموں جیسا ماموں اور ان کی خالہ جیسی خالہ لے آؤ جو تم کبھی نہیں لا سکتے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ ان کے والد حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ)، ان کی والدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، ان کے نانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان کی نانی حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا، ان کے چچا حضرت جعفر طیار (رضی اللہ عنہ)، ان کے ماموں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے ابراہیم (رضی اللہ عنہ)، اور ان کی خالہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور رقیہ رضی اللہ عنہا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیاں ہیں (ازالۃ الخفاء)۔

عہد عثمانی (رضی اللہ عنہ)

حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں آپ کا شباب تھا۔ آپ اچھے جوان اور سپاہی تھے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے دور میں بھی وظیفہ آپ کو برابر ملتا رہا۔ چنانچہ فتح طبرستان کے لشکر میں جو سعید بن العاص کی سرکردگی میں گیا تھا آپ سرفروشانہ شریک تھے۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے مکان کو جب باغیوں نے گھیر لیا تھا تو ان کی حفاظت کے لئے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے آپ کو مقرر کیا تھا۔ لیکن باغی کسی دوسری جانب سے مکان میں داخل ہو گئے اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا۔

عہد علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہ)

دور حیدری میں آپ اپنے والد حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کا دست و بازو رہے۔ جنگ جمل جنگ صفین کے سب معرکوں میں حصہ لیا۔ اور ۵۱ھ میں قسطنطیہ کے جہاد میں بھی شریک ہوئے تھے۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی شہادت ۴۰ھ کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں آپ آگے آگے تھے لیکن جب چھ ماہ بعد وہ امیر معاویہ کے حق میں دست بردار ہو گئے تو اس کو حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے سخت ناپسند کیا اور شدید ناگواری کا اظہار کیا۔ لیکن جب حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ میں اس بات کو تم سے زیادہ جانتا ہوں تو بھائی کی رائے کا احترام کیا اور خاموش ہو گئے۔ اور حضرت معاویہ بہت قائم رہے۔ حضرت حسن کی صلح سے خوش نہیں تھے مگر بھائی کی مخالفت بھی نہیں کرتے۔

عہد امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ)

جب حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) خلیفہ بنے تو حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) اپنے بھائی حسن (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ان کے پاس آتے جاتے رہے۔ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) آپ کا

بہت زیادہ احترام کرتے انہیں خوش آمدید کہتے اور کچھ عطاء کرتے ۔ ایک دفعہ انہیں دو لاکھ درہم دیتے ہوئے کہا، تم یہ لے لو اللہ کی قسم نہ مجھ سے پہلے تمھیں کسی نے اتنا مال دیا ہوگا اور نہ مرنے کے بعد کوئی دے گا۔

ذریعہ معاش

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا، اللہ کی قسم نہ تو نے اور نہ ہی تجھ سے پہلے کسی شخص نے ہم سے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) مالی حیثیت سے ہمیشہ فارغ البال رہے اور بہت عیش و آرام کے ساتھ زندگی بسر کی ۔ حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے زمانہ میں پانچ ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر کیا تھا جو حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ تک برابر ملتا رہا۔ اس کے بعد حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) نے خلافت سے دستبرداری کے وقت سیدنا امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے ان کے لئے دو لاکھ سالانہ مقرر کرا دیئے تھے۔ غرض اس حیثیت سے آپ کی زندگی مطمئن تھی ۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہما دونوں بھائی شکل وصورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ تھے۔ (سیر الصحابہ)
فضل شخص کو مال دیا ہوگا اور نہ ہی تو اور تیرے بعد کوئی شخص ہم سے افضل کو مال دے گا۔

جب حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کا انتقال ہوگیا، حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) ہر سال حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس آتے وہ ان کا احترام کرتے اور انہیں مال عطاء کرتے ۔ ۵۱ھ میں آپ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے بیٹے یزید کے ساتھ قسطنطنیہ کے غزوے میں شریک تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸)

معلوم ہوا کہ حسنین کریمین (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) حسن سلوک کرتے تھے اور ان کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے دور

میں حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا وظیفہ دس لاکھ درہم تک بڑھا دیا جو حسین (رضی اللہ عنہ) کو برابر ملتا رہا۔ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے بیٹے یزید کو اپنی زندگی میں اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ اور وصیت کی تھی کہ عراق والے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو تمہارے مقابلے میں لا کر چھوڑیں گے اس لئے جب وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں اور تم کو ان پر قابو حاصل ہو جائے تو درگذر سے کام لینا۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت (خاندان) ہیں ان کا بڑا حق ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے ہیں۔ (طبری)

مگر یزید نے چندروزہ بادشاہی کے نشہ میں آ کر اپنے والد کی وصیت کو فراموش کر دیا اور جو کچھ اس کو نہیں کرنا چاہیے تھا وہ کر بیٹھا تو اس کا نتیجہ ساری دنیا نے دیکھ لیا۔ ایک مسلمانوں کی جماعت یزید پر لعنت بھیجنا اور برا بھلا کہنا عبادت سمجھتے ہیں اور ۱۳۸۰ برس سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ اور ایک جماعت اس کی تعریف کرنے میں بہت ہی مبالغہ سے کام لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ افراط وتفریط کی مرض مہلک سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ (بندہ ناچیز غلام حسین عاصم ماتریدی)

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) عبادت الٰہیہ کے سب سے زیادہ پابند تھے

فضائل اخلاق میں رأس الاخلاق، عبادت الٰہی ہے۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو تمام عبادات خصوصاً نماز سے بڑا ذوق تھا۔ اس کی تعلیم بچپن میں خود صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کی تھی۔ اس تعلیم کا اثر یہ تھا کہ آپ بکثرت نمازیں پڑھتے تھے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے آپ کو بیویوں سے بھی ملنے کا کم موقع ملتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) سے کہا: تمہارے باپ کی اولاد کس قدر کم ہے۔ آپ نے فرمایا: اس پر تعجب کیوں ہے وہ رات اور دن میں ایک ایک ہزار نمازیں پڑھتے تھے۔ عورتوں سے ملنے کا انہیں موقعہ کہاں ملتا تھا۔ لیکن اس سے ان کی کثرت عبادات کا ضرور پتہ ملتا ہے۔

نماز اسلام کا دوسرا رکن ہے۔قرآن مجید میں سب سے زیادہ تاکید نماز کی ہی کی گئی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز کو قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا اور جس نے نماز کو چھوڑ دیا اس نے دین ہی کھو دیا۔

بچپن میں نماز کی تعلیم حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی۔اس کا یہ اثر تھا کہ آپ رات اور دن میں ایک ایک ہزار نفل پڑھتے تھے۔(یعقوبی، ۲: ۱۹۲)(تہذیب الکمال)۔اسی طرح دیگر ارکان اسلام روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ عبادات کو پابندی سے ادا کرتے تھے۔اور آپ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کا مجموعہ تھی۔ ارباب سیر لکھتے ہیں کہ: كَانَ الْحُسَيْنُ كَثِيْرَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ وَالْحَجِّ وَالصَّدَقَةِ وَاَفْعَالِ الْخَيْرِ جَمِيْعًا۔ (تاریخ یعقوبی) حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) بڑے نمازی، بڑے روزہ دار، بہت حج کرنے والے، بڑے صدقہ دینے والے اور تمام اعمال حسنہ کو کثرت سے کرنے والے تھے۔محمد رضا مصری لکھتے ہیں: فَقَدْ كَانَ فَاضِلًا كَثِيْرَ الصَّوْمِ وَ الصَّلٰوةِ وَ يُقَالُ اِنَّهٗ حَجَّ خَمْسًا وَّ عِشْرِيْنَ حَجَّةً مَاشِيًا فَيَكُوْنُ قَدْ حَجَّ وَ هُوَ بِالْمَدِيْنَةِ قَبْلَ دُخُوْلِهِ الْعِرَاقَ لِاَنَّهٗ لَمْ يَحُجَّ مِنَ الْعِرَاقِ وَكَانَ كَرِيْمًا كَثِيْرَ الصَّدَقِةِ وَ اَفْعَالِ الْخَيْرِ جَمِيْعًا (الحسن والحسین ص ۷۷)،

تو بیشک آپ فاضل بہت روزے رکھنے والے اور نماز پڑھنے والے تھے۔کہا جاتا ہے کہ آپ نے ۲۵ حج پیدل کئے اور اس وقت آپ مدینہ شریف میں تھے۔عراق میں داخل ہونے سے پہلے کیونکہ آپ نے عراق میں جانے کے بعد کوئی حج نہیں کیا۔آپ بہت بڑے سخی اور بہت صدقہ دینے والے اور تمام نیک کام کرنے والے تھے۔

حضرت ابوسباط (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت جابر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى سَيِّدِ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ

فَلْيَنْظُرْ اِلَى هٰذَا سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۱۳)، کہ جو جنت کے نوجوانوں کے سردار کو دیکھنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو دیکھے۔ یہ ارشاد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ امام احمد نے اسکو انفرادی طور پر بیان کیا ہے۔

وقار وسکینہ

سکینہ اور وقار آپ کا خاص وصف تھا۔ آپ کی مجلس وقار اور متانت کا مرقع ہوتی تھی۔ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے ایک شخص سے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی مسجد کا پتہ بتایا کہ جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں داخل ہو تو وہاں لوگوں کا ایک حلقہ نظر آئے گا۔ اس حلقہ میں لوگ ایسے سکون اور خاموشی سے بیٹھے ہوں گے کہ گویا ان کے سر پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ یہ ابو عبد اللہ (امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا حلقہ ہوگا۔

انکسار وتواضع

لیکن اس وقار وسکینہ کے باوجود تمکنت وخود پسندی مطلق نہ تھی اور آپ بے حد درجہ خاکسار اور متواضع تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص سے بے تکلف ملتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں کچھ فقرا کھانا کھا رہے تھے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو دیکھ کر انہیں بھی مدعو کیا۔ ان کی درخواست پر آپ (رضی اللہ عنہ) فوراً سواری سے اتر پڑے اور کھانے میں شرکت کر کے فرمایا: کہ تکبر کرنے والوں کو خدا دوست نہیں رکھتا اور ان فقرا سے فرمایا کہ میں نے تمہاری دعوت قبول کی ہے اس لئے تم بھی میری دعوت قبول کرو۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے انہیں گھر لے جا کر کھانا کھلایا۔ ایثار وحق پرستی آپ (رضی اللہ عنہ) کی کتاب فضائل اخلاق کا نہایت جلی عنوان ہے۔ اس کی مثال کے لئے تنہا واقعہ شہادت کافی ہے کہ حق کی راہ میں سارا کنبہ تہ تیغ کرا دیا لیکن ظالم حکومت کے مقابلہ میں سپر نہ ڈالی۔

خلق و بردباری

آپ کے کمال بردباری اور خلق عظیم کے بارے میں امام نجم الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ زیر آیت الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (سورۃ آل عمران آیت ۱۳۴)۔ وہ (پرہیز گار) جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگ دستی میں اور ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو اور درگزر کرنے والے ہیں لوگوں سے، اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے۔

روایت میں ہے کہ ایک روز بوستان ولایت اور حدیقہ ہدایت کا ثمر اولین سبط نبی ولی حسین ابن علی (رضی اللہ عنہ) اشرف عرب اور بڑے بڑے علماء مہمانوں کے ساتھ دسترخوان پر تشریف فرما تھے کہ آپ کا خادم شوربے کا پیالہ لے کر آیا اس خادم کے قدم لڑکھڑا گئے اور گھبراہٹ کے عالم میں پیالہ ہاتھ سے چھوٹ کر امام عالی مقام امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے سر پر گرا اور ٹوٹ گیا م تمام شوربہ آپ کے سرانور اور چہرہ مبارک پر گر پڑا تو آپ نے ناراضگی اور تعذیب کے بجائے نگاہ تادیب سے اس کی طرف دیکھا تو خادم کے ہوش اڑ گئے خوف اور پشیمانی کے عالم میں اچانک اس کی زبان سے نکلا۔ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ۔ امام عالی مقام نے فرمایا ہم نے اپنی ناراضگی ختم کر دی۔ خادم نے کہا وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ۔ امام نے فرمایا ہم نے تجھے معاف کر دیا۔ خادم نے آیت کریمہ کا آخری حصہ تلاوت کیا، وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ، سبط رسول نے فرمایا ہم تجھے اپنے مال سے آزاد کرتے ہیں اور جب تک تو زندہ ہے تیری ضروریات زندگی کے تمام اخراجات ہمارے ذمہ ہوں گے۔ (تفسیر حسینی، روضۃ الشہداء)۔

معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے صبر و تحمل اور بردبار تھے اور اپنے غلاموں پر کتنے شفیق و مہربان تھے اور اپنے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح معاف کر دینے والے تھے۔

استقلال رائے

حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) سراپا حلم تھے۔آپ (رضی اللہ عنہ) کے مزاج میں مطلق گرمی نہ تھی۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں بہت قدیم سے رقابت تھی۔لیکن سیدنا حسن (رضی اللہ عنہ) نے اس رقابت کو بھی دل سے فراموش کر دیا تھا۔اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بنی امیہ کے مقابلہ میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ اس باب میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا حال حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) سے بالکل مختلف تھا۔ بنی امیہ کے مقابلہ میں کسی دست برداری اور مصالحت کو پسند نہیں فرماتے تھے جس پر آپ کی تقریریں (رضی اللہ عنہ) شاہد ہیں۔ اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ جب سیدنا امام حسن (رضی اللہ عنہ) نے خلافت سے دستبرداری کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے نہایت سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی۔لیکن امام حسن (رضی اللہ عنہ) نے ان کی مخالفت کے باوجود اپنا ارادہ نہ بدلا اور خلافت سے دست بردار ہو کر دنیا کو بتلا دیا کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کے مقابلہ میں حکومت اور سلطنت کی بھی کوئی قیمت نہیں۔لیکن حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی یہ عصبیت بھی حق پرستی ہی کا نتیجہ تھی۔ اس لئے دونوں بزرگوں کے اوصاف اخلاق کے دو مختلف مظاہر تھے (سیر الصحابہ)

استقامت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ (سورہ احقاف ۴۶: ۱۳) ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے پس کوئی خوف نہیں انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

حق بات پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا بڑی ہمت اور جرأت کی بات ہے۔حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے صبر و استقامت کا وہ مظاہرہ کر دکھایا ہے کہ ساری انسانیت اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں

کر سکتی۔ مدینہ منورہ سے لے کر میدان کربلا تک صبر واستقامت سے کام لیا اور سب کو صبر واستقامت کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ اپنی عزیز ترین جان کو مع اپنے اعزء واقارب اور احباب کے راہ خدا میں قربان کر دیا۔ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) جنگ وجدال اور حصول اقتدار کے لئے کوفہ نہیں آئے تھے۔ بلکہ صرف وہ ان کی دعوت پر آئے تھے۔ اگر ان کا مقصد جنگ کرنا ہوتا تو لشکر جرار اور کثیر ساز وسامان لے کر آتے۔

حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کی ازواج رضی اللہ عنہن

(۱) صاحب سیر الصحابہ لکھتے ہیں کہ: آپ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں۔ آپ کی ازواج میں لیلی، حباب، حرار اور غزالہ تھیں۔ ان سے متعدد اولادیں ہوئیں۔ جن میں علی اکبر عبداللہ اور ایک چھوٹے صاحبزادے واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔ امام زین العابدین باقی تھے۔ ان ہی سے نسل چلی۔ صاحبزادیوں میں سکینہ، فاطمہ اور زینب تھیں (رضی اللہ عنہم) اجمعین۔

بعض پچھلی کتابوں میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے ازواج میں ایک نام یزدگرد شاہ ایران کی لڑکی شہر بانو کا بھی ملتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ حضرت امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) ان ہی کے بطن سے تھے لیکن کسی قدیم مأخذ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اس لئے قابل اعتماد نہیں اور یہ روایت ایرانیوں نے سیاسی مقصد کے لئے گھڑی ہے (سیر الصحابہ ج ۴)

(۲) اور ذخائر العقبی میں ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کے چھ بیٹے تھے اور تین بیٹیاں۔ بیٹوں میں سے حضرت علی اکبر جو شہید ہوئے تھے اپنے والد محترم کے ساتھ، امام زین العابدین، علی اصغر، محمد، عبداللہ جو اپنے والد محترم کے ساتھ شہید ہوئے تھے اور جعفر تھے۔ اور آپ (رضی اللہ عنہ) کی بیٹیاں حضرت زینب، سکینہ اور فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تھیں۔ (تاریخ الخمیس ۲: ۳۰۰)

(۳) ازواج کی تعداد

(۱) حضرت شہر بانو (۲) حضرت لیلیٰ (۳) حضرت ام اسحاق

(۴) حضرت قضاعیہ (۵) حضرت رباب رضی اللہ تعالیٰ عنھن ۔ (تاریخ یعقوبی)

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے چند اشعار اپنی زوجہ رباب بنت امراء القیس الکلبی اور اپنی بیٹی سکینہ کے حق میں پڑھتے تھے:

لَعَمْرُكَ اِنَّنِي لَاُحِبُّ اَرْضًا ❁ تَحُلُّ بِهَا سَكِيْنَةُ وَ الرَّبَابُ

اُحِبُّهُمَا وَ اَبْذُلُ جُلَّ مَالِيْ ❁ وَلَيْسَ لِعَاتِبٍ عِنْدِيْ عِتَابُ

فَلَسْتُ لَهُمْ وَاِنْ غَابُوْا مُضِيْعًا ❁ حَيَاتِيْ اَوْ يُغَيِّبَنِي التُّرَابُ

كَاَنَّ اللَّيْلَ مَوْصُوْلٌ بِلَيْلٍ ❁ اِذَا زَارَتْ سَكِيْنَةُ وَالرَّبَابُ

ترجمہ: سچ تو یہ ہے کہ میں اس جگہ سے الفت رکھتا ہوں جہاں سکینہ اور رباب ٹھہری ہوئی ہیں۔ مجھے ان دونوں سے محبت ہے میں ان پر دولت کثیر خرچ کرتا ہوں اور عاتب کے عتاب کی پرواہ نہیں کرتا۔ گو وہ یہاں نہیں ہیں مگر میں ان کی غور و برداشت سے بے خبر نہ رہوں گا جب تک زندہ ہوں اور جب تک مٹی مجھے چھپا نہ دے گی۔ جب سکینہ اور رباب اپنے اقارب سے ملنے گئی ہوئی ہوں تو رات ایسی لمبی نظر آتی ہے گویا رات کے ساتھ دوسری رات مل گئی ہے۔ بی بی رباب جس کی محبت میں یہ اشعار فرمائے گئے وہ بھی مہر و وفا والی تھی۔ امام ہمام (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد بہت لوگوں نے ان کے پاس پیغام نکاح بھجوائے مگر انہوں نے انکار ہی کر دیا۔ (رحمۃ اللعالمین ،۲: ۱۲۰۔۱۱۹)

حضرت شہر بانو یہ غیر قوم کی خاتون تھیں مگر ام ولد نہیں تھی۔ اور آپ کے مختلف نام ذکر کئے گئے ہیں مثلاً شہر بانو بنت یزدجر شاہ ایران، حرار، سلافہ، سلامہ اور غزالہ۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ قتیبہ نے کتاب المعارف میں لکھا ہے کہ:

زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کی والدہ سندھی خاتون تھیں جن کا نام سلامہ تھا۔ اور بعض روایات کے مطابق ان کا نام غزالہ تھا۔(وَاللّٰہُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)(البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر)

حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کی اولاد

آپ کی اولاد کے بارہ میں مختلف روایتیں ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) آپ (رضی اللہ عنہ) کے گیارہ بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں جن کی تفصیل یہ ہے:

بیٹے: عابد، علی اکبر، علی اصغر، زید، ابراہیم، محمد، حمزہ، ابوبکر، جعفر، یزید، عمر

بیٹیاں: فاطمہ کبری، رقیہ، سکینہ، فاطمہ صغری۔

آپ (رضی اللہ عنہ) کے چار بیٹے علی اصغر، علی اکبر، ابوبکر اور عمر کربلا میں شہید ہوئے۔ عابد، زید، ابراہیم، یزید، محمد اور حمزہ سے نسل چلی۔

سکینہ بنت حسین (رضی اللہ عنہما) کی شام کی قید میں مرجانے کی روایت بالکل غلط ہے۔ آپ (رضی اللہ عنہ) زندہ رہیں اور مصعب بن زبیر بن عوام کے نکاح میں آئیں۔ ان کی وفات کے بعد آپ عبد اللہ بن عثمان بن عفان کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ پھر اصبغ بن عبد العزیز بن مروان کے نکاح میں آئیں (نسب نامہ صحابہ واہل بیت)

(۲) صاحب ارشاد میں لکھا کہ حضرت حسین بن علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا کے چار صاحبزادے تھے۔

(۳) علی اصغر اور ان کی کنیت ابو محمد تھی اور لقب زین العابدین اور ان کی والدہ شہربانو بنت کسری نوشیرواں تھیں۔

(۴) علی اکبر اپنے والد کے ساتھ شہید کئے گے تھے اور ان کی والدہ کا نام لیلی بنت ابی مرہ بن عروہ ثقفی تھا۔

(۵) جعفر اور ان کی والدہ قضاعیہ (بنت طلحہ بن عبد اللہ تیمی تھی) اور وہ اپنے والد حضرت سیدنا حسین

(رضی اللہ عنہ) کی زندگی میں فوت ہوئے تھے اور ان کی کوئی نسل دنیا میں نہیں چلی۔

(٦) عبداللہ جو اپنے والد کے ہمراہ چھوٹی عمر میں شہید ہو گئے تھے۔

(٧) سکینہ ان کی والدہ حضرت رباب بنت امری القیس تھیں اور یہی عبداللہ کی والدہ تھیں۔

(٨) فاطمہ کہ ان کی والدہ اُم اسحاق تھیں (حاشیہ نبراس، حاشیہ ۱:۵۱۸)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں۔

(۹) اور کتاب بُغْيَةُ الطَّالِب لِمَعْرِفَةِ اَوْلَادِ عَلِيِّ بْنِ اَبِي طَالِب میں ہے:

کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے چھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

صاحبزادوں کے نام یہ ہیں: علی اکبر، علی اوسط، عبداللہ، علی اصغر، محمد اور جعفر۔

اور تین صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں: زینب، سکینہ، اور فاطمہ۔

محمد اور جعفر دونوں اپنے والد محترم کی زندگی میں وفات پا گئے تھے۔ علی اکبر اور عبداللہ اپنے والد حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ شہید ہو گئے تھے اور علی اوسط کہ ان کو ایک تیر لگا تو وہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پیارے ہو گے تھے۔ (نبراس ۵۱۸)۔

(۱۰) چھ بیٹے تھے۔ علی اکبر بن حسین، علی اوسط بن حسین، علی اصغر بن حسین (علی زین العابدین سجاد لقب زیادہ نمازیں، پڑھنے کی وجہ سے)، عبداللہ بن حسین (سب چھوٹے تھے نو ماہ کے شیر خوارگی کی حالت میں شہید کر دیئے گئے حضرت حسین نے تلوار سے قبر کھودی تو دفن کر دیا)، محمد بن حسین اور جعفر بن حسین (رضی اللہ عنہم)۔ تین بیٹیاں تھیں سیدہ سکینہ، سیدہ فاطمہ اور سیدہ رقیہ۔

رباب بن امرء القیس کلبیہ، عبداللہ سکینہ کی والدہ۔ لیلی سنت ابی مرہ شقفیہ علی اکبر کی والدہ، غزالہ بن یزجرد (ایرانی بادشاہ)

علی اصغر زین العابدین سجاد کی والدہ۔ ام اسحاق بنت طلحۃ بن عبید من بنی مرہ یہ فاطمہ کی والدہ تھی،

اتکہ بنت زید بن عمر بن نفل، سلافۃ اور یہ جعفر کی والدہ تھیں۔(الحسین بن علی دکتور شفیق السامرانی)۔

}رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ آمین۔رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ

قارئین کرام!(۱) واقعہ کربلا کی روایات میں بہت تضاد پایا جاتا ہے اس لئے اس موضوع پر تحقیقی کتاب لکھنا آسان نہیں ہے چنانچہ حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ روافض اور روافض نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے متعلق بہت احادیث وضع کی ہیں اور جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کا بعض حصہ محل نظر ہے اور اگر ابن جریر وغیرہ حفاظ اور ائمہ نے تذکرہ نہ کیا ہوتا تو میں بھی اسے ذکر نہ کرتا اور اس کا بیشتر حصہ ابو مخنف لوط بن یحییٰ (متوفی ۱۵۷ھ) کی روایت سے ہے جو اہل تشیع میں سے تھا۔ نیز لکھتے ہیں کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن میں نظر (قابل اعتراض اور قابل تحقیق) ہیں۔(البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۲۰۹) اگر یہی بات تھی تو ابو مخنف کی روایات کو نقل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہی روایتیں نقل کی جاتیں جو محل نظر نہیں تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ قدماء کی ایک جماعت نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے قتال (شہادت) کے واقعہ میں تصانیف کی ہیں جن میں ہر نوع کی کمزور اور قوی، صحیح اور ضعیف روایات پائی جاتی ہیں اور اس واقعہ میں جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے غنا اور کفایت ہے (اور جو اسقصہ میں میں نے لکھا ہے اس میں ایسی چیزوں سے بچاؤ ہے جو ثابت نہیں ہیں) **وقد صنف جماعة**

من الفد ماء فی مقتل الحسین تصانیف فیها الغث والسمین والصبح والقیم وھذہ القصعة سقتها غنی (الاصابۃ فی تمیز الصحابہ ج ۲ ص ۵۵۴)(الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ا ص ۳۳۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرف اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل الاصابۃ فی تمیز الصحابہ میں ہے۔

درحقیقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ شہادت بھی منجملہ ان واقعات کے ہے، جس میں مسلمانوں کے مختلف گروہوں نے بڑی افراط وتفریط سے کام لیا ہے۔ بعض سے اتنا گھٹاتے ہیں کہ خاکم بدہن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حکومت کا باغی قرار دے کر آپ کے قتل کو جائز ٹھہراتے ہیں۔ اور بعض اتنا بڑھاتے ہیں کہ اس کا اندرونی سلسلہ تکمیل نبوت سے ملا دیتے ہیں۔ خود اہل سنت کے اکابر علماء نے اس میں بڑی بڑی نکتہ آفرینیاں کی ہیں۔ چنانچہ بعضوں نے واقعہ شہادت اور تکمیلِ نبوت میں اس طرح ایک مخفی رشتہ قائم کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے تمام انبیاء کے انفرادی فضائل ذات پاک محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع کر دیئے تھے اور آپ کی ذات گرامی حسنِ یوسف، دم عیسیٰ ید بیضا داری کی حامل اور آنچہ خوبان ہمہ دارند وتنہا داری کی مصداق تھی۔ خدا کی راہ میں شہادت بھی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔ جس سے اس نے بہت سے محبوب انبیاء کو نوازہ۔ لیکن چونکہ ذات محمدی ان سب سے اعلیٰ وارفع تھی اور اُمت کے ہاتھوں شہادت آپ کے مرتبہ نبوت سے فروتر تھی۔ اس لئے اس منصب کی تکمیل کے لئے آپ کے نواسہ کو جو گویا آپ کے جسدِ اطہر کا ایک ٹکڑا تھے انتخاب فرمایا۔ اس طرح سے آپ کی جامعیت کبریٰ میں جو خفیف سا نقص باقی رہ گیا تھا اس کی تکمیل ہوگئی۔ خوش اعتقادی کا اقتضا یہ ہے کہ ان بزرگوں کے خیالات کو عقیدت کے دل سے قبول کر لیا جائے۔ لیکن اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس قسم کے خیالات کی حیثیت شاعرانہ نکتہ آفرینی

اورخوش خیالی سے زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبوت کی تکمیل کے لئے کسی بیرونی سہارے کا محتاج نہیں۔
ہزاروں انبیاء ورسل دنیا میں آئے، لیکن کیا ان میں سے سب خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوئے اور
جن کو یہ منصب نہیں ملا، ان کی نبوت ناقص رہ گئی؟ غالباً کوئی صاحبِ مذہب بھی تسلیم نہ کرے گا۔
پھر ذات پاک محمدی تو خود کنگر نبوت کیا خری تکمیلی اینٹ تھی جس کے بعد کسی کمال کی حاجت نہیں۔
(سیر صحابہ ج ۴ ص ۱۹۹)

اسی خیال کا رد کرتے ہوئے مولانا محمد مہر الدین صاحب ''فیصلہ شرعیہ برحرمت تعزیہ'' میں لکھتے ہیں
جو سوال جواب کی صورت میں من وعن نقل کیا جاتا ہے تاکہ اس شبہ کا ازالہ ہو۔

سوال: شہادت امام سے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی فائدہ پہنچا۔ کیونکہ آپ کے کمالات
میں کمی تھی جو کہ شہادت امام کی وجہ سے پوری ہوئی۔ چنانچہ ''سرالشہادتین'' وغیرہ سے یہ بات ظاہر
ہوتی ہے۔

جواب: حضور علیہ السلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات میں کمی اور نقصان بتانا کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہے،
قرآن مجید اور حدیث اور عقل ونقل کے خلاف ہے۔ اور ''سرالشہادتین'' کا حوالہ صحیح نہیں، کیونکہ اول
تو یہ کتاب کسی رافضی کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

دوم: اس کے دیباچہ اور ابتداء سے الحاق اور ملائی ہوئی عبارت معلوم ہوتی ہے۔

سوم: اگر وہ حوالہ درست بھی ہوتا تو بھی قرآن مجید وحدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے
اور ناقابل عمل۔

آنکھیں اگر بند ہوں تو پھر دن بھی رات ہے☆ اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا ہے

(فیصلہ شرعیہ برحرمت تعزیہ، ۲۰۲)

امام شرف الدین بوصیریؒ فرماتے ہیں:

وَ كُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ مُلْتَمِسٌ ٭ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

اور وہ سب آپ کے دریا علم وفضل سے ایک چلو یا آپ کے باران جودو کرم سے ایک گھونٹ پانے والے ہیں۔

صحابہ کرام واہل بیت عظام کی شان وعظمت اوران کا عدول (عادل ہونا) قرآن مجید حدیث شریف سے ثابت ہے اس لئے غیر ثقہ تاریخی روایات کی بنا پر اہل بیت کرام اور صحابہ عظام پر تنقید کرنا درست نہیں۔حکیم الامت مفتی احمد یار خان رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تاریخی واقعات ۹۵ فیصد غلط اور بکواس ہیں۔تاریخ اپنے مصنف کی آئینہ دار ہوتی ہے ان میں روافض اور خوارج کی آمیزش بہت زیادہ ہے(امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۱۴)۔

نیز تاریخی واقعات کونقل کرنیوالے رواۃ میں مختلف نظریات اور رجحانات کے حامل لوگ ہوتے تھے۔بعض راوی، خارجی اور بعض رافضی وغیرہ ذہن رکھتے تھے اوراسی طرح ناقلین واقعہ میں بھی کئی قسم کے اپنے رجحانات پائے جاتے تھے اور حقیقت حال یہ ہے کہ روایت کونقل کرنے میں راوی کے ذہن اور رجحانات کو بڑا دخل ہوتا ہے (سیرت امیر معاویہ ج ۲ ص ۳۳)۔صرف واقعہ کربلا کے موضوع کی روایات کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ تفسیر،سیرت اور تاریخ کی سب کتابوں میں بھی ہر قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔رطب و یابس صحیح وغیر صحیح میں بے احتیاطی کی گئی ہے۔اسی لئے کہا گیا ہے۔

حقیقت خرافات میں کھوگئی ☆ یہ امت روایات میں کھوگئی

لھذا جو روایات واقعہ کربلا کے سلسلہ میں بیان کی جاتی ہیں وہ زیادہ تر من گھڑت ، اورغلط ہیں اور جس انداز سے واقعہ کربلا بیان کیا جاتا ہے اس میں اہل بیت کی تعریف نہیں ہے۔ بلکہ دل آزاری اور خلاف ادب ہے زیادہ تر داستان کی صورت کتابیں تحریر کی گئی ہیں اور سیرت امام حسین کے

نام کی کوئی بھی چیز ہی نہیں ہے اس لئے بڑی احتیاط وتحقیق سے مدلل باتیں درج کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر بھی یہ تاریخی روایات ہیں ان کا درجہ وہ نہیں جو احادیث مبارکہ کا ہے۔ اور واقعہ کربلاء ڈیڑھ سو سال بعد لکھا گیا ہے اور راویوں میں سے کوئی بھی اس وقت کوئی بھی موجود نہیں تھا حضرت امام زین العابدین شاھد اور گواہ تھے مگر ان کی طرف سے واقعات کربلاء بیان ہی نہیں کیا گیا۔ ۔ ایک تو واقعہ کربلاء کی روایات صحیح سندوں سے ثابت ہی نہیں ہے دوسرا ان روایات میں بہت تضاد پایا جاتا ہے۔ اسلئے بیان کرنے والے بہت کم احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ امام احمد رضا خان بریلویؒ فرماتے ہیں، اگر کوئی واعظ شہادت حسینؓ کو بیان کرنا چاہے تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ پہلے باقی صحابہ کی شہادت کے واقعات لوگوں کو سنائے تاکہ روافض سے مشابہت نہ ہو کیونکہ وہ صرف شہادت حسینؓ پر اکتفاء کرتے جبکہ اہل سنت صحابہ واہل بیت دونوں کا تذکرہ کرتے ہیں (فتاوی رضویہ ج ۲۳ ص ۷۴۰)۔ علامہ سید محمود شکری الالوسی (متوفی ۱۲۷۰) رحمہ اللہ فرماتے ہیں وَالْكَثِيْرُ مِنَ النَّاسِ فِيْ حَقِّ كُلٍّ مِنَ الْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ فِيْ طَرَفَيِ التَّفْرِيْطِ وَالْاِفْرَاطِ وَمَا بَيْنَهُمَا هُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ، ثَبَّتَنَا اللهُ تَعَالٰى عَلٰى ذٰلِكَ صِرَاطِ (روح المعانی ج ۲۵ ص ۴۶)۔ اور بہت لوگ اہل بیت اور صحابہ ہر ایک کے حق میں کمی اور زیادتی کے کنارے میں ہیں اور اس کے درمیان متوسط طریقہ ہی سیدھا راستہ ہے، اللہ ہمیں اس راستہ پر قائم رکھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس وعمل کو ذریعہ نجات بنائے۔ اور شرف قبولیت عطا فرمائے ابو عاصم غلام حسین ماتریدی ۱۴۴۰ھ ۲۰۱۸ء

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو مدینہ منورہ سے لے کر جام شہادت نوش فرمانے تک سخت آزمائش میں ڈالا گیا اور زبردست امتحان لیا گیا۔ اور آپ (رضی اللہ عنہ) کی اس ازمائش کی خبر بھی پہلے دی گئی تھی جس کا ذکر متعدد حدیثوں میں آیا ہے جس کا جس قدر مقام بلند و بالا ہوتا ہے اسی قدر اس سے

امتحان بھی زیادہ سخت لیا جاتا ہے۔ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا مرتبہ بہت اونچا تھا اس لئے ان سے امتحان بھی سخت لیا گیا۔

ساتواں باب: یزید کی خلافت حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کا خروج

یزید کی خلافت

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنی زندگی میں مسلمانوں کو متحد رکھنے اور بہتری کی بناء پر یزید کی بیعت کے لئے راہ ہموار کرنے کی خاطر ۵۱ھ میں حجاز مقدس کا سفر کیا اور مدینہ منورہ تشریف لائے اور سب حضرات سے ہر طرح کی نرم وگرم گفتگو کی۔ حضرت عائشہؓ کے پاس بھی تشریف لائے اور انہوں نے حضرت معاویہؓ کو نصیحت کی اور لوگوں کو بیعت کرنے پر مجبور کرنے سے منع کیا۔ مدینہ منورہ کے بعد مکہ میں تشریف لائے تو یہاں بھی سب سے رائے لی اور نرم گرم گفتگو ہوئی پھر واپس چلے گئے اور آپ کی زندگی میں تو یہ معاملہ یہاں ہی تک رہا کہ شام وعراق کے عام لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور جن لوگوں نے بھی بیعت کی تھی وہ انتشار وتفرقہ سے بچنے کی خاطر تھی اور اہل مدینہ سے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ)، حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) حضرت ابن عباس اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ابن عمر ابن زبیر ابن ابی بکر (رضی اللہ عنہم) نے بیعت کر لی تھی۔ تو وہ کہتے لَا وَاللهِ مَا بَايَعْنَا (تاریخ خلیفہ بن حیاط ص ۱۳۱) نہیں اللہ کی قسم ہم نے بیعت نہیں کی۔ حضرت عبدالرحمان

ابی بکر (رضی اللہ عنہما) پہلے ہی فوت ہو گے تھے۔عبداللہ بن عمر بعد میں یزید کی بیعت کر لی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہما) نے بیعت نہیں کی تھی۔خیال رہے کہ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا یزید کے لئے بیعت لینا کتاب وسنت کے خلاف نہیں تھا کہیں اس کی ممانعت نہیں ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو جانشین نہیں بنا سکتا حضرت ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے حضرت عمر فاروق کو اپنا جانشین بنایا تھا۔اور خانقائی نظام میں سجادہ نشینی کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو کوئی اس کو ناجائز نہیں کہتا۔خلافت راشدہ کی مدت تو حضرت حسن رضی اللہ تعالی عنہ پر ختم ہو گئ تھی۔اسی لئے انہوں نے حضرت امیر معاویہ کے سپرد کر دی تھی۔اور جس صلح کی خبر دی گئ تھی اور وہ پوری ہو گئ تھی۔حضرت امیر معاویہ خلفاء راشدین میں سے تو نہیں تھے بلکہ وہ مسلمانوں کے بادشاہ تھے۔پھر انہوں نے وفات سے پہلے یزید کو بادشاہ بنانے کے لئے لوگوں سے بیعت لی تھی۔جو کتاب سنت کے منافی نہیں تھی۔

حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی فات اور وصیت:

حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) (بن ابوسفیان بن صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف نے اپنی زندگی میں یزید کو اپنا ولی عہد بنایا اور لوگوں سے بیعت لی) بیعت لی تھی

اور حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹے یزید کو بلا کر وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما) ایک سیدھی سادھی طبیعت کے آدمی ہیں۔مگر اہل عراق ان کو خروج کرنے پر ضرور تیار کریں گے تو اگر یہ تم پر خروج کریں اور تم کو ان پر کامیابی حاصل ہو تو درگزر کرنا اور ان کا بہت بڑا حق ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہیں (تاریخ ابن خلدون وغیرہ)۔

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں وَإِنَّ لَهُ رَحِمًا مَاسَّةً، وَحَقًّا عَظِيمًا وَقَرَابَةً مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ

وَلَا اَظُنُّ اَهْلَ الْعَرَاقِ تَارِکِیهِ حَتّٰی یَخْرُجُوْهُ فَاِنْ قَدَرْتَ عَلَیهِ فَاصْفَحْ عَنْهُ

(تاریخ الطبری ج ۶ ص ۱۶۵) بیشک ان کے لئے قرابت قریبیہ حاصل ہے بہت بڑا ان کا حق ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یگانوں قرابتداروں میں سے ہیں میرا خیال اہل اعراق ان کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور حروج پر امادہ کریں گے اگر وہ خروج کریں تو ان پر قابو پا جائے تو درگز کرنا۔ پھر حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) ۶۰ ء میں وفات پا گئے اور مدت خلافت انیس برس تین مہینے ستائیس دن تھی۔

علامہ ابواسحاق الاسفرائنی نے نور العین فی مشہد الحسین نے تفصیل سے وصیت سے لکھی ہے مگر یزید نے اس کو بھلا دیا تھا۔ یہ یزید کا اپنا قصور تھا۔ نہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا۔ اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یزید کی وجہ سے برا نہیں کہنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (سورہ انعام ایت ۱۶۵) اور جو کوئی کچھ کمائے وہ اسی کے ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ اٹھائے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (سورہ فاطر) اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ بعض لوگ حضرت امیر معاویہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو مسلمانوں کا حاکم کیوں بنایا وہ ایک فاسق فاجر آدمی تھا تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ یزید کے اندر فسق و فجور بعد میں پیدا ہوا تھا اور وہ اس کا اپنا فعل بد تھا اس کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ کو ہرگز برا نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کافر تھا تو اس کی وجہ سے نوح علیہ السلام کی شان میں گستاخی نہیں کی جا سکتی اسی طرح عمر بن سعد کی وجہ سے حضرت سعد بن وقاص (رضی اللہ عنہ) کو نشان ملامت نہیں بنایا جا سکتا غور کیجیئے کہ شمر کون تھا۔ شمر حضرت حسن کا رشتہ دار تھا

اور وہ اس طرح کہ شمر کی حقیقی پھوپھی ام البنین بنت حرام حضرت علی مرتضی کے نکاح میں تھیں جن کے بطن سے چار لڑکے عباس، عبد اللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوئے جو کربلا میں شہید ہو گئے اس طرح شمر ان کے واسطے سے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا رشتدار تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ سخت دشمن تھا۔ اور انتہائی شر پسند جس کی یہی کوشش تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا جائے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں

حضرت سیدنا معاویہ (رضی اللہ عنہ) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا سب سے بڑی فضیلت ہے۔ اور جو جو فضائل قران اور حدیث میں صحابہ کے بیان ہوئے ہیں آپ بھی ان کے عموم میں داخل ہیں۔

علامہ عبد العزیز پرہاروی فرماتے ہیں قَدْ صَرَّحَ عُلَمَاءِ الْحَدِيْثِ بِاَنَّ مُعَاوِيَةَ (رضی اللہ عنہ) مِنْ كَبَارِ الصَّحَابَةِ وَنُجَبَاءِهِمْ وَمُجْتَهِدِهِمْ وَلَوْ سُلِّمَ اَنَّهٗ صِغَارِهِمْ فَلَا شَكَّ فِيْ اَنَّهٗ دَخَلَ فِيْ عُمُوْمِ الْاَحَادِيْثِ الصَّحِيْحَةِ الْوَارِدَةِ فِيْ تَشْرِيْفِ الصَّحَابَةِ (رضی اللہ عنہ) (نبراس ص ۵۵۰)

حالانکہ محدثین نے تصریح کی ہے کہ حضرت معاویہ بڑے اور مجتہدین صحابہ میں سے ہیں اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ چھوٹے صحابہ میں سے ہیں تو پھر وہ بلا شبہ ان احادیث صحیحہ کے عموم میں داخل ہیں جو صحابہ کی تکریم و تشریف میں وارد ہوئی ہیں۔

اسی طرح آپ ان صحابہ میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ کا وعدہ کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ۔ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (سورة

الحدید ۱۰) ترجمہ: تم میں سے کوئی برابری نہیں کرسکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہ خدا) میں مال خرچ کیا اور جنگ کی۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی۔ ویسے تو سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا۔

حضرت معاویہ ان میں سے ہیں جن کے ساتھ اللہ نے بھلائی کا وعدہ کیا تو بیشک آپ نے غزوہ حنین اور طائف میں مال خرچ کیا اور ان دونوں غزووں میں جنگ کی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَھُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی اُولٰٓئِکَ عَنۡھَا مُبۡعَدُوۡنَ (الانبیاء ۱۰۱) ترجمہ: بیشک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحابہ اکرام کی شان میں فرماتا ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ (توبہ ۱۰۰) اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے۔

حضرت امیر معاویہؓ بھی اس رضامندی میں داخل ہیں۔ کیونکہ عام ارشاد الٰہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہمارے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، تین دفعہ فرمایا۔ ہمارے بعد انہیں نشانہ نہ بنالینا پس جو شخص انہیں محبوب رکھتا ہے وہ ہماری محبت کی بناء پر ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ ہماری دشمنی کے سبب ان سے دشمنی رکھتا ہے۔ اور جس نے انہیں ایذا دی اس نے ہمیں ایذا دی اور جس نے ہمیں ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذاء دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گرفت میں لے لے۔ (ترمذی، مسند احمد، تاریخ کبیر للبخاری بیہقی ابن حبان)

یعنی ان کی محبت کو ہماری محبت اور ان کی دشمنی کو ہماری دشمنی لازم ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس دشمنی سے محفوظ رکھے۔۔۔ پس اللہ تعالیٰ کی محبت کی نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی نشانی آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام کی محبت ہے۔ (اشعۃ اللمعات)

فَعُلِمَ مِنۡ ذٰلِكَ مُحِبُّ الصَّحَابَةِ مُحِبُّ النَّبِيِّ وَبَاغِضُهُمۡ بَاغِضُ النَّبِيِّ ﷺ حاشیہ نبراس ص ۵۴۸)۔تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کا محب نبی ﷺ کا محب ہے اور صحابہ سے دشمنی رکھنے والا معاذ اللہ نبی ﷺ کے ساتھ دشمنی رکھنے والا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یقینی صحابی رسول ہیں تو ان کے ساتھ دشمنی عداوت بغض رکھنے والا (معاذ اللہ) اللہ کے رسول ﷺ سے دشمنی رکھنے والا ہے۔ اب وہ لوگ عبرت پکڑیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ اوران کو برا کہتے ہیں۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ ہیں کہ جن کے ساتھ حضرت حسن حسین رضی اللہ عنہما نے صلح فرمائی۔ اور نہ انہوں نے ان کو برا بھلا کہا۔

بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور مسلم میں ہے کہ مؤمن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کی مثل ہے خصوصا جبکہ وہ شخص فوت ہو چکا تو اس پر لعنت کرنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا کیونکہ بخاری میں ہے کہ مردوں کو گالی مت دو کیونکہ وہ اس کو پہنچ گئے جو انہوں نے آگے بھیجا ہے تو اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ امام ابن جوزی وغیرہ کا نصوص عامہ کے ذریعہ یزید پر لعنت کے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اور ان نصوص میں لعنت سے مراد فعل کی مذمت کرنا ہے اور وہ فعل کرنے والے شخص معین کے اوپر لعنت کو جائز قرار دینا نہیں ہے

فاغفظ هذا التحقيق ولا تكن من الذين لا يراعون قواعد الشرع ويحكمون بان من نهى عن لعن يزيد فهو من الخوارج نعم قبسسح افعاله مشهور واحب اهل البيت واجب لكن النهى عن لعنه ليس للقصور فى جهم بل لقواعد الشرع والله اعلم۔ (نبراس ص ۵۵۵)

اس تحقیق کو یاد کرلو اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو قواعد شرع کی رعایت نہیں کرتے اور یزید پر لعنت کرنے سے روکنے والے کے بارے میں خارجیوں میں سے ہونے کا فیصلہ کر دیتے ہیں جی

ہاں یزید کے افعال کی برائی مشہور ہے اور اہل بیت سے محبت واجب ہے اور یزید پر لعنت کرنے سے روا کنا اہل بیت کی محبت میں کمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ قواعد شرع کی وجہ سے ہے۔

یزید کا حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو خط لکھنا:

پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد یزید کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی اور جن لوگوں نے بیعت نہیں کی تھی ان کو مجبور کیا گیا۔ چنانچہ اس وقت مدینہ میں ولید بن عتبہ بن ابی سفیان امیر تھا اور مکہ شریف میں عمرو بن سعید بن عاص، اور بصریٰ میں عبید اللہ بن زیاد اور کوفہ میں نعمان بن بشیر گورنر تھا یزید کی پوری توجہ اس طرف تھی کہ لوگوں سے ضرور بیعت لینی چاہئے۔ اس لئے اس نے مدینہ کے حاکم کو بیعت لینے کا تاکیدی حکم دیا اور خط لکھا

چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں وَ كَتَبَ اِلَيْهِ فِيْ صَحِيْفَةٍ كَاَنَّهَا اُذُنُ الْفَارَةِ اَمَّا بَعْدُ۔ فَخُذْ حُسَيْنًا وَعَبْدَ اللهِ ابْنِ عُمَرَ وَعَبْدَ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِالْبَيْعَةِ اَخْذًا شَدِيْدًا لَيْسَتْ فِيْهِ رُخْصَةٌ حَتّٰى يُبَايِعُوْا، وَالسَّلَامُ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۷۴)۔ اور یزید نے ولید بن عتبہ کی طرف خط میں لکھا گویا کہ وہ خط چوہے کا کان ہے (چھوٹا سا خط)۔ حمد وثناء کے بعد تم حسین عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) سے سختی سے بیعت لو اس میں کوئی رخصت نہیں یہاں تک کہ وہ بیعت کر لیں اور سلام۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کی بیعت سے انکار کرنا:

ولید بن عتبہ نے مروان سے مشورہ کیا اس نے رائے دی دونوں کو بلا کر فورا بیعت لے لو اگر ذرہ تأمل کریں تو (معاذ اللہ) سر قلم کر دو۔ ولید نیک فطرت اور امن پسند تھا اس لئے اس مشورہ پر عمل نہ کیا۔ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو جب ولید بن عتبہ نے یزید کا خط دکھا کر بیعت کا مطالبہ کیا۔ تو آپ نے یزید کی بیت کا انکار کیا۔ اور امام طبری لکھتے ہیں

اَمَّا مَا سَئَلْتَنِیْ مِنَ الْبَیْعَةِ فَاِنَّ مِثْلِیْ لَا یُعْطِیْ بَیْعَتَهٗ سِرًّا وَلَا اَرَاكَ تَجْتَرِیْءُ بِهَا مِنِّیْ سِرًّا دُوْنَ اَنْ تُظْهِرَهَا عَلٰی رُئُوْسِ النَّاسِ عَلَانِیَةً قَالَ اَجَلْ (تاریخ طبری ج ۶ ص ۱۷۵)، لیکن بیعت کا جوتم نے مجھ سے سوال کیا تو میں پوشیدہ طور پر بیعت کرنیوالا نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ تم کو بھی مجھ سے پوشیدہ طور پر بیعت لینے کی جرءات نہ کرنی چاہئے مجھ سے لوگوں کے سامنے علانیہ بیعت لینی چاہئے، ولید نے کہا اچھا۔

علامہ ابن اثیر جزریؒ لکھتے ہیں: وَ اَمَّا الْبَیْعَةُ فَاِنَّ مِثْلِیْ لَا یُبَایِعُ سِرًّا وَلَا تَجْتَرِیْءُ بِهَا مِنِّیْ سِرًّا (الکامل التاریخ ج ۳ ص ۷۳)، لیکن بیعت کا مسئلہ تو سن، مجھ جیسا آدمی چھپ کر بیعت نہیں دیتا اور نہ ہی تم کو مجھ سے پوشیدہ طور پر بیعت لینے کی جرأت کرنی چاہئے۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ امیر مدینہ نے آپ کو بیعت کی دعوت دی تو حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے اسے کہا مجھ جیسا شخص پوشیدہ بیعت نہیں کرتا اور آپ مجھ سے اس کا تقاضا نہ کریں لیکن جب لوگ اکٹھے ہوں تو ان کے ساتھ ہمیں بلالیں اور ایک ہی بیعت ہوجائے گی ولید نے کہا اچھا (البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۱۵۴)، اکثر حضرات نے یزید کی بیعت کرلی حتی کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیعت کرلی تھی۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

فَلَمَّا مَاتَ مُعَاوِیَةُ سَنَةَ سِتِّیْنَ وَبُوْیِعَ یَزِیْدُ بَایَعَ اِبْنُ عُمَرَ وَاِبْنُ عَبَّاسٍ (تاریخ ابن کثیر ج ۸ ص ۱۵۸)، جب حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے سن ۶۰ ہجری میں وفات پائی اور یزید کی بیعت کی گئی۔ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) اور ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے بھی یزید کی بیعت کر لی۔

نیز لکھتے ہیں کہ: فَلَمَّا جَاءَتِ الْبَیْعَةُ مِنَ الْاَمْصَارِ بَایَعَ اِبْنُ عُمَرَ مَعَ النَّاسِ پھر جب شہروں کے افراد نے یزید کی بیعت کی تو حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے بھی لوگوں کے

ساتھ بیعت کرلی تھی۔(تاریخ ابن کثیر ج ۸ ص ۱۵۵)

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں: قَدِمَ هُوَ وَابْنُ عَبَّاس الْمَدِيْنَةَ وَبَايَعَا عِنْدَ بَيْعَةِ النَّاسِ (تاریخ ابن خلدون ج ۳ ص ۲۳)، کہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) اور ابن عباس (رضی اللہ عنہ) مدینہ میں آئے اور دونوں نے لوگوں کی بیعت کے وقت خود بھی بیعت کر لی تھی۔اور شام و عراق کے عام لوگوں نے یزید کی بیعت کی تھی۔مگر مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ اور اہل کوفہ کی اکثریت نے بیعت نہیں کی تھی تو اس طرح یزید کی احکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں، جب یزید فسق و فجور میں مبتلا ہوا تو صحابہ کرام نے اس کے بارے میں مختلف رائے قائم کیں کسی نے اس پر خروج کیا کسی نے اس کی بیعت توڑ کر اس سے جنگ کا ارداہ کر لیا۔جیسا کہ امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے اوران کے ماننے والوں نے کیا لیکن بعض یہ سوچ کر جنگ کے ارادہ سے باز رہے کہ اس سے ملک میں فتنہ برپا ہوجائے گا۔اور ناحق لوگوں کا کثرت سے خون ہوگا۔علاوہ ازیں یزید کا مقابلہ بھی آسان نہ تھا کہ اسے باسانی ہٹایا جاسکے کیونکہ اس وقت یزید برسر اقتدار تھا اور اسکی حمایت میں بنو امیہ ننگی تلواریں لئے کھڑے تھے اور علاوہ ازیں قریش کے ارباب حل عقد بھی اسکی حمایت کے لئے تیار تھے۔اور مضر کا سارا قبیلہ جو سب سے زیادہ طاقتور تھا یزید کے ساتھ تھا جس کے مقابلہ کی ان میں تاب ہی نہ تھی۔

چنانچہ یہ لوگ بیعت توڑنے اور بغاوت کرنے سے رکے رہے اور اللہ سے اسکی ہدایت کی دعائیں مانگتے رہے۔یا پھر اس سے نجات کی۔مسلمانوں کی جمہوریت اسی خیال کی تھی دونوں جماعتیں مجتہد تھیں اور دونوں میں سے کسی کو بھی برا نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ یہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی اور تلاش حق کے لئے کوشاں تھے۔ان مقاصد میں ان کے مساعی لوگوں میں مشہور و معروف ہیں۔حق تعالی بھی ان کی پیروی کی توفیق عطاء فرمائے۔امین (مقدمہ ابن خلدون اردو، ج ۲ ص ۲۴)۔

ڈاکٹر علی محمد الصلابی لکھتے ہیں: فَقَدْ بَایَعُوْا یَزِیْدَ جَمْعًا لِلْکَلِمَۃِ وَ حِفْظًا لِوَحْدَۃِ الْاُمَّۃِ وَ خَوْفِ الْفِتْنَۃِ مِثْلُ عَبْدِاللّٰہِ ابْنِ عَبَّاس وَ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ وَ مُحَمَّدِ الْحَنَفِیَّۃ وَ اَمَّا اَھْلُ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ وَ غَیْرِہٖ مِنَ الْاَقَالِیْمِ فَقَدْ بَایَعُوْا وَ کَانَتِ الْمُعَارَضَۃُ فِیْ اَھْلِ الْحِجَازِ (معاویہ بن ابی سفیان ص ۴۵۰)۔

ایک جماعت نے یزید سے بیعت کی تھی امت کی حفاظت کیلئے اور فتنہ بر پا ہونے کے ڈر سے جیسے حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت عبداللہ ابن عمر اور محمد بن حنفیہ بہر حال اہل عراق و شام اور ان کے سوا اور لوگوں نے بیعت کر لی تھی جھگڑا اہل حجاز میں تھا (کیونکہ) وہ یزید کو نہیں چاہتے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام ظالم بادشاہ کے خلاف تھا:

خارجی و ناصبی لوگ یزید کو امیر المومنین اور سیدنا یزید کہتے ہیں اور سید الشہدا سیدنا امام حسینؓ کو معاذ اللہ باغی قرار دیتے ہیں جو کہ انتہائی غلط اور جھوٹا الزام ہے

علامہ ابن خلدونؒ قاضی ابوبکر ابن العربی مالکیؒ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَ قَدْ غَلَطَ الْقَاضِی اَبُوْبَکْرِنِ بْنُ الْعَرَبِی الْمَالِکِیُّ فِیْ ھٰذَا فَقَالَ فِیْ کِتَابِہِ الَّذِیْ سَمَّاہُ بِالْعَوَاصِمِ وَالْقَوَاصِمِ مَا مَعْنَاہُ۔ (اِنَّ الْحُسَیْنَ قُتِلَ بِشَرْعِ جَدِّہٖ) وَ ھُوَ غَلْطٌ حَمَلَتْہُ عَلَیْہِ الْغَفْلَۃُ عَنِ اشْتِرَاطِ الْاِمَامِ الْعَادِلِ وَ مَنْ اَعْدَلُ مِنَ الْحُسَیْنِ فِیْ زَمَانِہٖ فِیْ اَمَانَتِہٖ وَ عَدَالَتِہٖ فِیْ قِتَالِ اَھْلِ الْاَھْوَاءِ (مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۶، مطبوعہ بیروت)،

قاضی ابن عربی مالکی نے غلط لکھا ہے اپنی کتاب العواصم والقواصم میں کہ حضرت سیدنا حسینؓ اپنے نانا جان کی شریعت (اسلامی شریعت) کی رو سے قتل ہوئے۔ وہ سراسر غلط ہے کہ وہ جنگ کے لئے امام عادل کی شرط بھول گئے، بھلا اس زمانہ میں خواہش پرستوں سے لڑنے کے لئے امامت و عدالت میں امام موصوف سے بڑھکر کون مستحق ہوسکتا تھا۔لھذا ان کی شہادت ہوئی نہ کہ بغاوت کی

رو سے قتل ہوئے۔

خیال رہے یہ کہ دل خراش عبارت اور حوالہ کتاب العواصم من القواصم مطبوعہ مکتب السنۃ مطبوعہ قاھرہ میں نہیں ہے۔

اور قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر اظہار غم کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں یا اسفًا علی المَصَائِبِ مَرَّةً وَیَا اَسَفًا عَلٰی مُصِیبَةِ الْحُسَیْنَ اَلَف مَرَّةٍ بَوْلُهٗ یَجْرِیْ عَلٰی صَدْرِ النَّبِیِّ ﷺ وَدَمُهٗ یُرَاقُ عَلَی الْبُوْغَاءِ ... یَا اللّٰهُ یَا لِلْمُسْلِمِیْنَ (العواصم من القواصم ص ۱۸۲) اور مصیبتوں پر ایک دفعہ افسوس اور حضرت حسین کی مصیبت پر ہزار بار افسوس آپ کا پیشاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ پر جاری ہوتا تھا اور آپ کا خون زمین پر مفت میں بہہ گیا۔ ہائے اللہ ہائے مسلمانوں (ص ۳۶۵)۔ اس میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ حضرت حسین وہ شان والے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ اقدس پر کھیلتے تھے اور کبھی کبھی پیشاب بھی کر دیتے تھے۔ تو اتنے پیارے اور لاڈلے حسین کا خون میدان کربلاء کی گرم ریت میں بہہ گیا۔ افسوس۔

شیخ محمد خضری لکھتا ہیں فَاِنَّ الْحُسَیْنَ اَخْطَأَ اِخْطَاءً عَظِیْمًا فِیْ خُرُوْجِهِ الَّذِیْ جَرَّ عَلَی الْاُمَّةِ وَبَالَ الْفُرْقَةِ وَالْاِخْتِلَافِ وَزَعْزَعَ عِمَادَ اُلْفَتِهَا اِلٰی یَوْمِنَا هٰذَا ۔ کہ حضرت امام حسینؓ نے اپنے خروج میں بہت بڑی غلطی کی جس سے امت میں اختلاف وافتراق کا وبال پڑا اور آج تک محبت والفت کے ستون کو جھٹکا لگا۔ (تاریخ الامۃ الاسلامیۃ ص ۳۶)۔

امام حسینؓ کی وجہ سے الفت ومحبت کو جھٹکا نہیں لگا بلکہ یزید کی وجہ سے امت میں انتشار اور اختلاف پیدا ہوا اس نے امام حسینؓ کو اپنی بیعت کے لئے کیوں مجبور کیا۔ یزید ظالم بادشاہ تھا اسکے ظالم ہونے کی یہی دلیل کافی وافی ہے کہ اس نے امام حسینؓ عالی مقام کے مرتبے کا پاس نہیں کیا یہ

ایک جرم ہے جو سارے جرائم کی اصل ہے اس زمانہ میں امام حسینؓ سے بڑھ کر کون زیادہ عادل و صالح تھا اور سارے عالم میں آپ سے بڑھکر کون افضل و اعلیٰ تھا۔

اسی طرح ان کے روحانی امام ابن تیمیہ نے منھاج السنہ میں لکھا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسین کا اقدام درست نہ تھا۔ ابن تیمیہ کا حضرت امام حسین کے اقدام کو درست نہ کہنا ہی غلط تھا۔ ابن تیمیہ نے اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل میں غلطیاں کیں ہیں جیسا کہ کتاب اخطاء ابن تیمیہ میں مذکور ہیں۔ اور اکثر انسان سے خطائیں ہو جاتی ہیں۔ (بالفرض حضرت حسین کی یہ خطا تھی لیکن یہ خطائے اجتہادی تھی جس میں مجتہد کو ثواب ملتا ہے)۔ بہرحال انہی خیال باطلہ کا رد کرتے ہوئے علامہ علی قاریؒ فرماتے ہیں: وَاَمَّا ما تفوّہ به بَعْضُ الْجُهَلَةِ مِنْ اَنَّ الْحُسَيْنَ كَانَ بَاغِيًا فَبَاطِلٌ عِنْدَ اَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَ لَعَلَّ هٰذَا مِنْ هِذْيَانَاتِ الْخَوَارِجِ الْجَادَّةِ (شرح فقہ اکبر ص ۲۱۶، مطبوعہ بیروت)، اور یہ جو بعض جاہلوں نے افواہ اڑا رکھی ہے کہ حضرت امام حسینؓ باغی تھے تو یہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک باطل ہے شاہد یہ خارجیوں کے ہذیان (بکواسات) ہیں جو راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم وستم اور سنت نبوی پر ان کے عمل نہ کرنے کی بناء پر دینی غیرت وحمیت میں نکلے۔ یہ سب اہل حق ہیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل مدینہ جنھوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام اہل علم و دین جو حجاج سے برسر پیکار ہوئے جن کا شمار اہل حق میں ہے اور حق ان ہی کے ساتھ تھا۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۴۰) معلوم ہوا کہ جو لوگ امام حسینؓ کو (معاذ اللہ) باغی کہتے ہیں اور یزید کو امام عادل اور برحق سمجھتے ہیں وہ ہرگز اہل سنت و جماعت میں سے نہیں ہیں۔ وہ خارجیوں سے ہوں گے۔ امام ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَلَمْ يَكُنْ اِمَامًا عَادِلًا فَصَحَّ لِهٰذَا اَنَّ الْحُسَيْنَ لَمْ يَكُنْ بَاغِيًا وَلَمْ يَخْرُجْ عَلٰى

الْاِمَامِ الْحَقِّ (تمہید ص ۱۷۰)، کہ یزید امام عادل نہیں تھا اس لئے امام حسینؓ باغی نہیں تھے اور نہ آپ نے امام برحق کے خلاف خروج کیا کیونکہ یزید غیر عادل تھا۔ حضرت حسین مجتہد تھے اس لئے ان کو اپنی رائے پر عمل کرنا درست تھا۔

حضرت حسین کے خروج کو ناجائز کہنے والے ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عَرْفَجَۃَ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب فتنے ہوں گے سنو فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّفَرِّقَ اَمْرًا هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهِيَ جَمِيْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَائِنًا (مسلم کتاب الامارۃ باب حکیم من فرق بین امر المسلمین وَهُوَ مُجْتَمِعٌ) ترجمہ: جو شخص اس امت کی جمعیت کو توڑنے کا ارادہ کرے اس کو تلوار سے مار دو خواہ وہ کوئی شخص ہو۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے آپ کی بیعت کی اور اس بات پر بھی بیعت کی وَاَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ قَالَ اِلَّا اَنْ تَرَوْ كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللّٰهِ بُرْهَانٌ (مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ)۔ اور جو شخص صاحب اقتدار ہو اس کے خلاف جنگ نہ کریں ہاں اگر تم کو کھلم کھلا (کفر نظر آئے جس کے کفر ہونے پر تمہارے پاس قرآن اور سنت سے واضح دلیل ہو (تو یہ صورت مستثنی ہے)۔

امام شرف الدین نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ غیر معصیت میں امراء اور احکام کی اطاعت کرنا واجب ہے اور معصیت میں ان کی اطاعت کرنا حرام ہے جمہور سلف اور خلف مفسرین فقہاء اور دیگر علماء کا یہی قول ہے اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ اللہ کا اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحبان امر کی (شرح مسلم)۔

اس حدیث میں کفر کا اطلاق معصیت پر بھی آیا ہے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فَمَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ كَفَرَ (جامع ترمزی ص ۳۷٦، نسائی ج ا ص ۴۹) جس نے نماز کو ترک کیا اس نے کفر (گناہ) کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ (صحیح مسلم ج ا ص ۵۷)۔ مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے۔ تو یہاں کفر بمعنی معصیت ہے اور کفر بمعنی ناشکری بھی آیا ہے۔ اور ناشکری گناہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ کو جہنم دکھایا گیا۔ تو جہنم میں سے عورتیں بکثرت ہیں آپ سے پوچھا گیا کیا وہ اللہ ساتھ کفر کرتی تھیں آپ نے فرمایا یَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَةَ (صحیح بخاری ج ا ص ۹) وہ اپنے خاوند کے ساتھ کفر کرتی تھی (اس کی نافرمانی کرتی تھیں)۔ ثابت ہوا کفر بمعنی معصیت نافرمانی اور شکری ہے۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کفر بوَاحًا سے مراد معصیت لی تھی اس لئے کہ یزید معصیت کا مرتکب تھا جیسے مؤرخین نے لکھا ہے۔ اس لئے یزید کے خلاف خروج کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔ اب یہ خوارج کا اعتراض کرنا غلط ہے کہ خلیفہ کے وقت کے خلاف خروج کیا گیا۔ زیادہ تفصیل شرح مسلم ج ۵ ص ۷۸۹ پر ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں، حضرت امام حسین کا خروج (یزید کے خلاف) دعوائے خلافت راشدہ کی بنا پر نہ تھا کیونکہ وہ تیس سال گزرنے پر ختم ہو چکی تھی بلکہ رعایا کو ایک ظالم (یزید) کے ہاتھ سے نجات دلانے کی بنا پر تھا۔ اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کرنا واجبات دین میں سے ہے۔ اور یہ جو مشکوۃ شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہ وقت کی بغاوت اور اس کے خلاف کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے خواہ وہ ظالم ہی کیوں نہ ہو یہ اس وقت کے لئے ہے کہ وہ ظالم بادشاہ بلا کسی جھگڑے اور مزاحمت کے پورا پورا تسلط حاصل کرلے اور یہاں ابھی تک اہل مدینہ واہل مکہ واہل کوفہ یزید پلید کے تسلط سے راضی ہی نہ تھے اور

حضرت امام حسین وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہم) جیسے حضرات نے اسکی بیعت ہی نہیں کی تھی۔ الحاصل حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا خروج یزید کے (ظالمانہ) تسلط کے دفع کرنے کے لئے تھا نہ کہ رفع کیلئے (کیونکہ تسلط مان کرخروج ہوتا تو رفع ہوتا ماننے سے پہلے تو دفع کی صورت ہوئی جوممنوع نہیں) اور وہ خروج جو حدیث میں ممنوع ہے وہ وہی ہے جو ظالم بادشاہ کا تسلط رفع کرنے کے لئے ہواور دفع اور رفع میں جوفرق ہے وہ مسائل فقھیہ میں ظاہر ومشہور ہے۔(فتاوی عزیزی اردو ص ۲۵۱، فارسی ص ۲۱)۔

نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں، وبعضے براہ غلو وافرط درشان وے روندو گویند امارت اوں باتفاق مسلمانان شد و طاعت وی بر حسین (رضی اللہ عنہ) واجب بود و بخدا اپناہ ازیں قول واعتقاد وی باوجود امام حسین امام وامیر شود واتفاق مسلمانان ان پلید بوددند انکارش کردندواز اطاعت او بیرون رفتدو بعضے از مدینہ بعد دریافت حال خلع بیعت کردند (بغیۃ الرائد فی شرح العقائد ص ۱۳۷)، اور بعض لوگ یزید کے بارے میں غلو وافراط کا راستہ اختیار کر کے کہتے ہیں کہ اس کوتو مسلمانوں نے بالاتفاق امیر بنایا تھالھذا اسکی اطاعت امام حسینؓ پرواجب تھی اس بات کے زبان سے نکالنے اور اس پر اعتقادرکھنے سے اللہ کی پناہ کہ وہ امام حسینؓ کے ہوتے ہوئے امام وامیر ہواور مسلمانوں کے اتفاق کیساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت اوران کی اولاد کہ جواس پلید کے زمانہ میں تھی اس سب نے اس کانکار کیااوراس کی اطاعت سے باہر ہوگئے اوراہل مدینہ کے بعض حضرات کو جب اسکے حال کا پتہ چلاتوانہوں نے اس (یزید) کی بیعت توڑ ڈالی۔اورآپ کی رائے سے اتفاق کرنیوالے حضرت عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ بھی تھے اور جوآپ کو جانے سے روکتے تھے وہ شفقت اورمہربانی کی بنا پر تھا نہ کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے اقدام حروج کو ناجائز کہتے تھے۔اورآپ حصول خلافت اور بغاوت کے لئے نہیں گئے تھے بلکہ اہل کوفہ کی دعوت اوراصرار پر

ان کی اصلاح کی خاطر گئے تھے۔

شیخ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے جنگ کرنے کے لئے خروج نہیں کیا اور لیکن آپ (رضی اللہ عنہ) نے خیال کیا کہ کوفہ کے لوگ آپ کی پیروی کریں گے جب آپ (رضی اللہ عنہ) نے (بلانے والوں کا) انحراف دیکھا تو آپ (رضی اللہ عنہ)) نے اپنے وطن واپس جانے کا مطالبہ کیا یا کسی سرحد کی طرف جانے کا یزید کے پاس اَنے کا تو ان ظلم کرنیوالوں نہ وطن کی طرف اور نہ کسی سرحد کی طرف اور نہ یزید کے پاس جانے دیا۔اور (محاصرہ میں رکھا) انہوں نے مطالبہ کیا کہ اَپ (رضی اللہ عنہ)) کو قیدی بنا کر یزید کے پاس لے جائیں تو حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے اس سے انکار کیا اور پھر آپ (رضی اللہ عنہ)) لڑے یہاں تک کہ مظلوم شہید کے گئے اور اَپ (رضی اللہ عنہ)) کا ارادہ شروح میں لڑنے کا نہیں تھا۔(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۵۵۰)۔

رخصت اور عزیمت پر عمل کرنا

وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے جان و مال کے خوف اور فساد کی وجہ سے یزید کی بیعت کی تھی وہ بھی حق پر تھے کیونکہ انہوں نے رخصت پر عمل کیا تھا اور حضرت امام حسینؓ نے عزیمت پر عمل کیا اس لئے آپ بھی حق پر تھے جیسا علامہ ابن خلدون نے بیان کیا ہے۔عزیمت و رخصت شریعت کے دو حکم ہیں اور دونوں پر عمل کرنا درست ہے اور دونوں کے دلائل اصول فقہ میں موجود ہیں۔جن صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کی تھی انہوں نے جنگ وجدال اور قتال کے فتنہ سے اور اسکے شر وظلم سے بچنے کے لئے کی تھی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ نے عزیمت پر عمل کیا۔ان کا مقصد و ارادہ احیاء دین تھا اپنی جگہ ذاتی طور پر وہ کامیاب وکامران ہوئے لیکن روکنے والوں کو جو اندیشہ تھا کہ آپ کیساتھ کوفہ والے وفا نہیں کریں گے اور آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ کر شہید کر دیں گے۔آخر ایسا ہی ہوا اہل کوفہ کا پہلے سے تجربہ یہ تھا

کہ انہوں نے حضرت علی المرتضی اور حسن مجتبیٰ ؓ کے ساتھ وفا نہیں کی تھی پھر جو نوشتہ تقدیر تھا وہ ہو کر رہا یہ بہت بڑا المیہ اور حادثہ تھا جس کی وجہ سے امت مسلمہ کو کتنا فائدہ ہوا کس قدر نقصان ہوا۔ بعض زیادہ عقیدت و محبت کرنے والے تو کہتے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو اسلام زندہ نہ رہتا بلکہ مٹ گیا ہوتا اور ان کی وجہ سے اسلام زندہ ہے اور بعض انتہائی شدت پسند اور ناصبی قسم کے لوگ تو کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے امت مسلمہ میں افتراق پیدا ہوا اور مسلمانوں کو بے حد نقصان ہوا اور آج تک مسلمان آپس میں اتفاق نہ کر سکے مگر یہ غلط بات ہے اسلئے کہ مسلمانوں میں افتراق و انتشار حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کی وجہ سے پیدا ہوا تھا تو پھر حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد اُس میں زیادہ شدت آ گئی۔ اور وہ حضرت امام حسن کی صلح پر اختلاف کی شدت ختم ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کی مکہ روانگی:

جب بیعت پر زیادہ اصرار کیا گیا تو حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) مدینہ منورہ سے مکہ شریف چلے گئے۔ ان واقعات کی اطلاع یزید کو ہوئی اس نے ولید بن عتبہ کو مدینہ منورہ کی حکومت سے معزول کر کے عمرو بن سعید الاشدق کو مامور کیا۔ عمرو بن سعید ماہ رمضان المبارک ۶۰ھ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔ اس نے پولیس کی افسری عمر بن زبیر کو دی اس وجہ سے کہ دونوں بھائیوں یعنی عبداللہ بن زبیر اور عمر بن زبیر) میں کسی وجہ سے ناچاقی تھی (ابن خلدون)

اور اس وقت مکہ شریف کا گورنر عمرو بن سعید بن العاص تھا اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے وہاں مکہ میں اقامت اختیار کر لی اور حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللّٰہ عنہما) کے ہاتھ پر دو ہزار شرفاء مکہ شریف نے بیعت کی یہ خلافت کی بیعت نہیں تھی بلکہ یزید کی مخالفت کرنا مقصود تھا۔

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی مکہ کی جانب روانگی:

حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کے بعد دوسرے دن حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) مع اپنے

بیٹوں ، بھائیوں اور بھانجوں کے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے ۔صرف محمد بن حنفیہ باقی رہ گئے ۔حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو اہلیان کوفہ حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ ہی سے بلا رہے تھے لیکن آپ ہمیشہ انکار فرمادیا کرتے تھے مگر جب یزید کی بیعت ہونے لگی تو اول تو آپ نے اپنی موجودہ حالت پر رہنے کا ارادہ کیا کوفہ والوں کے تقاضے کے پیش نظر پھر کوفہ (عراق) جانے کا ارادہ کرلیا (تاریخ الخلفاء ص ۱۶۴)۔معلوم ہوا کہ آپ نے اہل کوفہ کی دعوت پر بیعت یزید کے موقع پر (عراق) جانے کا ارادہ کیا تھا، اور قضاء وقدر کا فیصلہ ہو چکا تھا اس لئے آپ نے کسی کا مشورہ بالکل قبول نہ کیا۔حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) اٹھائیسویں رجب ۶۰ ھ کو اتوار کی شب مدینہ منورہ سے نکلے اور مکہ کی طرف چلے تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی: { فَخَرَجَ مِنۡهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ } (سورہ قصص ۲۸: ۲۱) پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (اپنی گرفتاری کا) انتظار کرتے ہوئے۔عرض کی میرے رب! بچالے مجھے ظلم وستم کرنے والوں سے۔یہ آیت شریفہ حضرت موسی علیہ السلام نے مصر سے مدین کی جانب روانگی کے وقت پڑھی تھی کیونکہ فرعون آپ کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔گویا کہ اس وقت کا فرعون یزید تھا۔

عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے ملاقات:

بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہ) مکہ شریف سے مدینہ منورہ جا رہے تھے اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مکہ سے آرہے تھے تو راستہ میں ملاقات ہوگئی۔حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا؟ لَا تُفَرِّقَا جَمَاعَةَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۔ (ابن خلدون ص ۲۳)، مسلمانوں کی جماعتوں کو متفرق نہ کرو۔

حافظ ابن کثیرؒ تحریر کرتے ہیں،: فَقَالَ لَهُمَا ابنُ عُمَرَ اتَّقِيَا اللهَ وَلَا تُفَرِّقَا بَينَ جَمَاعَة الْمُسلِمِينَ (البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۱۵۵)، کہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ تم دونوں اللہ تعالی سے ڈرو اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ نہ ڈالو۔

یعنی زیادہ تر لوگ رخصت پر عمل کرتے ہوئے یزید کی بیعت کر رہے ہیں اور تم لوگ نرمی اور مصلحت سے کام لو تاکہ مسلمانوں میں زیادہ اختلاف نہ پیدا ہو یہ ایک مشورہ تھا۔

عبداللہ بن مطیع رحمہ اللہ سے ملاقات:

راستہ میں حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو عبداللہ بن مطیع ملے انہوں نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ جانے سے روکا کہ آپ مکہ میں رہیں اور کوفہ نہ جائیں۔ ے

کردہ ای عزم سفر لطف خدا یار تو باد ۞ فضل حق از ہمہ آفات نگہدار تو باد

آپ نے سفر کا ارادہ پختہ کرلیا ہے اللہ کی مہربانی آپ کی مددگار رہو۔ اللہ کا فضل تمام آفات سے آپ کو محفوظ رکھے۔

جب حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہم) کہ معظّمہ میں داخل ہوئے تو یہ آیت تلاوت فرمائی: {وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ} (سورہ قصص ۲۸:۲۲)، اور جب روانہ ہوئے مدین کی جانب تو دل میں کہنے لگے امید ہے میرا رب میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف۔

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا مکہ میں قیام:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا جو حرم میں داخل ہوا وہ امن میں آ گیا

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں وَكَانَ خُرُوجُ الْحُسَيْنِ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ يَوْمُ الْاَحَدِ لَيْلَتَيْنِ بَقِيَتَا مِنَ الرَّجَبِ سَنَةِ سِتِّيْنِ وَدَخَلَ مَكَّةِ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ لِثَلَاثِ

مَضَيْنَ مِنْ شَعْبَان فَاَقَامَ بِمَكَّه بقية شُعْبَان وَرَمَضَانَ وَشَوَالًا وَذُو الْقَعْدَة ثُمَّ خَرَجَ مِنْهَا لِثَمَانٍ مَضَيْنَ مِنْ ذِي الْحِجَّة يَوْمَ الثُّلَاثَآءِ يَوْمُ التَّرْوِيَة (البداية والنهاية ج ۸ ص ۱۲۵)

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) ۲۸ رجب ٦۰ھ اتوار کے روز مدینہ منورہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۳ شعبان جمعہ کی شب مکہ میں داخل ہوئے اور آپ نے بقیہ شعبان، رمضان، شوال اور ذی القعدہ مکہ میں قیام کیا۔ یہاں مکہ شریف میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) شعب بنی ھاشم میں ٹھہرے اور آپ کی خدمت میں لوگ دست بوسی اور ملاقات کے لئے حاضر ہونے لگے۔ اور ۸ ذو الحجہ کو منگل کے روز یوم الترویحہ کو مکہ شریف سے (کوفہ) نکلے۔ (البدایۃ و النہایۃ ، ابن کثیر ۱۵۸:۸)۔ قیام کی مدت چار ماہ سات یا اٹھ دن ہے یعنی ماہ شعبان ورمضان وشوال وذ والقعدہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی ایام۔ قیام مکہ شریف کے دوران لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کی تعظیم واکرام کرتے تھے۔ مکہ شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) بھی تھے مگر لوگوں کا دلی میلان حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی طرف تھا کیونکہ ان جیسا کوئی بھی نگاہ میں نہیں آتا تھا۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: اِنَّمَا مَيْلُهُمْ اِلَى الْحُسَيْنِ لِاَنَّهُ السَّيِّدُ الْكَبِيْرُ وَابْنُ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ فَلَيْسَ عَلَى وَجْهِ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ اَحَدٌ يُسَامِيْهِ وَلَا يُسَاوِيْهِ وَلَكِنَّ الدَّوْلَةَ الْيَزِيْدِيَّةَ كَانَتْ كُلُّهَا تَنَاوُئُه (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۵۷)، بلکہ لوگوں کا میلان حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) ہی کی طرف رہا کیوں کہ وہ بڑے سردار اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے اور روئے زمین پر کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو آپ کا ہمسر اور آپ کے مساوی (برابر) ہو لیکن ساری یزیدی حکومت آپ سے دشمنی رکھتی تھی۔

کوفیوں کے خطوط:

جب حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی مکہ شریف میں آمد کا اہل کوفہ کو علم ہوا تو اہل کوفہ نے جو خارجی (بے وفا) قسم کے لوگ تھے تو انہوں نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی طرف تقریباً ڈیڑھ سو خطوط لکھے اور بعض حضرات خود بھی آپ کی خدمت میں آئے اور دعوت دی کہ آپ ہمارے پاس آجائیں۔

علامہ ابو اسحق اسفرائینی لکھتے ہیں کہ آپ نے جواب میں فرمایا میں یہاں ہی حرم میں قیام کرنا چاہتا ہوں، آپ (رضی اللہ عنہ) نے جانے سے انکار کیا، آپ دن بھر روزہ رکھتے رات بھر نمازیں پڑھتے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور حرم میں رکوع سجود کرتے اور ادھر اہل کوفہ وقتاً فوقتاً ان کے پاس خطوط بھیجتے رہتے جن میں عراق میں ان کے تشریف لانے در خلافت پر قابض ہونے کی تاکید درج ہوتی تھی۔ ایک سال کے عرصے میں کوفہ وعراق کے بھیجے ہوئے خطوط کی تعداد ایک ہزار تک پہنچ گئی۔ جن میں سے ہر ایک کا مضمون یہ تھا کہ اے عبداللہ جلد آؤ۔ ہم آپ (رضی اللہ عنہ) کی مدد کو تیار ہیں۔ ہم آپ (رضی اللہ عنہ) کے والد اور نانا کی خلافت آپ (رضی اللہ عنہ) کو دلا دینگے۔ مگر آپ (رضی اللہ عنہ) ان خطوط کی طرف ملتفت نہ ہوئے بلکہ ہر بار یہی کہا کہ میں مکہ سے باہر نہ نکلونگا۔ یہانتک کہ میری زندگی ختم ہو جائے۔ اور میں اسی جگہ مروں مجھے خلافت کی اور لوگوں پر جبر وتعدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

راوی کہتا ہے کہ ایک دن امام حسین (رضی اللہ عنہ) اپنے گھر میں تشریف فرما تھے۔ ایک سوار آیا۔ اور آپ (رضی اللہ عنہ) کا دروازہ کھٹکانے لگا۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا کون ہے عرض کی یا ابا عبداللہ میں ایک قاصد ہوں۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے اندر آنے کی اجازت بخشی۔ وہ اندر آیا۔ سلام کیا۔ اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ پھر ایک خط نکال کر آپ (رضی اللہ عنہ) کو دیا جو اہل کوفہ نے بھیجا تھا۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے کھول کر پڑھا تو اس میں یہ عبارت درج تھی

یا حسین یا ابن بنت رسول اللہ۔ یزید ابن معاویہ سخت ظلم کر رہا ہے۔ لوگوں کو قتل کر ڈالتا ہے۔ ان کے مال لوٹ لیتا ہے۔ عبید اللہ بن زید بن مرجانہ نامی ایک شخص کو اس نے ہم پر حاکم مقرر کر رکھا ہے جو ایک جبار و ستمگار اور غدار شخص ہے اس کا ظلم تمام ملک میں پھیل گیا ہے۔ وہ نیک باتوں سے منع کرتا ہے اور بری باتوں کا حکم دیتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ خدا سے نہیں ڈرتا۔ سر عام فسق و فجور کرتا ہے۔ رعایا کو ہر بلا کا ہدف مصائب بنا رہا ہے۔ لوگوں کو ناحق قتل کر ڈالتا ہے اور بلا وجہ ان کے مال ضبط کر لیتا ہے۔ کسی امر میں خدا کا لحاظ نہیں کرتا۔ رعایا سے عدل و انصاف اس اس میں رو پوش رکھا ہے۔ اور ظلم و طغیان عام کر دیا ہے۔ اے ابو عبد اللہ ہم قبل ازیں ایک ہزار کے قریب عرضیاں آپ (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں بھیج چکے ہیں جس میں ہم نے التجا کی ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) تشریف لا ئیں ہم آپ کی امداد و اعانت کو آمادہ ہیں۔

یزید کو قتل کر کے آپ (رضی اللہ عنہ) کے باپ (رضی اللہ عنہ) اور نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت آپ (رضی اللہ عنہ) کو دلا دینگے پھر خواہ آپ (رضی اللہ عنہ) خود خلیفہ بنیں یا اپنے اہل بیت میں سے کسی اور کو بنائیں۔ ہم آپ (رضی اللہ عنہ) کے نانا مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دیکر آپ سے ملتجی ہیں کہ آپ (رضی اللہ عنہ) ضرور تشریف لائیں۔ اور خلافت پر قبضہ فرمائیں۔ اگر آپ (رضی اللہ عنہ) نہ آئے تو کل بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ (رضی اللہ عنہ) پر دعوی کرینگے اور کہیں گے الٰہی حسین نے ہم پر ظلم کیا تھا۔ کیونکہ ہم پر ظلم ہوتا دیکھ کر یہ خاموش بیٹھے رہے۔ اور تمام لوگ فریاد کرینگے کہ ہمارے پروردگار حسین (رضی اللہ عنہ) سے ہمارا بدلہ دلا۔ تو اس وقت آپ (رضی اللہ عنہ) کیا جواب دینگے اور خلق اللہ کے حقوق سے کس طرح سرخوئی حاصل کرینگے۔ جب امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے خط پڑھا تو خدا کے خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور خلق اللہ کی مظلومی پر اور ان کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ ڈالنے سے انکار دل پانی پانی ہو گیا۔ فوراً اٹھے بحالیکہ ان کے آنسو

رخساروں پر بہ رہے تھے اور دوات قلم اور کاغذ لیکر اہل کوفہ و عراق کی طرف جواب لکھا۔ (نورالعین ص ۱۲، ۱۳، ۱۴)۔

کہ میں تمہارے حالات دریافت کرنے کے بعد آ سکوں گا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ (رضی اللہ عنہ) سال بھر مکہ میں قیام پزیر رہے ہیں اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) تقریباً چار ماہ مکہ میں رہے تھے، زیادہ صحیح یہی ہے کہ تھوڑا عرصہ ٹھہرے تھے اور کوفیوں نے کہا کہ ہم قیامت کے دن آپ (رضی اللہ عنہ) کے تشریف نہ لانے اور ہماری رہنمائی نہ کرنے کی شکایت کریں گے اس لئے آپ (رضی اللہ عنہ) نے عراق جانے کا ارادہ فرمایا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ یزید بن معاویہ نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کی طرف خط لکھ کر انہیں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے مکہ کی طرف خروج کے بارے میں بتایا کہ ان کے پاس اہل مشرق کے کچھ لوگوں نے انہیں خلافت کی تمنا دلائی اور آپ کو ان کا تجربہ ہے اگر انہوں نے ایسا کیا تو قرابت کا رشتہ توڑ دیا۔ آپ اپنے گھر والوں میں بڑے منظور نظر ہیں انہیں افتراق کے لئے کوشش کرنے سے روکیں (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۷۱، ابن عساکر)۔

اس سے معلوم ہوا کہ یزید کے اور حضرت عبداللہ ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کے اچھے مراسم تھے نیز یزید جانتا تھا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کا اپنے خاندان میں بڑا مرتبہ ہے۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے اس (یزید) کی طرف خط لکھا میں امید کرتا ہوں کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا خروج ایسے کام کے لئے نہ ہوگا جسے تم ناپسند کرتے ہو میں انہیں ایسے کام کی نصیحت کرتا ہوں جس سے الفت قائم رہے اور انتقام کی آگ بجھی رہے۔ پھر ترجمان القرآن سیدنا ابن عباس (رضی اللہ عنہ) حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے پاس گئے اور ان سے طویل کلام کرتے ہوئے کہا۔ اللہ کے واسطے اپنے آپ کو بری حالت میں ہلاک نہ کرو عراق مت جاؤ۔ اگر تم

جانا ہی چاہتے ہو تو حج کا موسم ختم ہونے تک اس کا انتظار کرو اور لوگوں سے مل کر ان کے حالات معلوم کرو پھر کوئی رائے قائم کرنا لیکن آپ جانے پر ہی مصر رہے۔(البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۱۷۱، ابن عساکر)۔حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے کوئی مشورہ قبول نہ کیا اس اندیشہ سے کہ کہیں میری وجہ سے حرم مکہ کی بے حرمتی نہ ہو میں اس جگہ قتل نہ کیا جاؤں۔

حضرت مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کی کوفہ روانگی:

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے عم زاد حضرت مسلم بن عقیل بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ کی طرف جانے کا حکم دیا تا کہ وہ اصل حقیقت حال معلوم کریں۔حضرت مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) اپنے دو ساتھیوں کو لے کر مدینہ شریف سے ہوتے ہوئے کوفہ پہنچے۔جبکہ ان کے وہ دونوں ساتھی پیاس کی وجہ سے راستہ میں ہی فوت ہوگے۔

حضرت مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کا قیام:

امام طبری لکھتے ہیں فَبَعَثَ اِلَیہِمْ مسلم بن عقیل قَدِمَ الْکُوفَةَ فَنَزَلَ دَارَ هَانِیءِ بْنِ عُروه اِجْتَمَاعِ اِلَیْهِ النَّاس (طبری) اہل کوفہ کی مسلم بن عقیل روانہ کیا آپ کوفہ پہنچ گئے تو آپ حضرت ھانی بن عروہ گھر میں اترے لوگ آپ کی خدمت جمع ہوئے۔بعض لکھتے ہیں کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کے گھر ٹھہرے تھے۔(یہ وہی مختار ابی عبیدہ ثقفی ہے جس نے بعد میں قاتلین حسین سے انتقام لیا تھا کہا جاتا ہے کہ مھدی کا دوی بھی کر دیا تھا واللہ اعلم ۔)جب حالات زیادہ خراب ہو گئے تو ہانی بن عروہ کے گھر ٹھہرے پھر اس کے بعد مسلم بن عوسجہ اسدی کے پاس قیام کیا۔

اہل کوفہ نے آپ (رضی اللہ عنہ) کی آمد کا سنا تو انہوں نے آپ (رضی اللہ عنہ) کے پاس آ کر

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی امارت پر آپ (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی اور ان بیعت کرنے والوں کی تعداد اٹھارہ ہزار تک پہنچ گئی۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں فَاجْتَمَعَ عَلٰی بَیْعَتِہٖ مِنْ اَھْلِھَا اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا ثُمَّ تَکَاثَرُ حَتّٰی بَلَغَ ثَمَانِیَّۃَ عَشَرَ اَلْفًا (البدایۃ والنھایۃ) بارہ ہزار اہل کوفہ نے آپ کی بیعت کی پھر ان کی تعداد زیادہ ہوگی یہاں تک کہ اٹھارہ ہزار تک پہنچ گئی۔

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو خط لکھنا:

حضرت مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) نے جب اہل کوفہ کی اس عقیدت اور محبت کو دیکھا تو حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو خط لکھا کہ وہ عراق جلدی آجائیں کیونکہ یہاں کے حالات ٹھیک ہیں۔ تو حضرت امام حسین نے مکہ معظّمہ سے جانب کوفہ جانے کی تیاری شروع کردی۔

نعمام بن بشیر کی معزولی عبیداللہ بن زیاد کی تقرری:

اس وقت کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر انصاری تھے۔ان کے امن پسندی کی باتوں سے عبداللہ بن مسلمہ بن شعبہ حضرمی نے کہا جس راستہ پر آپ (رضی اللہ عنہ) چل رہے ہیں وہ کمزوری کا راستہ ہے آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا لَاَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ فِیْ طَاعۃ اللّٰہِ اُحِبُّ اِلَّی اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْاَعِزِّیْنَ فِیْ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ (البدایۃ والنھایۃ)

آپ نے اس کو کہا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مجھے کمزور بننا پسند ہے اس بات سے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں قوی ہوں پھر اس شخص نے یزید کو خط لکھ کر شکایت کی اور بعض دیگر افراد نے بھی خطوط لکھے پھر یزید نے نعمان بن بشیر انصاری کو کو معزول کر کے ابن زیاد کو کوفہ کا امیر بنادیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تلك الايام نداولها بين الناس ان دنوں کو ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔(فتح وشکست عزت وذلت خوشی اور غمی وغیرہ میں)۔

حضرت مسلم کے خط لکھنے کے بعد بحکم قضاء وقدر حالات بدلنے شروع ہو گئے۔اور یزید کو مسلم بن عقیل کے کوفہ جانے کی جاسوسوں نے اطلاع دے دی اور یزید نے عبیداللہ بن زیاد کو حکم دیا کہ کوفہ جا کر مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کو نکال دو۔اگر نہ مانے تو قتل کر دو۔ابن زیاد بصرہ سے کوفہ کی جانب نقاب پوش ہو کر اور سیاہ عمامہ باندھ کر کوفہ میں داخل ہوا تا کہ لوگ گمان کریں کہ حضرت حسین مکہ سے اَ گئے ہیں۔

بعد میں جلدی ظاہر ہو گیا کہ یہ عبیداللہ بن زیاد ہے۔اور قصر عمارت میں داخل ہو کر منادی کرا دی اور لوگ جمع ہو گے باہر نکل کر خطبہ دیا اور اس کے ڈرانے سے لوگ بدل گئے۔اور حضرت مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کو گرفتار کر کے بڑی بیدردی کے ساتھ عرفہ کے دن ۶۰ ھ کو شہید کر دیا گیا۔اور ہانی بن عروہ مرادی کو بھی شہید کر دیا کیونکہ مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) ان کے ہاں ٹھہرے تھے۔

حضرت امام مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کے بچوں کا واقعہ کسی مستند تاریخ سے ثابت نہیں کہ وہ حضرت امام مسلم کے ساتھ کوفہ میں آئے تھے تو پھر انہیں بھی وہاں شہید کر دیا گیا۔تاریخ طبری، ابن کثیر، کامل ابن اثیر اور تاریخ ابن خلدون وغیرہ میں حضرت مسلم کے صاحبزادوں کا ان کے ساتھ کوفہ میں جانا مذکور نہیں۔ہاں البتہ بعض واعظین کی کتابوں میں ان کا ذکر آتا ہے۔

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ جانے کی تیاری:

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو جب حضرت مسلم (رضی اللہ عنہ) کا خط ملا تو آپ نے کوفہ کی طرف جانے کی تیاری کر لی تو عقیدتمندوں اور رشتداروں نے روکنا اور مشورے دینے شروع کئے۔اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کوفہ نہ جانے کا مشورہ دینے والوں میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، ابوواقد اللیثی اور حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن جعفر طیار (رضی اللہ عنہم) تھے۔

یہ اکابر صحابہ مجتھد تھے ان کی اجتھادی رائے تھی کہ عراق کا سفر نہ کریں اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) بھی بلند مرتبہ مجتھد تھے اس لئے وہ اپنے اجتھاد پر قائم اور مصر رہے اور یہ بھی اجتھادی مسلہ تھا اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اَلْمُجْتَھِدُ قَدْ یُخْطِیٔ وَیُصِیْبُ (مجتھد کبھی غلطی کرتا ہے اور کبھی درستگی)رب کائنات کی طرف سے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے لئے شہادت کا مرتبہ مقدر ہو چکا تھا اس لئے سب کی آراء پر تقدیر غالب آئی وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے کام پر اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)۔ ان حضرات کا کوفے جانے سے روکنا از روے شفقت اور ہمدردی کے طور پر تھا نہ یہ کہ آپ کا خروج غلط سمجھتے تھے آپ کے موقف سے کسی کا اختلاف نہیں تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نہیں چاہتے تھے کہ حضرت حسین کوفہ جائیں چنانچہ غالب بن بشیر نے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں حضرت عبداللہ ابن زبیر (رضی اللہ عنہ) نے حسین (رضی اللہ عنہ) سے کہا آپ کہاں جارہے ہیں؟ ایسی قوم کی طرف جارہے ہیں جس نے آپ کے والد گرامی کو قتل کیا آپ کے بھائی کو طعن تشنیع کی۔ آپ نے فرمایا میں فلاں فلاں مقام میں قتل کیا جاؤں یہ مجھے پسند ہے اس بات سے کہ میرے ذریعے کعبہ کو حلال سمجھا جائے۔ (تاریخ ابن کثیر ص ۶۴۶)۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر کو کوفہ جانے سے روکنا:

ابو العباس احمد بن محمد ابن حجر الھیتمی متوفی ۹۷۳ھ فرماتے ہیں وَنَہَاہُ ابْنُ الزُّبَیْرِ اَیْضًا فَقَالَ لَہٗ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ اِنَّ لِمَکَّۃَ کَبْشًا بِہٖ یَسْتَحِلُّ حُرْمَتُھَا فَمَا اُحِبُّ اَنْ اَکُوْنَ اَنَا ذٰلِکَ الْکَبْشُ (الصواعق المحرقہ ج ۱ ص ۵۷۴)۔ حضرت عبداللہ

ابن زبیر (رضی اللہ عنہ) نے بھی حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ جانے سے روکا تو آپ نے انہیں فرمایا میرے والد نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ مکہ میں ایک مینڈھا ہے جس سے مکہ کی حرمت (عزت) پامال ہوگی میں نہیں چاہتا کہ وہ مینڈھا (بکرا) بنوں۔ معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ جانے سے روکتے تھے اور کوفہ جانے کی ترغیب نہیں دیتے تھے۔

ابومخنف لوط بن یحییٰ کے جھوٹوں میں سے ایک یہ بہت بڑا جھوٹ اور الزام ہے ان الزبیر شجع الحسین ابن علی الی الکوفۃ و کی یقتل و یخلولہ الجو (حاشیہ صحیح تاریخ الطبری ص ۶۹) کہ حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) حضرت حسین بن علی کو کوفہ جانے پر امادہ کرتے تھے تاکہ وہ قتل ہوجائیں اور ان کے لئے فضا خالی ہوجائے اور یہ غلط بات ہے سب صحابہ کرام حضرت حسین کو جان ودل سے پیارا سمجھتے تھے یہ صحابہ کرام کے بارے میں بدگمانی پیدا کرنا ہے۔ غرضیکہ وَلَمْ يَبْقَ بِمَكَّةَ اِلَّا مَنْ حَزِنَ لِمَسِيْرِهٖ (الصواعق المحرقہ) اور مکہ میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جو آپ کے اس سفر سے غمگین نہ ہو۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا حضرت حسینؓ کو کوفہ جانے سے منع کرنا

حضرت عبداللہ بن عباس (جو رشتہ میں چچا تھے) بار بار ہمدردانہ حضرت حسین کو فہ جانے سے منع کرتے تھے حضرت حسین فرمایا يَابْنَ عَمِّ وَاللهِ اِنِّيْ اَعْلَمُ اَنَّكَ نَاصِحٌ شَفِيْقٌ وَلٰكِنِّيْ اَزْمَعْتُ الْمَسِيْرَ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۶۷ س) اے چچازاد خدا کی قسم میں جانتا ہوں آپ

خیر خواہ اور مشفق ہیں لیکن میں جانے کا پختہ ارادہ کر چکا ہوں حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر ضرور جانا ہے تو عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں خدا قسم مجھے ڈر ہے کہ کہیں آپ کو اس طرح قتل نہ کر دیا جائے جیسا کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا گیا تھا ان کی عورتیں اور بچے انہیں دیکھ رہے تھے (البدایۃ النھایۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کا مشورہ:

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ان (اہل کوفہ) کے پاس نہ جائیں آپ نے انکار کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ میں آپ (رضی اللہ عنہ) کو ایک حدیث بتاتا ہوں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ (رضی اللہ عنہ) کو دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے آخرت کو اختیار کیا اور دنیا کو نہ چاہا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پارہ گوشت ہیں۔ خدا کی قسم آپ (رضی اللہ عنہ) میں سے کوئی ایک شخص بھی دنیا کا حکمران نہ ہوگا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ (رضی اللہ عنہ) کو اس دنیا سے ہٹا کر اس چیز کی طرف پھیر دیا ہے جو آپ (رضی اللہ عنہ) کے لئے بہتر ہے۔ مگر حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ فَعَتَنَقَهٗ اِبْنُ عُمَرَ وَبَكٰى وَقَالَ اَسْتَوْدِعُكَ اللّٰهَ مِنْ قَتِيْلٍ (البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۱۶۸)، راوی کہتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے حضرت حسین کو گلے لگایا اور رو پڑے اور کہا میں تمہیں اللہ کی طرف سپرد کرتا ہوں قتل ہونے سے۔

یعنی آپ (رضی اللہ عنہ) کے لئے دنیا کی حکمرانی نہیں ہے دینی امامت اور خلافت ہوگی۔

حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) (جو حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے سوتیلے بھائی تھے) کوفہ جانے سے منع کیا اور باصرار روکا مگر امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے انکار کیا۔ کیونکہ درجہ شہادت پر فائز ہونا مقدر ہو چکا تھا۔ جانے سے قبل آپ (رضی اللہ عنہ) نے عمرہ ادا کیا اور پھر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **فَطَافَ الْحُسَيْنُ بِالْبَيْتِ وَبَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَقَصَّرَ مِنْ شَعْرِهِ وَحَلَّ مِنْ عُمْرَتِهِ ثُمَّ تَوَجَّهَ نَحْوَ الْكُوفَةِ** (البدایۃ والنہایہ ج ۸ ص ۱۷۳)، پھر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کعبہ کا طواف کیا صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور اپنے بال چھوٹے کروائے اپنے عمرے سے حلال (فارغ) ہوئے پھر آپ (رضی اللہ عنہ) کوفے کی طرف چلے گئے۔ کسی عراقی نے کہا: اے پسر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ (رضی اللہ عنہ) پر قربان ہوں آپ (رضی اللہ عنہ) کس وجہ سے حج سے سبقت کر رہے ہیں؟ آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: **لَوْ لَمْ أُعَجِّلْ لَأُخِذْتُ** اگر میں سبقت نہ کروں تو پکڑا جاؤں۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۷۴)۔ اگر میں جلدی نہ کروں تو پکڑ لیا جاؤں گا۔ یزید کی جانب سے حاجیوں کے لباس میں کئی آدمی مکے میں بھیجے ہوئے تھے تا کہ جو حضرت حسین کو شہید کر دیں۔

آٹھواں باب سفر کوفہ کی منزلیں اور شہادت و کربلاء کے واقعات

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) ۸ یا ۱۰ ذوالحجہ ۶۰ھ کو اپنے اہل و عیال افراد خاندان اور اعوان و انصار کے ساتھ مکہ معظّمہ سے کوفے کی جانب روانہ ہوئے بعض کہتے ہیں کہ حضرت حسین مکہ شریف سے

مدینہ منورہ چلے گے تھے پھر وہاں مدینہ منورہ سے کوفہ گئے۔(نورالعینین وغیرہ)۔
مگر زیادہ صحیح یہی ہے کہ آپ مکہ معظّمہ سے سیدھے کوفہ تشریف لے گئے تھے۔

فَخَرَجَ الْحُسَيْنُ مُتَوَجِّهًا اِلَيْهِمْ اَهْلَ الْكُوْفَةِ فِيْ اَهْلِ بَيْتِهٖ سِتِّيْنَ شَخْصًا صَاحِبَهٗ وَذٰلِكَ يَوْمُ الْاِثْنَيْنِ فِيْ عَشَرَ ذِي الْحَجَّةِ (البدایہ ج ۸ ص ۱۶۵) تو حضرت حسین اپنے خاندان کے ساتھ اور ساتھ کوفی اشخاص کی میت میں (مکہ) سے اہل کوفہ پے کاس پہنچ جانے کے لئے روانہ ہونے ان کی روانگی ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ تھی۔

اور مکہ معظّمہ سے کربلا تک منازل سفر کی تعداد میں مختلف روایتیں پائی جاتی ہیں۔بعض نے ۳۱ منزلیں بیان کی ہیں اور مکہ سے کوفہ تک فاصلہ ۸۰۰ عربی میل اور سفر کی کل مدت ۳۰ تھی۔
بعض نے پندرہ بعض نے سولہ اور بعض نے انیس بعض نے چالیس ذکر کیں ہیں۔ان میں سے بعض کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

پہلی منزل: مقام بستان ابن عامر

مکہ معظّمہ سے نکلنے کے بعد کوفے کی جانب راستہ میں پہلی منزل بستان بنی عامر ہے۔بعض نے پہلی منزل تنعیم لکھی ہے۔

تو آپ جب مقام تنعیم یا بستان عامر پر پہنچے اور آپ (رضی اللہ عنہ) کی ایک یمن سے آنیوالے قافلہ سے ملاقات ہوئی جو یمن کے نائب بجیر بن زیاد حمیری نے یمن سے یزید بن معاویہ کی طرف بھیجا قافلے میں ورس (ایک قسم کا پودا) اور بہت جوڑے تھے۔آپ (رضی اللہ عنہ) نے وہ لے لئے اور آگے چل دیئے ان کے ذریعہ سے کوفہ تک اونٹ کرائے پر لے لئے گئے۔طبری، ابن اثیر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آپ (رضی اللہ عنہ) مقام تنعیم سے ہوتے ہوئے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے تھے۔حضرت عقبہ بن سمعان سے روایت ہے کہ جب حسین (رضی اللہ عنہ) مکہ سے نکلے تو مکہ کے

نائب عمرو بن سعید کے قاصد انہیں راستے میں ملے جن کے امیر ان کے بھائی یحییٰ بن سعید تھے انہوں نے آپ سے کہا واپس پلٹ جاؤ کہاں جا رہے ہو لیکن آپ نے انکار کیا اور چل پڑے دونوں فریقوں کی آپس میں کوڑوں اور چھڑیوں سے کچھ لڑائی بھی ہوئی پھر آپ اور آپ کے ساتھی ان سے بچ نکلے اور آپ اپنے راستے پر چل پڑے۔ یحییٰ بن سعید نے آواز دے کر کہا، اے حسین کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے تم اتحاد ہو جانے کے بعد جماعت سے نکل کر تفریق پیدا کر رہے ہو۔ آپ نے یہ آیت پڑھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لِيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (سورہ یونس ۴۱)۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال تم ہمارے اعمال سے بری ہو اور میں تمہارے اعمال سے بری ہوں۔

دوسری منزل: منزل صفاح: فرزدق سے ملاقات:

جب آپ مقام صفاح تک پہنچے تو فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی (فرزدق عربی شاعری کا مشہور نام ہے، حضرت علی اور اہل بیت کے حامیوں میں سے تھا عراق ہی وطن تھا) تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے اس سے پوچھا کہ لوگوں (اہل کوفہ) کی باتیں سناؤ۔ اس نے جواب دیا: اے فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! حالات سے واقفیت رکھنے والے کے نزدیک موت کا وقت آ گیا ہے۔ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ اور تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ فیصلہ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مؤرخ ابوعمرو خلیفہ بن خیاط بصری متوفی ۲۴۰ لکھتے ہیں: ثُمَّ سَأَلَنِيْ كَيْفَ تَرَكْتَ النَّاسَ وَرَاءَكَ فَقُلْتُ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ تَرَكْتُ الْقُلُوْبَ مَعَكَ وَالسُّيُوْفَ مَعَ بَنِيْ اُمَيَّةَ وَالنَّصْرُ فِي السَّمَاءِ، (تاریخ خلیفہ بن حیاط ص ۱۴۳)، پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا، کس حال میں چھوڑا ہے تم نے لوگوں کو؟ انہوں نے کہا میرے والدہ باپ آپ (رضی اللہ عنہ) پر قربان ہوں،

حال یہ ہے کہ سب کے دل آپ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ہیں لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ اور مدد آسمان سے آتی ہے۔

امام احمد یحییٰ بلاذریؒ (متوفی ۸۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ فرزدق نے فرمایا: اَنْتَ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَی النَّاسِ وَالسُّيُوْفُ مَعَ بِنِیْ اُمَيَّةَ وَالْقَضَاءُ مِنَ السَّمَاءِ، (الانساب الاشراف ج ۳ ص ۳۷۶)، آپ (رضی اللہ عنہ) لوگوں کو سب سے زیادہ محبوب ہیں لیکن تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں اور فیصلہ آسمان سے نازل ہوتا ہے۔

عبداللہ بن جعفر کا خط:

اس مقام پر یا اس سے کچھ آگے بڑھے کہ عبداللہ بن جعفر کا خط ملا جس کو ان کے دونوں لڑکے عون و محمد لے کر آئے جس میں لکھا تھا برادر من خدا کے واسطے خط دیکھتے ہی واپس آجائیں، عراق نہ جائیں آپ (رضی اللہ عنہ) نیست و نابود ہو جائیں آپ (رضی اللہ عنہ) نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی عون و محمد کو ہمراہ لے لیا اور آگے بڑھے عبیداللہ ابن زیاد کو آپ کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے حصین بن نمیر تمیمی جو پولیس کا اعلیٰ افسر تھا قادسیہ کو روانہ کیا تا کہ وہ حضرت حسین کو آگے نہ جانے دیا۔

چوتھی منزل: ذات عرق:

جب قافلہ حسین بن علی اعلیٰ منزل ذات عرق پر پہنچا کچھ دیر آرام کیا اور بشیر بن غالب نامی نے آپ سے ملاقات کا شرف خاصل کیا اس کے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا میرے پاس اہل کوفہ کے خطوط کا ایک تھیلا بھرا ہوا ہے۔ جسمیں انہوں نے باصرار اعراق جانے کی دعوت دی ہے اس لئے میں جا رہا ہوں۔

پانچویں منزل: منزل بطن رُمّہ:

اس کا دوسرا نام حاجر ہے آپ (رضی اللہ عنہ) جب یہاں پہنچے تو آپ (رضی اللہ عنہ) اَپنے ایک مخلص ساتھی قیس بن مسہر صداوی کو خط دے کر کوفے روانہ کیا تا کہ اہل کوفہ کے حالات کا پتہ چل جائے کہ ہم کوفہ آ رہے ہیں۔

عبداللہ بن مطیع رحمۃ اللہ علیہ:

جب حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) حاجر سے روانہ ہو کر کوفہ کی طرف تھوڑی دور چل کر عرب کے ایک چشمہ پر پہنچے تو عبداللہ بن مطیع (رحمہ اللہ) آپ (رضی اللہ عنہ) کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور احوال دریافت کرنے کے بعد عرض کیا کوفہ جانے کا قصد نہ فرمائیں، یہ لوگ پیمان شکن اور بدعھد ہیں۔آپ (رضی اللہ عنہ) شہید کر دئے جائیں گے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

قُلْ لَن یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کتب اللہ لَنَا ھُوَ مَوْلٰنَا وَ عَلَی اللہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ

(سورہ توبہ ۵۱) تم فرماؤ ہمیں نہ پہنچے مگر جو اللہ نے ہمارے لئے مقرر کر دیا ہے وہ ہمارا مولا ہے اور مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ چاہیئے۔آگے بڑھے زھیر بن القین بجلی حج کر کے واپس آ رہے تھے انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور حضرت حسین کے ساتھ چل پڑے۔یہاں تک کہ کربلاء میں شہید ہو گئے۔

چھٹی منزل: عض العیون:

آپ سفر کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں ایک چشمہ تھا اس کی وجہ سے اس جگہ کا نام بعض العیون ہے کچھ لوگوں نے اس مقام پر حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات کی تو انہوں نے اَگے کوفہ جانے سے منع کیا لیکن اپ (رضی اللہ عنہ) نے انکار کیا۔اور اَگے کا سفر جاری رکھا۔

ساتویں منزل: خزیمہ:

یہ جگہ خزیمہ بن حازم کی طرف منسوب ہے اور یہاں حضرت امام حسین کے قافلہ نے رات کو قیام فرمایا اور حضرت زینب (رضی اللہ عنہ) نے یہاں ایک خواب بھی بیان کیا ادھر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا سفر جاری تھا اور ادھر یزید کو ہر بات کی خبر دی جارہی تھی۔

آٹھویں منزل: زرود

آپ (رضی اللہ عنہ) آگے بڑھے تو زہیر بن قین بَجَّلِی (رضی اللہ عنہ) سے مقام زرود پر ملاقات ہوئی اور وہ حج کر کے واپس آرہے تھے تو وہ بھی آپ (رضی اللہ عنہ) کے ہمراہ ہوگئے اور ساتھ رہے یہاں تک کربلا میں شہید ہوگئے۔ آپ (رضی اللہ عنہ) حضرت سیدنا عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے اقربا میں سے تھے۔

نویں منزل: ثعلبیہ

ثعلبیہ ایک شخص بنی اسد کا نام ہے جس نے یہاں ایک کنواں کھودا تھا۔ یہاں تک حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفہ کے حالات بالکل معلوم نہیں ہوئے تھے۔

مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر:

تو جب آپ مقام ثعلبیہ میں پہنچے تو یہاں بکیر بن مشعبہ اسدی سے آپ (رضی اللہ عنہ) کو معلوم ہوا کہ حضرت مسلم بن عقیل اور ھانئ بن عروہ شہید کر دیئے گے ہیں۔ یہ دردناک خبر سن کر آپ نے بار بار اِنَّ لِلّٰهِ وَاِنَّ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ (بیشک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ بیشک اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں)۔ وَرَحۡمَةُ اللهِ عَلَيۡهِمَا پڑھا کہ ان دونوں پر اللہ کی رحمت ہو۔ بعض نے یہ رائے پیش کی کہ آپ (رضی اللہ عنہ) (حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) یہاں سے واپس چلے

جائیں کوفہ میں کوئی مددگار نہیں۔ مسلم بن عقیل کے بھائیوں نے کہا ہم واپس نہیں جائیں گے ضرور بدلہ لیں گے۔

شیعہ مؤرخ جمال الدین احمد متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں وتصل به خبر قل مسلم بن عقیل فی الطولق فاراد الرجوع فامتنع بنو عقیل من ذالك (عمدۃ الطالب فی انساب الی طالب ص ۱۷۹،۱۷۱) اور حضرت حسین کو مسلم بن عقیل قتل ہو جانے کی خبر جب راستہ میں ملی انہوں نے لوٹ جانے کا ارادہ کیا مگر فرزندانِ عقیل اس کے مانع ہوئے۔

دسویں منزل: زُبالہ:

ثعلبیہ سے روانہ ہو کر زبالہ میں جا کر اترے اس جگہ بنی اسد کا قلعہ اور جامع تھا اور اس زبالہ کا نام مسعد کی بیٹی کے نام پر رکھا گیا ہے یہ عورت قوم عمالقہ سے تھی اور یوم زبالہ عرب کے ایام (دنوں) سے ہے۔ جب آپ مقام زبالہ پہنچے تو اسی جگہ پر آپ نے پورے قافلہ والوں سے فرمایا کہ ہمیں دردناک خبر پہنچی ہے۔ کہ حضرت مسلم بن عقیل شہید کر دئے گئے ہیں۔ اور ہماری اطاعت کے دعوے داروں نے ہمیں چھوڑ دیا ہے لہٰذا جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہے وہ چلا جائے ہماری طرف سے اس پر کوئی الزام نہیں۔ بہت سے عرب جو راستے میں آپ کے ساتھ ہو گئے تھے اس اعلان کے سنتے ہی تقریباً سب دائیں بائیں روانہ ہو گئے اور زیادہ تر وہی لوگ باقی رہ گئے جو مدینہ طیبہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ (طبری)۔

عبداللہ بن بقطر کی شہادت:

یہاں پر عبداللہ بن بقطر حضرت حسین کے رضاعی بھائی کے شہید ہونے کی خبر آئی جوان کو آپ نے اثنائے راہ مسلم بن عقیل کے پاس بھیجا تھا ان کو حسین بن نمیر کے سواروں نے قادسیہ سے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا تھا اور حضرت حسین کو برا بھلا نہ کہنے کی وجہ سے ان کو محل سے گرا کر

شہید کر دیا تھا۔

حَتّٰی اِنْتَہٰی اِلٰی زُبَالَہ فَاَتَاہ خَبَرُ مِن الرَّضَاعَۃِ عَبْدُ اللّٰہِ بْنِ بُقْطر یہاں تک کہ مقام زبالہ (زیالہ) پر پہنچے تو آپ کو اپنے رضائی بھائی عبد اللہ بن بقطر (رضی اللہ عنہ) (یقطر) (حضرت حسین کے رضاعی بھائی) کے شہید ہونے کی اطلاع ملی۔ فَلَمَّا اَتَی الْحُسَیْنَ خَبَرُ قَتْلِ اَخِیْہِ مِنَ الرَّضَاعَۃِ وَ مُسْلِمِ بْنِ عَقِیْلٍ اَعْلَمَ النَّاسَ ذٰلِكَ (الکامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۷۸)، پھر جب حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو خبر پہنچی کہ آپ کے رضاعی بھائی (رضی اللہ عنہ) اور حضرت مسلم بن عقیل (رضی اللہ عنہ) کی شہادت ہوگئی۔

مخلصین کے سوا سب ساتھ چھوڑ گئے:

تو آپ نے لوگوں کو بتا دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ اندوہ ناک خبر سن کر فرمایا: خَذَلَتْنَا شِیْعَتُنَا، فَمَنْ اَحَبَّ مِنْکُمُ الْاِنْصِرَافَ فَلْیَنْصَرِفْ مِنْ غَیْرِ حَرَجٍ عَلَیْہِ، وَلَیْسَ عَلَیْہِ مِنَّا ذِمَامٌ، (البدایۃ والنہایۃ، ابن کثیر ۸:۱۶۹، ابن اثیر ج ۳ ص ۴۰۳)، ہمارے شیعوں (مددگاروں) نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے اس لئے تم میں سے جو شخص لوٹنا چاہے وہ واپس لوٹ جائے اس پر ہمارا کسی قسم کا الزام نہیں ہے۔

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے بعض ہمرایوں کی علیحدگی

یہ فرمان سن کر آپ کے جاں نثاروں کے سوا سب چلے گئے۔ اور آپ کے ساتھ وہ رہ گئے تھے جو مکہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ بعض کہتے ہیں جو مدینہ شریف سے آپ کے ہمراہ آئے تھے وہی ساتھ رہ گئے۔ وہی ساتھ رہے۔

علامہ ابوالحسن علی جزری (متوفی ۶۳۰ھ) فرماتے ہیں: فَتَفَرَّقُوْا یَمِیْنًا وَّ شِمَالًا حَتّٰی بَقِیَ فِیْ اَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ جَاءُوْا مَعَہٗ مِنْ مَکَّۃَ، (کامل لابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۸)، تو دائیں اور

بائیں طرف جدا ہو گے اور صرف وہ ہی ساتھی باقی رہے جو آپ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مکہ سے چلے تھے۔امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں فَتَفَرَّقَ النَّاسُ عَنْهُ تَفَرُّقًا فَاَخَذُوْا یَمِیْنًا وَّشِمَالًا حَتّٰی بَقِیَ فِیْ اَصْحَابِهِ الَّذِیْنَ جَاؤا مَعَهُ مِنَ الْمَدِیْنَةِ ، (تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۱۲)، تو لوگ آپ سے جدا ہو گئے دائیں بایں اَپنے راستے اختیار کر لیے یہاں تک کہ وہ ہی ساتھی رہ گئی جو آپ کے ساتھ مدینہ منورہ سے آئے تھے۔علامہ جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں: قَالَ عُلَمَاءُ السِّیَرِ لَمَّا عَلِمَ الْحُسَیْنُ بِمَا جَرٰی لِمُسْلِمِ بْنِ عَقِیْلِ هَمَّ اَنْ یَّرْجِعَ فَقَالَ اِخْوَةُ مُسْلِمِ وَاللّٰهِ لَا نَرْجِعُ حَتّٰی نُصِیْبَ بِثَارِنَا فَقَالَ الْحُسَیْنُ لَا خَیْرَ فِی الْحَیَاةِ بَعْدَ کُم، (المنتظم فی تواریخ الملوک والاصم)،

علماء سیر وتواریخ نے کہا ہے کہ جب امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو پتا چلا جو کچھ ہوا حضرت مسلم (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ آپ (رضی اللہ عنہ) نے واپسی کا ارادہ کیا، تو حضرت مسلم (رضی اللہ عنہ) کے بھائیوں نے کہا اللہ کی قسم ہم بدلہ لیئے بغیر نہیں لوٹیں گے۔تو امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے کہا زندگی کا کوئی فائدہ نہیں تمہارے چلے جانے کے بعد۔

گیارہویں منزل: بطن عقبہ:

حضرت حسین سے بطن عقبہ پر پہنچے تو عمرو بن لوزان سے ملاقات ہوئی اس نے اَپ کو کوفہ جانے سے منع کیا اور کہا کہ یہ سفر ترک کر دو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِهٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (سورہ یوسف) ہر کام اللہ کا حکم ہر معاملہ میں امر غائب ہے لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔

بارہویں منزل: شراف:

شراف ایک مرد کا نام تھااس لئے اس جگہ کا نام شراف رکھا گیااوراس نے یہاں ایک چشمہ نکالا تھا پھراس کے بعد بہت سے کنویں نکالے گئے اوران کا پانی میٹھا تھا۔منزل شراف تک آپ پہنچے اور رات اسی جگہ قیام فرمایااورصبح ہوئی پانی وغیرہ اپنے مشکیزوں میں بھرالیا شراف مقام قادسیہ سے اندازاً ۹۱ کلومیٹر پہلے آتی ہے۔(قادسیہ کوفہ سے جنوب کی طرف ایک مرحلہ کی مسافت پر ہے یہ وہی جگہ ہے جہاں مشہور جنگ قادسیہ ہوئی تھی اور حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) نے ایرانیوں پر فتح حاصل کی تھی اور عراق فتح کرلیا تھا)۔حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) قادسیہ کواپنے دائیں ہاتھ چھوڑتے ہوئے بائیں طرف شمال کی سمت میں بغیر رکے چلےاورآگے بڑھتے رہے۔اور یہاں ہی سے کوفہ جانے کا راستہ تبدیل کردیا تھااور بائیں جانب کا راستہ اختیار کیا تھا۔

حضرت حسین نے حکم دیا کہ یہاں خیمے لگالو۔حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پہلی مرتبہ ایک لشکر سے ملاقات ہوئی جوحر بن یزید کی قیادت میں تھا۔

جب آپ کا قافلہ مقام شقوق پر پہنچا توفرزدق سے آپ کی ملاقات ہوئی۔اوروہ کوفہ سے واپس جا رہا تھااس نے آپ کواہل کوفہ سے ڈرایا کہ ان کا کوئی بات نہیں۔

حربن یزید تمیمی (رضی اللہ عنہ) کی آمد:

علامہ احمد ابن حجر الھیتمی لکھتے ہیں کہ آپ قادسیہ سے تین روز کی منزل پر رہ گئے تو آپ کوحر بن یزید تمیمی سے ملاقات ہوئی اس نے حسین (رضی اللہ عنہ) سے کہاواپس چلے جائیں میں نے اپنے پیچھے تمہارے لئے کوئی بھلائی چھوڑ کرنہیں آیا جس کی امید میں آپ اگے جانا چاہتے ہیں آپ کوتمام واقعہ ابن زیاد کے منصوبے کا بتادیا ہےتو آپ نے واپس کا ارادہ کرلیا مسلم کے بھائیوں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔(الصواعق المحرقہ)۔

اورحر بن یزید تمیمی شام کی طرف سے ایک ہزار لشکر لے کر آ گیا تا کہ حضرت امام حسین (رضی اللہ

عنہ) کوگھیر کر کوفہ کی طرف لے جائے اور یہاں جب نماز کا وقت ہوا تو حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے مؤذن حجاج بن مسروق جعفی کو اذان دینے کا حکم دیا۔اس نے اذان دی۔

پہلا خطبہ

پھر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے نماز ظہر سے پہلے حر کے لشکر کے سامنے خطبہ دیا اور اُنے کا مقصد بیان کیا آپ نے سب سے پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر فرمایا يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّهَا مَعْذِرَةٌ اِلَى اللهِ وَاِلَيْكُمْ اِنِّىْ لَمْ اٰتِكُمْ حَتّٰى اَتَتْنِىْ كُتُبُكُمْ وَرُسُلُكُمْ اَنْ اَقْدِمْ اِلَيْنَا فَلَيْسَ لَنَا اِمَامٌ لَعَلَّ اللهَ اَنْ يَّجْعَلَنَا بِكَ عَلَى الْهُدٰى فَقَدْ جِئْتُكُمْ فَاِنْ تُعْطُوْنِىْ مَا اَطْمَئِنَّ اِلَيْهِ مِنْ عُهُوْدِكُمْ اَقْدِمْ مِصْرَكُمْ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا اَوْ كُنْتُمْ بِمَقْدَمِىْ كَارِهِيْنَ اِنْصَرَفْتُ عَنْكُمْ اِلَى الْمَكَانِ الَّذِىْ اَقْبَلْتُ مِنْهُ فَسَكَتُوْا عَنْهُ۔ (الکامل فی التاریخ ج ۳: ۲۸۰)(البدایۃ والنھایۃ ج ۸: ۱۷۳، تاریخ طبری ج ٦ ص ۲۱۴)۔

لوگو میں خدا اور تم لوگوں سے عذر خواہ ہوں میں تمہارے پاس خود سے نہیں آیا بلکہ میرے پاس اس مضمون کے تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد آئے کہ ہمارا کوئی امام نہیں آپ آئیں۔شاید خدا آپ (رضی اللہ عنہ) کے ذریعہ ہمیں سیدھے راستہ پر لگا دے۔اب میں آ گیا ہوں اگر تم لوگ عہد و پیمان کر کے مجھے پورا اطمینان دلا دو تو میں تمہارے شہر چلوں اگر ایسا نہیں کرتے اور ہمارا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں ہی لوٹ جاؤں۔یہ تقریر سن کر سب خاموش رہے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔اس کے بعد آپ (رضی اللہ عنہ) نے مؤذن سے فرمایا کہ تم اقامت پڑھو۔اقامت پڑھی گئی تو حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے حر سے فرمایا، کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھو گے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ آپ نماز ظہر پڑھائیں۔میں آپ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ نماز

پڑھوں گا۔تو حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے نماز پڑھائی اور اپنے خیمے میں داخل ہو گئے۔آپ (رضی اللہ عنہ) کے ساتھی آپ (رضی اللہ عنہ) کے پاس جمع ہو گئے اور حرا اپنی جگہ کی طرف چلا گیا۔

نماز عصر کے بعد دوسرا خطبہ دیا:

اس کے بعد عصر کے وقت حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے سب کو عصر کی نماز پڑھائی تو پھر آپ (رضی اللہ عنہ) نے سب کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثنا بیان کی اور یوں خطبہ دیا۔اَمَّا بَعۡدُ! اَیُّهَا النَّاسُ فَاِنَّكُمۡ اِنۡ تَتَّقُوا اللهَ وَتَعۡرِفُوا الۡحَقَّ لِاَهۡلِهٖ يَكُنۡ اَرۡضٰى لِلّٰهِ وَنَحۡنُ اَهۡلُ الۡبَيۡتِ اَوۡلٰى بِوَلَايَةِ هٰذَا الۡاَمۡرِ مِنۡ هٰؤُلَاءِ الۡمُدَّعِيۡنَ مَا لَيۡسَ لَهُمۡ وَالسَّآئِرِيۡنَ فِيۡكُمۡ بِالۡجَوۡرِ وَالۡعُدۡوَانِ فَاِنۡ اَنۡتُمۡ كَرِهۡتُمُوۡنَا وَجَهِلۡتُمۡ حَقَّنَا وَكَانَ رَأۡيُكُمۡ غَيۡرَ مَا اَتَتۡنِىۡ بِهٖ كِتَابُكُمۡ وَرُسُلُكُمۡ اِنۡصَرَفۡتُ عَنۡكُمۡ

لوگو اگر تم اللہ سے ڈرو اور اہل حق کے حق کو پہچانو تو یہ اللہ کی رضا مندی کا باعث ہوگا۔ہم اہل بیت نبوت ان دعوے داروں کے مقابلہ میں جو تم پر ظلم و زیادتی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں جس کا انہیں حق نہیں،خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔اگر تم لوگ ہم کو ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق کو نہیں پہچانتے ہو اور (آج) تمہاری رائے اس سے مختلف ہے جو تمہارے خطوط اور تمہارے قاصدوں نے مجھ پر ظاہر کی تھی تو میں تمہارے پاس سے واپس چلا جاؤں۔اِنۡصَرَفۡتُ عَنۡكُمۡ دو مرتبہ فرمایا کہ واپس چلا جاؤں مگر وہ جانے نہیں دیتے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ اپنے موقف سے ہٹ گئے تھے یا آپ کے ارادہ میں کوئی تبدیلی پیدا ہوئی تھی بلکہ یہ بتلانا مقصود تھا کہ اگر تم لوگ اپنی اصلاح نہیں چاہتے تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔اور میں تمہاری ہی

دعوت پر آیا ہوں۔آپ یزیدی دور کی بداعتقادی اور بدعملی کی مزمت مختلف خطابات میں فرماتے رہے۔اوراصلاح کی خاطر کسی سے ہرگزنہیں ڈرے تھے۔حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) اہل کوفہ کی دعوت واصرار پرتشریف لے گئے تھے حصول اقتدار اور جنگ کرنے کے لئے نہیں گئے تھے اگر جنگ کرنے کے لئے جاتے تو کوئی لشکر بھی اپنے ساتھ لے جاتے۔

حر کا کوفیوں کے خطوط سے انکار کرنا:

ابوالحسن علی ابن اثیر جزریؒ (متوفی ۶۳۰ھ) فرماتے ہیں: فَقَالَ الْحُرُّ اِنَّا وَاللّٰهِ مَا نَدْرِیْ مَا هٰذِهِ الْكُتُبُ وَالرُّسُلُ الَّتِیْ تَذْكُرُ فَاَخْرَجَ خَرَجَيْنِ مَمْلُوْئَيْنِ صُحُفًا فَنَشَرَهَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ فَقَالَ الْحُرُّ فَاِنَّا لَسْنَا مِنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ كَتَبُوْا اِلَيْكَ (کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۰)، حر نے کہا: خدا کی قسم ہمیں ان خطوط اور قاصدوں کی جن کا آپ (رضی اللہ عنہ) ذکر کر رہے ہیں، خبر نہیں۔آپ (رضی اللہ عنہ) نے دو تھیلوں کو نکالا اور ان کو سب کے سامنے الٹ دیا۔حر نے کہا: ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپ کو یہ خطوط لکھے ہیں۔

حر نے کہا: وَقَدْ اُمِرْنَا اَنَّا اِذَا لَقِيْنَاكَ اَنْ لَّا نُفَارِقَكَ حَتّٰى نُقَدِّمَكَ الْكُوْفَةَ عَلٰى عُبَيْدِاللّٰهِ ابْنِ زِيَادٍ فَقَالَ الْحُسَيْنُ، اَلْمَوْتُ اَدْنٰى اِلَيْكَ مِنْ ذٰلِكَ (ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۰)، اور ہمیں امیر کی طرف سے حکم ملا ہے کہ ہم آپ کو (رضی اللہ عنہ) اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک ابن زیاد کے پاس کوفہ نہ پہنچا دیں۔حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا کہ اس سے تو موت بہتر ہے۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ عزیب الھجانات (جہاں نجائن نامی شخص جانور اونٹنیاں چرایا کرتا تھا) سے ہوتے ہوئے۔

تیرھویں منزل قادسیہ

مع اپنے جان نثاروں کے قادسیہ کو اپنی دائیں طرف چھوڑتے وئے بائیں طرف شمال کی سمت سے بغیر رکے قافلہ اگے بڑھتے رہے اور حر بن ریاحی اپنے لشکر کو لئے ہوئے حضرت حسین کے ساتھ دائیں جانب چلتا رہا۔ اور مقام مغیثہ میں قافلہ حسینی نے پانی پیا پھر یہاں سے سفر جاری رکھتے ہوئے آگے روانہ ہوئے۔

منزل بیضاء پر تیسرا خطبہ:

اور عقبہ بن ابی عیزار سے مروی ہے کہ مقام بیضہء پر پہنچ کر حضرت حسین نے اپنے اور حر کے ساتھیوں کے سامنے پھر (تیسرا) خطبہ دیا۔ جس میں بادشاہ ظالم کی بداعمالیوں اور عھد کی پابندی کا ذکر کیا سب سے پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثنا بیان کی اور پھر فرمایا: اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ قَالَ: مَنْ رَّاٰی سُلْطَاناً جَائِرًا مُّسْتَحِلاًّ لِّحَرَمِ اللہِ نَاکِثًا لِّعَھْدِاللہِ مُخَالِفًا لِّسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ یَعْمَلُ فِیْ عِبَادِاللہِ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ فَلَمْ یُغَیِّرْ مَا عَلَیْہِ بِفِعْلٍ وَّلَا قَوْلٍ کَانَ حَقًّا عَلَی اللہِ اَنْ یُّدْخِلَہٗ مُدْخَلَہٗ۔

اَلَاوَاِنَّ ھٰؤُلَآءِ قَدْ لَزِمُوْا طَاعَۃَ الشَّیْطَانِ وَتَرَکُوْا طَاعَۃَ الرَّحْمٰنِ وَاَظْھَرُوا الْفَسَادَ وَعَطَّلُوا الْحُدُوْدَ وَاسْتَأْثَرُوْا بِالْفَيْءِ وَاَحَلُّوْا حَرَامَ اللہِ وَحَرَّمُوْا حَلَالَہٗ وَاَنَا اَحَقُّ مِنْ غَیْرٍ وَ قَدْ اَتَتْنِیْ کُتُبُکُمْ وَ رُسُلُکُمْ بِبَیْعَتِکُمْ وَاَنَّکُمْ لَا تُسَلِّمُوْنِیْ وَلَا تَخْذُلُوْنِیْ فَاِنْ اَتْمَمْتُمْ عَلٰی بَیْعَتِکُمْ تُصِیْبُوْا رُشْدَکُمْ وَاَنَا الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ وَابْنُ فَاطِمَۃَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللہِ ﷺ نَفْسِیْ مَعَ نَفْسِکُمْ وَاَھْلِیْ مَعَ اَھْلِکُمْ فَلَکُمْ فِیَّ اُسْوَۃٌ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَنَقَضْتُمْ عَھْدِیْ وَخَلَعْتُمْ بَیْعَتِیْ فَلَعُمْرِیْ مَا ھِیَ لَکُمْ بِنَکِیْرٍ لَقَدْ فَعَلْتُمُوْھَا بِاَبِیْ وَاَخِیْ وَابْنِ عَمِّیْ مُسْلِمِ بْنِ عَقِیْلٍ ،وَالْمَغْرُوْرُ مَنِ

اغۡتَرَّ بِکُمۡ فَحَظَّکُمۡ اَخۡطَاۡتُمۡ وَنَصِیۡبَکُمۡ ضَیَّعۡتُمۡ وَمَنۡ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنۡکُثُ عَلٰی نَفۡسِہٖ وَسَیُغۡنِی اللّٰہُ عَنۡکُمۡ وَالسَّلَامُ ۔ (ابن اثیر ۴:۲۸۰) (طبری ،۶:۲۱۵)

ترجمہ: اے لوگو! بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ایسے ظالم بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کے حرام کردہ کو حلال کرنے والا ہو، اللہ کے عہد کو توڑنے والا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف کرنے والا ہو، اللہ کے بندوں پر گناہ اور زیادتی سے حکومت کرتا ہو تو پھر وہ بقدر طاقت فعلاً و قولاً اس کو نہ بدلے تو اللہ کو حق پہنچتا ہے اس شخص کو بھی اس (بادشاہ) کے مدخل یعنی (دوزخ) میں داخل کردے۔

آگاہ ہو جاؤ! ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی ہے اور رحمن کی اطاعت کو چھوڑ دیا ہے۔ ملک میں فساد برپا کر دیا ہے، حدود شرع کو معطل کر دیا ہے۔ مال غنیمت کو اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال اور حلال کردہ کو حرام کر دیا ہے۔ اور میں بہ نسبت کسی اور کے زیادہ حق رکھتا ہوں کہ ان کو بدلوں ۔ اور بے شک میرے پاس تمہارے خطوط اور قاصد تمہاری بیعت کے (عہد کے) ساتھ آئے اور (اس عہد کے ساتھ آئے کہ) تم مجھے دشمنوں کے سپرد نہ کرو گے اور بے یار و مددگار نہ چھوڑو گے۔ پس اگر تم اپنی بیعت پر قائم رہو گے تو رشد و ہدایت پاؤ گے۔

سنو میں حسین ابن علی، فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہوں۔ میری جان تمہاری جانوں کے ساتھ ہے اور میرے اہل تمہارے اہل کے ساتھ ہیں۔ میری ذات میں تمہارے لئے نمونہ ہے۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اپنے عہد و پیمان کو توڑا اور میری بیعت کا حلقہ اپنی گردنوں سے اتار دیا تو میری جان کی قسم! یہ تمہارے لئے کوئی نئی اور انوکھی بات نہ ہوگی بلکہ اس سے پہلے تم میرے باپ اور میرے بھائی اور میرے ابن عم مسلم کے ساتھ بھی ایسا کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکے میں آ گیا۔ تم بدنصیب ہو۔ تم نے اپنے حصے کو ضائع کر دیا۔ اور جس نے بدعہدی کی تو سوائے

اس کے اور کچھ نہیں کہ اس بدعہدی کا وبال اسی کی ذات پر ہے اور مجھے تو عنقریب اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز کر دے گا۔

تم پر سلامتی ہو اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت ہو۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

اس تقریر سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ یزید کے مقابلہ میں حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا آنا محض خلافت کے لئے نہ تھا بلکہ اس کا مقصد اسلامی خلافت کا احیاء تھا۔ یعنی موروثی حکومت کے اثر سے اس کے انتظام میں خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ ان کو دور کر کے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی جائے۔ اس کا ثبوت اس طرح بھی ملتا ہے کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے خود اس کی خواہش نہیں کی بلکہ جب اہل کوفہ نے خطوط سے آپ کو یقین دلا دیا کہ ان کے لئے یزید کی حکومت نا قابل برداشت ہے اس وقت آپ نے کوفہ کا قصد فرمایا۔

قیس بن مسہر (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کی خبر:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اہل کوفہ کی طرف اپنی تشریف آوری کی خبر دینے کے لئے قیس بن مسہر صیداوی کی معرفت خط روانہ کیا قیس بن مسہر صیداوی کو قادسیہ سے حسین بن نعمیر نے گرفتار کرے ابن زیاد کے پاس کوفہ میں بھیج دیا۔ قیس بن مسہر نے ابن زیاد کا کہانہ ماننے پر محل سے گرا کر شہید کر دیا تھا۔ تو جب قیس بن مسہر کے شہید ہونے کی آپ کو خبر دی گی تو آپ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: {...فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا} (سورہ احزاب ۳۳: ۲۳) سلمان جوانمردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔

پھر آپ نے یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا وَلَهُمُ الْجَنَّةَ نُزُلًا وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ فِيْ

مُسْتَقَرِّ مِّنْ رَّحْمَتِكَ وَ رَغَائِبَ مَذْخُوْرَ ثَوَابِكَ، اے اللہ ہمیں اور ان کو نعمت بہشت عطا فرما اور ہمیں اور ان کو اپنی رحمت کے مستقر میں جمع فرما اور اپنے ثواب کے ذخیرہ کا بہترین حصہ جمع فرما (شام کربلا، ص ۹۹)۔

واپس جانے پر آمادگی ظاہر کی:

اسی لئے آپ (رضی اللہ عنہ) کے تشریف لانے کے بعد جب کوفیوں نے دھوکا دیا تو آپ واپس جانے پر آمادہ ہو گے اور فرمایا کہ تم نے اپنی شکایات کی بنا پر مجھے بلایا تھا اب جبکہ تم اسے پسند نہیں کرتے تو مجھے بھی اس کی خواہش نہیں ہے میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں گا۔

ذوحسم کے مقام پر تقریر فرمائی:

ذوحسم ایک پہاڑ ہے جس پر نعمان بن منذر نامی ایک شخص شکار کیا کرتا تھا۔

عقبہ بن ابی عیز ار راوی کہتا ہے کہ حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) نے ذوحسم کے مقام پر ایک تقریر فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا تم لوگ دیکھ رہے ہو کیا حال ہو رہا ہے۔ دنیا بدل گئی پہچانی نہیں جاتی، نیکیاں روگرداں ہو گئیں اور بالکل گئی گذریں اب رہا کیا برتن کا دھون رہ گیا اور بری زندگانی اور ناگوار چارہ، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا۔ باطل سے پرہیز کیا جاتا۔ مومن کو اب چاہیے کہ حق پر رہ کر خدا سے ملاقات کرے۔ میں دیکھتا ہوں کہ مرجانا شہادت ہے۔ اور یہاں اس وقت زہیر بن قیس بجلی نے بڑے ایمان افروز طریقے سے آپ کی نصرت اور غمخواری اور جذبہ جہاد کا اظہار کیا۔ (تاریخ طبری مختصر)

حر نے یہ تقریر سن کر کہا: آپ (رضی اللہ عنہ) اگر جنگ کریں گے تو شہید کر دیئے جائیں گے ۔حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: کیا تو موت سے ڈراتا ہے؟ میں موت سے نہیں ڈرتا۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے چند اشعار پڑھ کر بتایا کہ ہم موت سے ڈرنیوالے نہیں ہیں حر بن

یزید یہ کلام سن کر آپ (رضی اللہ عنہ) کے لشکر سے علیحدہ ہو گیا اور ساتھ ساتھ چلنے لگا (ابن اثیر)۔
اسی دوران چار آدمی کوفہ سے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے مددگار پہنچے جن کا سردار طرماح بن عدی تھا۔ حر نے ان کو گرفتار کر کے واپس کرنے کا ارادہ کیا مگر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا یہ تو میرے مددگار ہیں ان کی حفاظت کروں گا۔ حضرت نے کوفہ کے حالات ان سے دریافت فرمائے۔

عذیب الھجانات پر ورود

چلتے چلتے عذیب الہجانات تک پہنچے۔ یہاں تک نعمان کی اونٹنیاں کسی زمانہ میں چرا کرتی تھیں۔ (ہیجانات اونٹنیوں کو کہتے ہیں) اس مقام میں آپ پہنچے ہی تھے کہ کوفہ سے چار ادرادا ونٹوں پر سوار نافع بن ہلال کا مشہور گھوڑا کوتل دوڑاتے ہوئے وارد ہوئے۔ اس گھوڑے کا نام کوتل تھا۔ اور طرماح ابن عدی اپنے گھوڑے پر سوار ان کے رہنما تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر حر آگے بڑھا اور آپ سے کہنے لگا یہ سب لوگ جو کوفہ سے ائے آپ کے ساتھی نہیں ہیں لہٰذا میں ان لوگوں کو قید کرلوں گا یا واپس کردوں گا۔ حضرت حسین نے فرمایا یہ میرے انصار اور اعوان ہیں۔ پھر حر ان کے ساتھ تعارض کرنے سے باز آ گیا۔

طرماح بن عدی کا مشورہ:

طرماح بن عدی نے واپس پہاڑوں میں جانے کا مشورہ دیا لیکن آپ (رضی اللہ عنہ) نے ایک وجہ بیان کرتے ہوئے انکار کردیا۔ حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) اس کو فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور پھر آپ نے الوداع کیا۔ (ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۱)۔
حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) منزل مغیثہ، منزل بیضہ منزل زرحم وغیرہ منزلیں طے کرتے ہوئے۔
اور رات بھر چلتے رہے کچھ اونگھ آنے کے درمیان اشارہ دیا گیا کہ لوگ چل رہے ہیں اور موتیں ان

کی طرف چل رہی ہیں پھر آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ ہماری جانیں ہیں جن کی موت کی خبر دی گئی ہے صبح ہوئی تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھانی جلدی سوار ہو گئے سفر کے دوران بائیں جانب چلتے رہے۔

منزل قصر بنی مقاتل میں قیام:

عذیب الھجانات سے روانہ ہو کر ۵۴ میل حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) قصر بنی مقاتل کے مقام پر پہنچے۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے وہاں قیام کیا عبید اللہ بن حر جعفی سے ملاقات کی اور نصرت اور مدد طلب کی اور اس نے معذرت کی اور دست تعاون سے انکار کیا (تذکرہ شہداء کربلا) یہاں سے رات کے آخری حصہ میں کوچ کرنے کا حکم دیا اور کافی پانی ہمراہ لے لیا۔

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو خواب میں شہادت کی بشارت دی گئی

اس کے بعد آپ قصر بنی مقاتل سے روانہ ہوئے کہ آپ ذرا اونگھ گئے پھر چونک کر کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ دو دفعہ یا تین بار یہی کلمہ آپ نے کہا۔ یہ سن کر آپ کے فرزند علی بن الحسین رضی اللہ عنہ گھوڑا بڑھا کر قریب آئے اور کہنے لگے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔ بابا میں اپ پر فدا ہو جاؤں اس وقت آپ نے یہ کلمہ کیوں فرمایا۔ آپ نے کہا اے فرزند ذرا میری آنکھ جھپک گئی تھی میں نے ایک سوار کو اپنے گھوڑے پر دیکھا۔ اس نے کہا لوگ تو چلے جا رہے ہیں اور موت ان کی طرف آ رہی ہے اس سے میں سمجھ گیا کہ ہم کو خبر مرگ سنائی گئی ہے انہوں نے عرض کیا بابا خدا آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے کیا ہم لوگ حق پر نہیں۔ آپ نے کہا قسم ہے اسی خدا کی جس کے پاس سب کو جانا ہے ہم حق پر ہیں۔ علی بن الحسین رضی اللہ عنہما نے کہا پھر ہمیں کچھ پروا نہیں۔ مریں گے تو حق پر مریں گے آپ نے کہا جزاک اللہ باپ کی طرف سے فرزند کو جو بہترین جزا مل سکتی ہے وہ تم کو ملے۔ (تاریخ طبری ص ج ۴ حصہ اول

ص ۱۹۵)

منزل نینوی:

آپ (رضی اللہ عنہ)) نے مقام نینوی پہنچ کرنماز پڑھی، تو ابن زیاد کا ایک قاصد نے کوفہ کی طرف سے حربن یزید (رضی اللہ عنہ) کوسلام کیا اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کوسلام بھی نہ کیا اور حرکو خط دیا جس میں لکھا تھا حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) پر میدان تنگ کردو اور کھلے میدان کے سوا کسی جگہ نہ اترنے نہ دو۔ اس جگہ کو عقر، کربل، ارض طف کہا جاتا ہے **طَفٌّ** (فرات کا کنارے نز کوفہ اور کربلا کے درمیان ایک خط مراد) (معجم البلدان) عَقْرٌ (دو چیزوں ک درمیانی خالی جگہ) عقر کیلاتی ہے کربلا کے قریب عقر بابل ہے۔ کربلا کے پاس فرات کے کنارے۔

کربلاء کے حالات وواقعات

کربلاء میں قافلہ حسینی کا نزول اجلال

حضرت سیدنا (رضی اللہ عنہ) کی شہادت گاہ، کربلا کا جب نام سنا پڑھا جاتا ہے ذہن میں ایک تصور پیدا ہوتا ہے کہ وہ بے آب وگاہ ریگستان خطرناک جگہ تھی حالانکہ ایسا نہیں تھا وہ جگہ نہر فرات کے کنارے تھی درختوں والی نرم زمین تھی اس جگہ حسینی قافلے پر ظلم کیا گیا، ان پر سختیاں کی گیں انہیں تنگ کیا گیا اور اہل بیت کے خاندان کا ناحق خون بہایا گیا اس لئے اس جگہ کا نام لیتے ہی غم داستان تازہ ہوجاتی ہے۔

حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) مکہ معظّمہ سے ۸ یا ۱۰ ذوالحجہ کو کوفہ کی جانب روانہ ہوئے اور حضرت حسین قافلہ کا جمرات کے دن ۲ ماہ محرم الحرام ۶۱ھ کربلا کو پہنچ گیا تھا اور ۱۶ منزلیں طے کیں اور راستہ میں کسی جگہ ایک دن کا ایک حصہ ٹھہرے، کسی جگہ ایک دن ٹھہرے یا دو دن ٹھہرے یا تین دن قیام کیا۔ اور مجموعی طور پر یہ سفر مکہ سے کربلا تک ۲۴ دنوں میں طے ہوا تھا (موسوعۃ کربلا ج ۱ ص ۵۹۱)

کربلا میں مدت قیام ۲ محرم سے لے کر ۱۰ محرم تھیں۔

آپ کو آگے جانے سے روک دیا گیا آپ نے وہاں ہی خیمے نصب فرمائے اور دوسرے دن عبید اللہ بن زیاد نے یزید کے حکم سے چار ہزار یا بارہ ہزار کا لشکر آپ کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور اس لشکر کا امیر عمر بن سعد بن وقاص تھا اور یہ ایک جلیل القدر صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص کا بیٹا تھا اور وہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ مگر بیٹا دشمن اہل بیت نکلا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وہ زندہ کو نکالتا ہے مردے سے اور مردے کو نکالتا ہے زندہ سے (الروم ۱۹)۔

میاں محمد بخش علیہ الرحمہ ہدایۃ المسلمین فرماتے ہیں

چنگیاں دے گھر پیدا کردہ مندے کرماں مارے — مدیاں دے گھر چنگے دیندا رب دے کم نیارے۔

نوح نبی دا گمراہ بیٹا بو جہلے دا مومن — ہورا جیہے کم خدائی پئے بہتیرے ہون

کردا نبی کفاراں وچوں سر پر تاج ٹکا کے — ملکاں تھیں شیطان بنائے طوق گلے وچ پا کے۔

دنیا داراں دے گھر دیندا بیٹے ولی الٰہی — ولیاں دے گھر پیدا کردا میرے دا نگ گناہی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کافر تھا اور ابو جہل کا بیٹا حضرت عکرمہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

تیسری محرم کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے یزید کی بیعت کا مطالبہ کیا گیا آپ نے اس کی بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

پانی کی بندش:

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں پھر ابن سعد نے ابن زیاد کے حکم سے پانی بند کیا۔ اور ابن زیاد نے کہا اَنْ **حَلِّ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمَاءِ كَمَا فَعَلَ بِالتَّقِيِّ الزَّكِيِّ اَمِيْرِ الْمُسْلِمِيْنَ** عثمان بن عفان۔۔۔ **وَجَعَلَ اَصْحَابُ عُمَرَ بْنِ سَعْدٍ يَمْنَعُوْنَ اَصْحَابَ الْحُسَيْنِ مِنَ الْمَاءِ** (البدایہ ونھایہ ج ۸ ص ۱۸۲) ان کے اور پانی کے درمیان حائل ہو جاؤ جیسا پرہیزگار پاک

باز مظلوم امیر المؤمنین عثمان بن عفان کے ساتھ کیا۔۔۔
اور پھر عمر بن سعد کے ساتھی حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو ساتھیوں کو پانی لینے سے منع کرتے تھے میدان کربلا میں بالکل ہر طرح پانی حاصل کرنے کی آزادی نہیں تھی بلکہ پابندی تھی مگر بالکل تین دن تک پانی کی بندش کی روایات درست نہیں ہیں۔ اللہ تعالی نے حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کو وادی مکہ میں پیاسا نہیں رہنے دیا اور اللہ تعالی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کو تین دن تک کیسے پیاسے رکھتا حضرت اسماعیل علیہ اسلام اللہ کے نبی تھے اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نبیوں کے سردار محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے۔ یہ ان کا ایک امتحان تھا اور امتحان میں ایسی ازمائشیں ضرور ہوتی ہیں تا کہ بلند مرتبہ حاصل ہو۔

پانی کی دستیابی

ایک موقع پر حضرت زینب بنت علی (رضی اللہ عنہما) غم حسین (رضی اللہ عنہ)) میں بے ہوش ہو کر گر پڑیں حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے آپ (رضی اللہ عنہا) کے چہرے پر پانی ڈالا۔ اور فرمایا اے میری بہن اللہ تعالی سے ڈرو اور صبر کرو اور اللہ تعالی کی رحمت سے اچھی امید رکھو علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں وحرت مغشیا علیھا فقام الیھا فصب علی وجھا الماء وقال یا اخیۃ اتقی اللہ وتعزی بعفراء اللہ (البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۱۸۵) دسویں محرم کو مجاھدین کی صف بندی فرما کر حضرت حسین نصب کئے ہوئے خیمے میں واپس گے اور اس میں غسل کیا اور چونے کی مالش کی اور بہت کستوری کی خوشبو لگائی حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں فَعَدَلَ الحُسَیْنُ اِلٰی خَیْمَۃٍ قَدْ نُصِبَتْ نصبت لہ فاغتسل فیھاواطلی بالنورۃ وطیب بمسك کثیر (البدایہ والنھایہ ص ۱۸۵) معلوم ہوا کہ پانی بالکل بند نہیں کیا گیا تھا چینٹھے مارنے اور غسل کرنے کے لئے پانی میسر تھا اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ پانی کی قلت ضرور ہوگی۔

ملا محمد باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ اصحاب امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو پانی لے جانے سے منع کریں۔ جب تشنگی نے اصحاب وفادار امام ابرار پر غلبہ کیا۔ حضرت (رضی اللہ عنہ) کے پاس آ کے شکایت پیاس بیان کی حضرت نے ایک بیلچہ دست مبارک میں لیا۔ اور عقب خیمہ حرم متحرم تشریف لائے اور پشت خیمہ سے نو قدم سمت قبلہ چلے اور وہاں ایک بیلچہ زمین پر مارا۔ کہ باعجاز حضرت چشمہ شیریں آب وہاں ظاہر ہوا۔ اور امام حسین نے مع اصحاب وہ پانی شیریں نوش کیا۔ اور مشکیں وغیرہ بھر لیں۔ پھر وہ چشمہ غائب ہو گیا اور اس کا اثر بھی کسی نے نہ دیکھا۔ (جلاء العیون ج ۲ ص ۲۲۲) جس طرح بالکل پانی نے ملنے کے بارے میں مبالغہ کے طور پر وضعی رویات بیان کی جاتی ہیں اس طرح فوج کی بکثرت تعداد بیان کرنے میں مبالغہ کیا جاتا ہے بڑی عجیب بات ہے کہ بہتر یا تہتر یا ایک سو چالیس افراد کے لئے مقابلہ میں چار ہزار تائیس ہزار یا چالیس ہزار کا لشکر بھیجا جائے پھر ان نفوس قدسیہ کے مقابلہ میں جن کے پاس کوئی اسلحہ اور سامان جنگ نہیں تھا کئی دنوں سے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے اَئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مبالغہ امیز روایات ہیں ان کی کوئی اصلاً حقیقت نہیں ہے۔ سب بے سند روایات ہیں (واللہ اعلم)۔

مصالحت کی شرائط

مؤرخین لکھتے ہیں، کہ حضرت حسینؓ نے عمر بن سعد سے تین باتوں میں سے ایک بات کا مطالبہ کیا تھا۔ چنانچہ حافظ شمس الدین محمد بن الذھبی متوفی ۷۴۸ لکھتے ہیں کہ سیدنا حسن (رضی اللہ عنہ) جس وقت مقام کربلا میں پہنچے تو اس وقت آپ (رضی اللہ عنہ) نے اس مقام کے نام کے متعلق دریافت فرمایا کہ اس مقام کا نام کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اس کا نام کربلا ہے تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کرب وبلاء (مصیبت اور آزمائش ہے)

عبید اللہ بن زیاد نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جنگ کے لیے عمر بن سعد کو بھیجا حضرت

حسین (رضی اللہ عنہ) کے پاس جب وہ پہنچا تو سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میری طرف سے تین چیزوں میں سے ایک چیز اختیار کرلو۔

☆ یاتو جس طرف سے میں آیا ہوں مجھے واپس (مدینہ منورہ) جانے دو۔

☆ یا مجھے یزید کی طرف جانے دو میں اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ میں رکھوں گا (یعنی اس کے ساتھ بالمشافہ ملاقات کروں اور گفتگو کروں گا یہ نہیں کہ میں اس کی بیعت کروں گا)۔

☆ اگر اس بات کا بھی انکار کرتے ہو تو مجھے ترکوں کی سرحد کی طرف جانے دو تا کہ میں وہاں جا کر اپنے وصال تک راہ خدا میں جہاد کروں۔

عمر بن سعد نے اس معاملہ کو ابن زیاد کی طرف بھیجا اس نے یزید کی طرف لے جانے کی تجویز کا ارادہ کیا لیکن شمر ذی الجوشن نے کہا کہ نہیں یہاں ابن زیاد کے حکم کو ماننا ہوگا اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہوگی) تو جناب حسین (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ میں ایسا نہیں کروں گا (پھر اس پر قتال واقع ہوا) (**سیر الاعلام النبلاء** ج ۴ ص ۱۵۷۔۱۵۸)

حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ تحریر کرتے ہیں:

وَ قَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ سَئَلَ مِنْهُ اِمَّا اَنْ يَّذْهَبَ اِلٰى يَزِيْدَ اَوْ يَتْرُكَهُ يَرْجِعُ اِلَى الْحِجَازِ اَوْ يَذْهَبَ اِلٰى بَعْضِ الثُّغُوْرِ فَيُقَاتِلُ التُّرْكَ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۷۲)، اور بعض مؤرخین نے کہا کہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے عمر بن سعد سے مطالبہ کیا کہ وہ یزید کے پاس چلے جاتے ہیں (اسکے ساتھ گفتگو کریں گے) یا وہ حجاز واپس چلے جاتے ہیں یا کسی اسلامی سرحد پر جا کر ترکوں سے جہاد کرتے ہیں۔

جمال الدین ابوالفرج عبد الرحمن بن علی جوزیؒ (متوفی ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں کہ امام حسینؓ نے یزیدیوں سے فرمایا: **اِخْتَارُوْا مِنِّيْ وَاحِدَةً مِّنْ ثَلَاثٍ، اِمَّا اَنْ تَدَعُوْنِيْ فَاُلْحِقُ بِالثُّغُوْرِ**

اَوْ اَذْهَبَ اِلٰی یَزِیْدَ، اَوْ اَنْصَرِفَ مِنْ حَیْثُ جِئْتُ (المنتظم فی تواریخ الملوک والامم)۔

امام محمد بن جریر طبریؒ کہتے ہیں: فَلَمَّا اَتَاهُ قَالَ لَهُ الْحُسَیْنُ اِخْتَارُوْا وَاحِدَةً اِمَّا اَنْ تَدَعُوْنِیْ فَاَصْرِفُ مِنْ حَیْثُ جِئْتُ وَاِمَّا اَنْ تَدَعُوْنِیْ فَاَذْهَبُ اِلٰی یَزِیْدَ وَ اِمَّا اَنْ تَدَعُوْنِیْ فَاُلْحِقُ بِالثُّغُوْرِ (تاریخ طبری)، پس جب ابن سعد وہاں پہنچ گیا تو حضرت حسینؓ نے ان سے کہا کہ تین باتوں میں سے ایک قبول کرلو یا تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس جانے دو یا یزید کے پاس چلا جانے دو اور یا کسی سرحد کی طرف (جہاں میدان جہاد گرم ہے) نکل جاؤں۔

عمر نے حضرت حسینؓ کی پیشکش کو قبول کر کے ابن زیاد کو اطلاع بھیجی۔ مگر وہاں سے جواب آیا کہ یوں نہیں، بلکہ انہیں پہلے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رد دینا ہوگا:

فَقَالَ لَهُ الْحُسَیْنُ لَا وَاللهِ لَا یَکُوْنُ هٰذَا اَبَدًا ، (طبری ج٦ ص ۲۲۰، ابن اثیر) اس پر حضرت حسینؓ نے فرمایا نہیں تو بخدا کبھی ایسا نہیں ہوگا ۔

علامہ ابن سعیدؒ (متوفی ۲۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؓ نے جب جان لیا اور محسوس کرلیا یہ کہ مجھے شہید کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے فرمایا: یَاهٰؤُلَاءِ دَعُوْنَا فَلْنَرْجِعْ مِنْ حَیْثُ جِئْنَا قَالُوْا لَا سَبِیْلَ اِلٰی ذٰلِكَ قَالَ فَدَعُوْنِیْ اَمْضِیْ اِلَی الرَّیِّ فَاُجَاهِدَ الدَّیْلَمَ قَالُوْا لَا سَبِیْلَ اِلٰی ذٰلِكَ قَالَ اَذْهَبُ اِلٰی یَزِیْدَ بْنِ مُعَاوِیَةَ فَاَضَعُ یَدِیْ فِیْ یَدِهٖ قَالَا لَا وَلٰکِنْ ضَعْ یَدَكَ فِیْ یَدِ عُبَیْدِ اللهِ قَالَ اَمَّا هٰذِهٖ فَلَا قَالُوْا لَیْسَ لَكَ غَیْرُهَا (ترجمة امام حسین از طبقات ابن سعد ص ٦٩)، اے لوگو، ہمیں چھوڑ دو ہم واپس لوٹ جائیں جہاں سے ہم آئے ہیں انہوں نے کہا کوئی جانے کا راستہ نہیں ہے آپ نے فرمایا مجھے ملک ری کی طرف جانے دو میں دیلم میں جہاد کروں گا۔ یزیدیوں نے کہا وہ راستہ نہیں دیا جائے گا۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا تم مجھے یزید کے پاس جانے دو میں اس کے ساتھ ملاقات اور گفتگو کروں۔ یزیدیوں نے کہا

نہیں آپ عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں تو آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

یزیدیوں نے کہا اس کے

امام حافظ احمد بن علی حجر عسقلانیؒ (متوفی ۸۵۲ھ) رقمطراز ہیں، کہ حضرت امام حسینؓ نے (جب حالات بدلتے ہوئے دیکھے تو اس موقع پر) عمر بن سعد کے سامنے پیشکش کی اور فرمایا: اِخْتَرْ مِنِّیْ وَاحِدَۃً مِّنْ ثَلَاثٍ، اِمَّا اَنْ اُلْحِقَ بِثَغْرٍ مِّنَ الثُّغُوْرِ، وَاِمَّا اَنْ اَرْجِعَ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ، وَاِمَّا اَنْ اَضَعَ یَدِیْ فِیْ یَدِ یَزِیْدَ ابْنَ مُعَاوِیَۃَ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۲ ص ۱۷، تہذیب التہذیب ج ۱، ص ۱۳۵۱)، آپ لوگ میری طرف سے تین چیزوں میں سے ایک چیز کو اختیار کرلیں، یا تو میں اسلام کی سرحدوں میں سے کسی سرحد کی طرف جانا چاہتا ہوں، مجھے جانے دیا جائے تاکہ وہاں اسلام کی حفاظت کرسکوں۔ یا میں مدینۃ المنورہ کی طرف چلا جاوں۔ یا میں اپنے ہاتھ کو یزید کے ہاتھ میں دے دوں (مجھے یہ موقع دیا جائے کہ بالمشافہ اس سے بات کرسکوں اس طرح معاملہ میں صورت مصالحت پیدا ہوجائے گی)۔

امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ آپ پر (حضرت حسینؓ) ہر طرف سے لشکر مخالف کا دباو بڑھا تو آپ نے عمر بن سعد کے سامنے تین باتیں پیش کیں اول صلح، دوم واپسی، سوم یزید سے ملاقات لیکن ابن سعد نے ان تینوں باتوں میں کوئی بات نہیں مانی اور آپ کو (ہمراہیوں سمیت شہید کردیا۔ (تاریخ الخلفاء اردو ص ۴۲۶، عربی ص ۱۶۵)

ابومخنف لوط بن یحی روافض (متوفی ۱۵۷ھ) نے لکھا ہے: اِخْتَارُوْا مِنِّیْ خِصَالًا ثَلَاثًا اِمَّا اَنْ اَرْجِعَ اِلَی الْمَکَانِ الَّذِیْ اَقْبَلْتُ مِنْہُ، وَاِمَّا اَنْ اَضَعَ یَدِیْ فِیْ یَدِ یَزِیْدَ بْنَ مُعَاوِیَۃَ فَیَرَی فِیْمَا بَیْنِیْ وَ بَیْنَہٗ رَأْیَہٗ وَاِمَّا اَنْ تَیَسَّرُوْا نِیْ اِلَی اَیِّ ثَغْرٍ مِنْ ثُغُوْرِ الْمُسْلِمِیْنَ شِئْتُمْ (مقتل الحسین)

اورعقبہ بن سمعان (آزادغلام) کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے عراق تک برابر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ رہا اور شہادت تک ان سے جدا نہ ہوا۔ مگر آپ نے کسی موقع پر بھی ایسا خیال ظاہر نہیں کیا کہ آپ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیں گے یا کسی سرحدی مقام پر نکل جانے کے لیے آمادہ تھے۔ آپ نے ہمیشہ یہی کہا کہ میں واپس چلا جاؤں گا جب تک لوگ کوئی فیصلہ نہ کریں (سیر الصحابۃ)۔

حضرت ابن سمعان کا بیان ہے کہ میں مکہ شریف سے کے شہید ہونے تک ساتھ رہا ہوں اپ (رضی اللہ عنہ) نے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ اپ (رضی اللہ عنہ) یزید کے پاس جاتے ہیں اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہیں اور نہ ہی اپ (رضی اللہ عنہ) نے یہ مطالبہ کیا ہے اپ (رضی اللہ عنہ) کسی سرحد کی طرف جاتے ہیں۔ البتہ دو مطالبے کئے تھے۔

وَلٰكِنْ طَلَبَ مِنْهُمْ اَحَدَ اَمْرَيْنِ اِمَّا اَنْ يَّرْجِعَ مِنْ حَيْثُ جَاءَ وَاِمَّا اَنْ يَّدَعُوْهُ يَذْهَبُ فِي الْاَرْضِ الْعَرِيْضَةِ حَتّٰى يَنْظُرَ مَا يَصِيْرُ اَمْرُ النَّاسِ. ترجمہ: بلکہ اپ (رضی اللہ عنہ) نے دو باتوں میں سے ایک کا مطالبہ کیا کہ یا تو وہ جہاں سے آئے ہیں وہاں واپس چلے جاتے ہیں یا آپ (رضی اللہ عنہ) کو وسیع وعریض زمین میں جانے کے لئے چھوڑ دیں تا کہ وہ دیکھیں کہ لوگوں کا معاملہ ان کے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔ (البدایہ والنہایہ)۔ عقبہ بن سمعان نے اس لئے انکار کیا کہ ان کے نزدیک یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینا امام حسین کی توہین ہے۔ اور وہ اس کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس میں توہین نہیں پائی جاتی بلکہ کرامت اور عزت ہے۔ اس لئے کہ آپ نے جب دیکھ لیا حالات سازگار نہیں ہیں اور مجھے بلانے والے چھوڑ گئے ہیں اس لئے جنگ کرنے کی بجائے واپس ہی جانے میں امن وسلامتی ہے۔

اور اَضَعُ يَدِيْ فِيْ يَدِ يَزِيْدَ ابْنَ مُعَاوِيَةَ۔ (میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دوں)

کا مطلب یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہرگز مراد نہیں ہے بلکہ گفتگو کرنا بات کرنا ہے۔ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا اَنْ اَضَعَ یَدِیْ فِیْ یَدَیْ یَزِیْدِ بْنِ مَعَاوِیَہ فَیَرَی فِیْمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ رَاْیُہٗ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دوں پھر وہ دیکھے میرے اور اس کے درمیان اس کی کیا رائے ہوتی ہے۔اس معاملہ میں گفتگو کرنا مراد ہے لہٰذا یہ کہنا کہ آپ یزید کی بیعت کے لئے رضامند ہو گئے تھے بالکل غلط اور لغو ہے۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی جنگ وقتال کے لیے نہیں نکلے تھے۔آپ کا خیال تھا کہ لوگ آپ کی اطاعت کریں گے۔جب آپ نے دیکھا کہ لوگ آپ سے منہ موڑ چکے ہیں تو آپ نے تین مطالبات کیے:

۱) آپ کو واپس اپنے وطن جانے دیا جائے۔ ۲) آپ کو محاذ جنگ پر جانے دیا جائے تا کہ دشمن جہاد کر سکیں۔ ۳) یا پھر آپ کو یزید کے پاس پیش ہونے دیا جائے۔

پس ان ظالموں نے ان تینوں میں سے ایک بات بھی نہ مانی؛ بلکہ آپ سے گرفتاری پیش کرنے کا مطالبہ کیا تا کہ آپ کو قیدی بنا کر یزید کے سامنے پیش کیا جائے۔آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، یہاں تک لڑتے ہوئے مظلومیت کے ساتھ شہید ہو گئے۔لیکن شروع میں آپ کا ارادہ ہرگز جنگ کرنے کا نہیں تھا۔(منہاج السنہ ج ۲ ص ۵۵۰، اردو ص ۳۱۲)۔

شمر بن ذی الجوشن کی فتنہ انگیزی

جب یہ خبر ابن زیاد کو پہنچی تو اس نے آپ کا راستہ چھوڑنے کا ارادہ کر لیا اور کہا کہ انہیں جانے دیں جہاں جانا چاہتے ہیں مگر شمر بن ذی الجوشن الضیابی نے واپس نہ جانے دیا۔

شمر نے کہا لَا وَاللّٰہِ حَتّٰی یَنْزِلَ عَلٰی حُکْمِكَ هُوَ وَاَصْحَابُہٗ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۲)،

محمد بن عمر بن حسن بیان کرتے ہیں کہ ہم کربلا کے دو دریاؤں میں حضرت حسین کے ساتھ تھے آپ

نے شمر ذی الجوشن کی طرف دیکھ کر فرمایا صدق اللہ ورسولہ قال رسول اللہ ﷺ کانی انظروا الی کلب ابقع یلغ فی دماء اَھل بیتی کان شمر قبحه اله (ابرص۔ اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا گویا میں ایک سفید کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میری اَہل بیت کے خون میں منہ مارتا ہے (پیتا ہے، خدا اس کا بھلا نہ کرے بے صبری والا تھا)۔ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جلدی شہید کرنے پر لوگوں کو بلاتا تھا اور ترغیب دیتا تھا ذی الجوشن ایک جلیل القدر صحابی تھے ان کا نام شرجیل یا عثمان بن نوفل تھا (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۹۶) عمر بھی صحابی کا بیٹا تھا اور شمر بھی صحابی کا بیٹا تھا۔ مگر دونوں کو اس نسبت نے کوئی فائدہ نہ دیا۔

چنگیاں دے گھر پیدا کردہ مندے کرماں مارے　　مدیاں دے گھر چنگے دیندا رب دے کم نیارے

علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے: وَ کَانَ مِنْ اَشَدِّھِمْ تَحْرِیْضًا عَلَیْهِ شِمْرُ بْنُ الْجَوْ شَن (مجموعہ الفتاوی ج ۲۷ ص ۲۰۵)۔ اور ان سب سے زیادہ شمر لعین حضرت حسینؓ کو شہید کرنے پر لوگوں کو اکساتا اور لڑائی پر ابھارتا تھا۔

عزت کی شہادت کو پسند کیا:

علامہ امام ابوالفرج عبدالرحمن الجوزیؒ (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت حسینؓ صرف اس لئے اہل کوفہ کی طرف گئے تھے کہ انہوں نے دیکھا شریعت کو چھوڑا جا رہا ہے تو انہوں نے اپنے نانا جان کی شریعت کے قواعد بلند کرنے کی سعی جمیل فرمائی تو جب میدان کربلا میں پہنچے تو انہوں نے فرمایا، دَعُوْنِیْ اَرْجِعْ، مجھے چھوڑ دو میں واپس جانے دیجئے تو انہوں نے کہا کہ ابن زیاد کے حکم پر اتریئے اور حکم مانئے تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے ذلت پر حکم ماننے کی بجائے قتل (شہید) ہونا پسند فرمایا اور اسی طرح دیگر نفوس قدسیہ بھی شہید کردیئے گئے اور اسی طرح بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت حسینؓ کے طریقہ کی پیروی کی جبکہ حجاج بن یوسف نے آپ (رضی اللہ عنہ) پر

امان پیش کیا تو آپ نے فرمایا: وَاللّٰہِ لَضَرْبَۃٌ فِیْ عِزٍّ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الْحَیَاۃِ فِیْ ذِلٍّ (التبصرۃ ج ۲ ص ۱۴)، اللہ کی قسم، قتل کیا جانا عزت میں مجھے زیادہ پسند ہے ذلت کی زندگی سے۔

تو وہ ان سب سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے مگر حجاج بن یوسف امان کو قبول نہیں کیا تھا۔

محرم کی دسویں شب کی مہلت اور عبادت:

تین محرم سے لے کر آٹھ محرم تک گفتگو کرنے میں نتیجہ نہ نکلا آخر ۹ محرم ۶۰ھ کو یزیدیوں نے کہا: یا تو ہمارا حکم مانو یا لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ!

تو اس وقت آپ نے ایک رات کی اجازت لی تا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کریں، نمازیں پڑھ لیں، دعائیں مانگ لیں اور توبہ واستغفار کر لیں۔ تو عمر بن سعد بن وقاص نے سب کی رائے سے آپ کو ایک رات کی مہلت دے دی۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں وبات الحسین واصحابہ طول لیلھم یصلون ویستغفرون ویدعون ویتضرعون اور حضرت حسین ان کے ساتھی پوری رات نماز پڑھتے رہے، استغفار کرتے اور دعائیں مانگتے رہے اور گڑ گڑاتے ہوئے گریا زاری کرتے رہے اور دشمنوں کے محافظوں کے گھوڑے پیچھے چکر لگاتے رہے جن کا لیڈر عزرہ بن قیس احمسی تھا۔ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یہ آیت تلاوت فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

{ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ج وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ز مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ } (سورہ ال عمران ۳:۱۷۹۔۱۷۸)،

اور نہ خیال کریں جو کفر کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انہیں یہ بہتر ہے ان کے لئے صرف اس لئے ہم تو انہیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ اور زیادہ کر لیں گناہ اور ان کے لئے عذاب

ہے، ذلیل وخوار کرنے والا۔نہیں ہے اللہ(کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ الگ نہ کردے پلید کو پاک سے۔

دشمن کے ایک سوار نے جب یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا، قسم رب کعبہ کی! ہم بھی طیب ہیں اور تم سے الگ کردیئے گے ہیں۔(البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۱۸۵)

امام اعلیٰ مقام نے اپنے چوتھے خطبہ میں سب کو جانے کی اجازت دی:

پھر امام اعلیٰ مقام نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ اُثْنِی عَلَی اللّٰہِ اَحْسَنَ الثَّنَآءِ وَاَحْمَدُہٗ عَلَی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَحْمَدُكَ عَلٰی اَنْ اَکْرَمْتَنَا بِالنُّبُوَّۃِ وَجَعَلْتَ لَنَا اَسْمَاعًا وَّاَبْصَاراً وَّاَفْئِدَۃً وَّعَلَّمْتَنَا الْقُرْاٰنَ وَفَقَّھْتَنَا فِی الدِّیْنِ فَاجْعَلْنَا لَكَ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ اَمَّا بَعْدُ !فَاِنِّی لَآ اَعْلَمُ اَصْحَاباً اَوْفٰی وَلَا اَخْیَرُ مِنْ اَصْحَابِی وَلَا اَھْلَ بَیْتٍ اَبَرُّ وَلَا اُوْصِلُ مِنْ اَھْلِ بَیْتِی فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا عَنِّی خَیْرًا اِلَّا وَاِنِّی لَاَظُنُّ یَوْمَنَا مِنْ ھٰؤُلَآءِ الْاَعْدَآءِ غَدًا وَّاِنِّی قَدْ اَذِنْتُ لَکُمْ جَمِیْعاً فَانْطَلِقُوْا فِی حِلٍّ لَیْسَ عَلَیْکُمْ مِّنِّی ذِمَامٌ ھٰذَا اللَّیْلَ قَدْ غَشِیَکُمْ فَاتَّخِذُوْہُ جَمَلًا وَّ لْیَأْخُذْ کُلُّ رَجُلٍ مِّنْکُمْ بِیَدِ رَجُلٍ مِّنْ اَھْلِ بَیْتِی فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ جَمِیْعًا خَیْرًا ثُمَّ تَفَرَّقُوْا فِی الْبِلَادِ فِی سَوَادِکُمْ وَمَدَآئِنِکُمْ حَتّٰی یُفَرِّجَ اللّٰہُ فَاِنَّ الْقَوْمَ یَطْلُبُوْنِی وَلَوْ اَصَابُوْنِی لَھَوْا عَنْ طَلَبِ غَیْرِی۔(ابن اثیر ، ج۳:۲۸۵ طبری ،۲۳۸:۶)۔

فرمایا میں خدا کا بہترین ثناخواں ہوں اور مصیبت اور راحت ہر حال میں اس کا شکر گزار ہوں۔خدایا میں تیری حمد کرتا ہوں کہ تو نے ہم لوگوں کو نبوت سے سرفراز کیا اور ہمیں سننے والے کان، دیکھنے والی

آنکھیں، شناخت کرنے والا دل دیا ہے۔ہم کو قرآن سکھایا اور دین میں سمجھ عطا کی۔اب ہمیں اپنے شکرگزار بندوں میں شامل فرما۔

حمدوثنا کے بعد (آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا) مجھے کسی کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اورکسی کے اہل اپنے اہل بیت سے زیادہ نیکو کار اور صلح رحمی کرنے والا کوئی دوسرا گھرانہ نہیں معلوم ہوتا۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ تم لوگوں کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے۔ میں ان دشمنوں کی وجہ سے آج کا دن کل ہی کا دن سمجھ رہا ہوں۔اس لئے میں تم لوگوں کو بخوشی واپس جانے کی اجازت دیتا ہوں۔میری طرف سے کوئی ملامت نہ ہوگی۔رات ہو چکی ہے۔ایک ایک اونٹ لے لو اور ایک ایک آدمی میرے ایک ایک اہل بیت کا ہاتھ پکڑ کے ساتھ لے لے۔خدا تم سب کو جزائے خیر دے۔تم لوگ اپنے شہروں اور دیہاتوں میں چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ خدا یہ مصیبت آسان کر دے۔یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ یہ لوگ مجھ کو ڈھونڈیں گے۔میرے بعد کسی کی تلاش نہ ہوگی۔تو آپ کے بھائیوں، بیٹوں اور بھانجوں اور عبداللہ بن جعفر کے بیٹوں سب نے کہا: ہم ایسا نہیں کریں گے۔ بلکہ ہم سب آپ کا ساتھ دیں گے۔سب جانثاروں نے جانیں قربان کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے صبر کی وصیت:

جب حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے جان لیا کہ دشمن ہمیں زندہ نہیں رہنے دیں گے تو اس وقت اپنی ہمشیرہ حضرت زینب بنت علی ابن طالب ؓ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

اِتَّقِی اللہَ وَتَعَزِّیْ بِعَزَاءِ اللہِ وَاعْلَمِیْ اَنَّ اَھْلَ الْاَرْضِ یَمُوْتُوْنَ وَاَھْلَ السَّمَاءِ لَا یَبْقُوْنَ وَاَنَّ کُلَّ شَیْءٍ ھَالِكٌ اِلَّا وَجْهَ اللہِ اَبِیْ خَیْرٌ مِّنِّیْ وَاُمِّیْ خَیْرٌ مِّنِّیْ وَاَخِیْ خَیْرٌ مِّنِّیْ وَلِیَ وَلَھُمْ وَلِکُلِّ مُسْلِمٍ بِرَسُوْلِ اللہِ ﷺ اُسْوَۃٌ فَعَزَاھَا بِھٰذَا وَنَحْوِہٖ وَقَالَ

لَهَا: يَا أُخَيَّةَ إِنِّيْ أُقْسِمُ عَلَيْكِ (فَأَبِرِّيْ قَسَمِيْ) لاَ تَشُقِّيْ عَلَيَّ جَيْباً وَلاَ تَخْمَشِيْ عَلَيَّ وَجْهاً وَلاَ تَدْعِيْ عَلَيَّ بِالْوَيْلِ وَالثُّبُوْرِ إِنْ أَنَا هَلَكْتُ۔ (ابن اثیر، ج ۳:۲۸۶)۔

زینب! خدا سے ڈرو اور خدا سے تسکین حاصل کرو۔ ایک دن سارے زمین پر رہنے والے مر جائیں گے۔ آسمان والوں میں کوئی باقی نہ رہے گا۔ زمین و آسمان کی ساری چیزیں فناہ ہونے والی ہیں۔ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی۔ میرے باپ، میری ماں، میرے بھائی سب مجھ سے افضل تھے۔ میرے لئے، ان کے لئے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات نمونہ ہے۔ تم اس نمونہ سے صبر حاصل کرو۔ میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میری قسم کو پورا کرنا۔ میری شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے خلاف نہ کرنا۔ میرے مرنے پر گریبان نہ پھاڑنا۔ منہ نہ پیٹنا اور بین نہ کرنا۔

خیموں کو ترتیب سے نصب کرنا:

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) خیمہ سے باہر تشریف لائے اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ خیموں کو قریب قریب اس طرح کرو کہ خیموں کا ایک حلقہ سا یابان بن جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا اور پھر رات بھر عبادت میں مشغول رہے۔ شب عاشورہ ختم ہونے کے بعد صبح قیامت نمودار ہوئی۔ خیموں کے چاروں طرف خندق کھودنے اور آگ جلانے کا ذکر البدایۃ والنھایۃ نور العین فی مشہد حسین اور اوراق غم میں ہے۔

حسینی لشکر کی ترتیب:

مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ جب عمر بن سعد نے جمعۃ المبارک کے دن اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی اور ایک قول کے مطابق ہفتہ کے دن صبح کی نماز پڑھائی دس محرم الحرام کا دن تھا تو وہ جنگ کے لئے کھڑا ہو گیا اور اسی طرح حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے بھی اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی جن میں

سے ۳۳ آدمی (مجاھد) سوار اور (۴۰) چالیس ادمی (مجاھد) پیدل تھے نماز سے واپس اکر اپ نے ان کی صف بندی کی اور اپنے میمنہ (دائیں جانب لشکر پر) زھیر ابن القین اور میسرہ (بائیں جانب کے لشکر) پر حبیب بن مظھر (مظاہر) کو امیر مقرر فرمایا اور اپنے بھائی حضرت عباس بن علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنا جھنڈا دے دیا اور خیموں کو خواتین سمت اپنے پس پشت رکھا اور حضرت حسین کے حکم سے عورتوں نے اپنے پیچھے حندق کھودی اور اس میں ایندھن لکڑیاں وغیرہ پھینک دیں پھر اس میں اگ لگادی تاکہ پیچھے سے کوئی شخص ان کے خیموں کے پاس نہ جائے (البدایہ والنھایہ)۔

ابن سعد کے لشکر کی صف بندھی اور ابن سعد نے اپنے لشکر کی صف بندھی کی اس طرح کی کہ ابن سعد نے اپنے میمنہ پر امر بن حجاج کو مقرر کیا۔ اور میسرہ پر شمر ذلجوشن کو متعین کیا۔ (تاریخ طبری)

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی کرامت:

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ حرم کے خیمہ کے گرو جمع ہو پھر بہت لکڑیاں جمع کیں۔ اور آگ روشن کی۔ ابن سعد کی فوج میں سے ایک شخص آیا۔ اور آگ کو دیکھ کر تالی بجائی۔ اور کہنے لگا۔ اے حسین (رضی اللہ عنہ) آخرت سے پہلے دنیا ہی میں آگ میں پڑنا چاہتے ہو۔ امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے دعا کی۔ الہٰی اس شخص کو آخرت سے پہلے ہی دنیا میں آگ کا مزا چھکا دے۔

چنانچہ اس کا گھوڑا کودا۔ اور اس نے اپنے سوار کو آگ میں گرا دیا۔ جہاں وہ آن کی آن میں جل کر کباب ہوگیا۔ امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے کہا اللہ اکبر کتنی جلدی دعا قبول ہوئی۔ اس کے بعد ابن سعد کے لشکر سے ایک اور شخص آکر امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو کہنے لگا۔ کیا تم فرات کے پانی کی طرف نہیں دیکھتے کیا چمک رہا ہے۔ واللہ تم اس سے ایک قطرہ نہ چکھنے پاؤ گے۔ یہاں تک کہ پیاس

کے مارے موت کا ذائقہ چکھو امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے دعا کی۔ الٰہی اس شخص کو آج ہی پیاس کی حالت میں ہلاک کر۔ چنانچہ اسی وقت اس کو سخت پیاس لگی۔ اور اسی وقت گھوڑے سے گر پڑا۔ اور گھوڑے نے اسے اپنے ٹاپوں سے کچل ڈالا۔ (نور العین)۔

عمر بن سعد نے میمنہ پر عمرو بن الحجاج النہدی اور میسرہ پر شمر بن ذی الجوشن کو مقرر کیا اور سواروں پر عزرہ بن قیس احمسی۔ پیادوں پر شبث (شبیث) ربعی کو امیر بنایا اور اپنے غلام وردان (ذویدا) کو جھنڈا دیا اس طرح لوگ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی دعا:

اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نصب کئے ہوئے خیموں میں تشریف لے گئے اور ان میں غسل کیا اور چونے سے مالش کی اور بہت سی کستوری کی خوشبو لگائی۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں فَاغْتَسَلَ فِيْهَا وَاَطَّلٰى بِالنُّوْرَةِ وَيَتَطَيَّبَ بِمِسْكٍ كَثِيْرٍ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۸۵)۔ پھر حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اور قرآن مجید منگوایا اور اپنے آگے رکھا۔ اور آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یوں اللہ سے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ ثِقَتِيْ فِيْ كُلِّ كَرْبٍ وَرَجَآئِيْ فِيْ كُلِّ شِدَّةٍ وَاَنْتَ لِيْ فِيْ كُلِّ اَمْرٍ نَزَلَ بِيْ ثِقَةٌ وَعِدَّةٌ كَمْ مَنْ هُمْ يَضْعُفُ فِيْهِ الْفُؤَادُ وَتَقِلُّ فِيْهِ الْحِيْلَةُ وَيَخْذُلُ فِيْهِ الصَّدِيْقُ وَيُشْمِتُ بِهِ الْعَدُوُّ اَنْزَلْتُهٗ بِكَ وَشَكَوْتُهٗ اِلَيْكَ رَغْبَةً اِلَيْكَ عَمَّنْ سِوَاكَ فَفَرَّجْتَهٗ وَكَشَفْتَهٗ وَكَفَّيْتَنِيْهِ فَاَنْتَ وَلِيُّ كُلِّ نِعْمَةٍ وَصَاحِبُ كُلِّ حَسَنَةٍ وَمُنْتَهٰى كُلِّ رَغْبَةٍ۔ (ابن اثیر، ج ۳: ۲۱۸)، اے اللہ! تو ہر مصیبت میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں میرا آسرا ہے مجھ پر جو وقت آئے ان میں تو ہی پشت پناہ تھا۔ بہت سے غم و اندوہ ایسے ہیں جن میں دل کمزور ہو جاتا ہے۔ کامیابی کی تدبیریں کم ہو جاتی ہیں اور رہائی کی صورتیں غلط

ہوجاتی ہیں۔ دوست اس میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور دشمن شماتت کرتے ہیں۔لیکن میں نے اس قسم کے تمام نازک اوقات میں سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا۔ تجھ ہی سے اس کی شکایت کی تو نے ان مصائب کے بادل چھانٹ دیئے اور ان کے مقابلہ میں میرا سہارا بنا۔تو ہی ہر نعمت کا ولی، ہر بھلائی کا مالک اور ہر آرزو اور خواش کا منتہی ہے۔

دسویں محرم کا تاریخی خطبہ برائے اتمام حجت:

اس کا جواب دیا گیا پھر حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) سواری پر سوار ہوئے اور لوگوں کے سامنے آکر بلند آواز سے پکارا تاکہ سب لوگ سن لیں۔اور پھر حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے اِتمام حجت کی خاطر دسویں محرم کو آخری خطبہ دیا۔اور فرمایا

اَيُّهَا النَّاسُ اِسۡمَعُوۡا قَوۡلِیۡ وَلاَ تُعَجِّلُوۡنِیۡ حَتّٰی اَعِظَكُمۡ بِمَا یَجِبُ لَكُمۡ عَلَیَّ وَحَتّٰی اَعۡتَذِرَ اِلَیۡكُمۡ مِنۡ مَّقۡدَمِیۡ عَلَیۡكُمۡ فَاِنۡ قَبِلۡتُمۡ عُذۡرِیۡ وَصَدَّقۡتُمۡ قَوۡلِیۡ وَاَنۡصَفۡتُمُوۡنِیۡ كُنۡتُمۡ بِذٰلِكَ اَسۡعَدَ وَلَمۡ یَكُنۡ لَّكُمۡ عَلَیَّ سَبِیۡلٌ وَاِنۡ لَّمۡ تَقۡبَلُوۡا مِنِّیۡ الۡعُذۡرَ...

اے لوگو! میری بات کان لگا کر سنو، جلدی نہ کرو پہلے میرا کہنا سن لو اور مجھ پر سمجھانے کا جو حق ہے اسے پورا کر لینے دو اور میرے آنے کا عذر بھی سن لو پھر اس کے بعد تمہیں اختیار ہے۔ اگر میرا عذر قبول کر لو گے میرا کہنا سچ مانو گے اور انصاف سے کام لو گے تو خوش قسمت ہو گے۔اور تمہارے لئے میری مخالفت کی کوئی سبیل باقی نہ رہے گی۔اور اگر تم نے میرا عذر قبول نہ کیا اور انصاف سے کام نہ لیا

{فَاَجۡمِعُوۡۤا اَمۡرَكُمۡ وَشُرَكَآءَكُمۡ ثُمَّ لَا یَكُنۡ اَمۡرُكُمۡ عَلَیۡكُمۡ غُمَّةً ثُمَّ اقۡضُوۡۤا اِلَیَّ وَلَا تُنۡظِرُوۡنَ} (سورہ یونس:۱۰:۷۱)

{ اِنَّ وَلِيِّیَ اللهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ز وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ } (سورہ اعراف ۷:۱۹۶)
سوتم بھی کوئی متفقہ فیصلہ کرلواپنے شریکوں سے مل کر پھر نہ ہوتمہارا یہ فیصلہ تم پر مخفی پھر کرگزرو میرے ساتھ ''جو جی میں آئے'' اور مجھے مہلت نہ دو یقینا میرا حمایتی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے جس نے اتاری یہ کتاب۔اور وہ حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی۔

صبر کی تلقین:

آپ کا یہ کلام جب آپ کی بہنوں نے سنا تو رونے لگیں اور ان کی آوازیں بلند ہوئیں۔اپنے بھائی حضرت عباس بن علی (رضی اللہ عنہ) اور اپنے فرزند علی بن حسن (رضی اللہ عنہ) کو ان کے پاس بھیجا ۔کہا کہ چپ کرو۔ان کے کہنے پر اہل حرم کے رونے کی آوازیں موقوف ہوگئیں تو آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اور فرشتوں اور نبیوں پر بھی بھیجا

قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَانْسِبُوْنِیْ فَانْظُرُوْا مَنْ اَنَا ثُمَّ رَاجِعُوْآ اَنْفُسَكُمْ فَعَاتِبُوْهَا وَانْظُرُوْا هَلْ يَصْلَحُ وَيَحِلُّ لَكُمْ قَتْلِیْ وَانْتِهَاكُ حُرْمَتِیْ؟ اَلَسْتُ ابْنَ بِنْتِ نَبِيِّكُمْ (وَابْنَ وَصِيِّهٖ) وَابْنَ عَمِّهٖ وَاَوْلَى الْمُؤْمِنِيْنَ بِاللهِ، وَالْمُصَدِّقِ لِرَسُوْلِهٖ .اَوَلَيْسَ حَمْزَةُ سَيِّدُ الشُّهَدَآءِ عَمَّ اَبِیْ؟ اَوَلَيْسَ جَعْفَرُ الشَّهِيْدُ الطَّيَّارُ فِی الْجَنَّةِ عَمِّیْ؟ اَوَلَمْ يَبْلُغْكُمْ قَوْلُ مُسْتَفِيْضٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لِیْ وَ لِاَخِیْ اَنْتُمَا سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَقُرَّةُ عَيْنِ اَهْلِ السُّنَّةِ۔

فَاِنْ صَدَّقْتُمُوْنِیْ بِمَا اَقُوْلُ وَهُوَ الْحَقُّ وَاللهِ مَا تَعَمَّدْتُ كَذِبًا مُنْذُ عَلِمْتُ اَنَّ اللهَ يَمْقُتُ عَلَيْهِ وَاِنْ كَذَّبْتُمُوْنِیْ فَاِنَّ فِيْكُمْ مَّنْ اِنْ سَاَلْتُمُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ اَخْبَرَكُمْ سَلُوْا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ اَوْ اَبَا سَعِيْدٍ اَوْ سَهْلَ بْنِ سَعْدٍ اَوْ زَيْدَ بْنِ اَرْقَمَ اَوْ اَنَسًا

يُخْبِرُوْ كُمْ اَنَّهُمْ سَمِعُوْهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ ﷺ اَمَا فِيْ هٰذَا حَاجِزٌ يَحْجُزُ كُمْ عَنْ سَفْكِ دَمِيْ۔ (ابن اثیر، ج ۳: ۲۸۷)(البدایۃ والنہایۃ ج ۸: ۱۷۹)(طبری ۶: ۲۴۲)(مقتل الحسین ص ۱۱۷)، فرمایا: لوگو! میرے نسب پر غور کرو۔ میں کون ہوں؟ ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر اپنے آپ کو ملامت کرو۔ خیال کرو کہ میرا قتل اور میری آبروریزی تمہارے لئے زیبا ہے؟ کیا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ اور اس کے وصی کا بیٹا اور اسکے چچا کا بیٹا ہوں ،(خیال ہے یہ کلمہ وصی الحاقی معلوم ہوتا ہے یہ الفاظ اہل تشیع کی کتاب مقتل حسین لابی مخنف متوفی ۱۵۷ھ کے ہیں اور اس نے اپنے عقیدہ کے مطابق لکھا ہے۔ بعد میں آنے والے اہل سنت مئورخین مثلاً طبری، ابن اثیر، ابن کثیر وغیرہ بھی بلا تحقیق نقل کرتے رہے ہیں اللہ ان سب کی مغفرت کرے۔ یہ عقیدہ اہل سنت کا نہیں ہے کیونکہ ان الفاظ میں حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصی اور اولی المومنین (سب مومنوں سے افضل ترین) کہا گیا ہے ان الفاظ سے ان کا عقیدہ تو ثابت نہیں ہوتا اگر ثابت بھی ہو تو یہ دوسری صحیح روایات کے مقابلہ میں متروک ہوں گے)خدا پر سب سے پہلے ایمان لانے والے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی کتاب کی تصدیق کرنے والے کا فرزند نہیں ہوں؟ کیا سید الشہداء حمزہ میرے باپ کے اور جعفر طیار ذوالجناحین میرے چچا نہ تھے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے بھائی کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے؟ اگر میں سچ کہتا ہوں اور یقیناً سچ کہتا ہوں کیونکہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ جھوٹے پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے اس وقت سے میں نے عمداً جھوٹ نہیں بولا اور اگر مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں اس کے جاننے والے موجود ہیں۔ ان سے اس کی تصدیق کرلو۔ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری، حضرت ابوسعید خدری، حضرت سہل بن سعد ساعدی، حضرت زید بن ارقم اور حضرت انس بن مالک بھی زندہ ہیں۔ ان سے پوچھو یہ تمہیں

بتائیں گے کہ انہوں نے میرے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے۔ مجھے بتاؤ! کیا اس فرمان میں میری خون ریزی کے لئے کوئی روکنے والا نہیں۔

اس تقدیر وخطبہ کے دوران شمر بن ذی الجوشن نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے بارے میں کہا: یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت ایک رخ سے کرتے ہیں اور جو یہ کہتے ہیں میں نہیں جانتا۔ حبیب بن مظاہر رحمہ اللہ نے اس کو دندان شکن جواب دیتے ہوئے فرمایا: اے شمر تو ستر کناروں پر عبادت کرتا ہے (ریا کار)، بیشک سچ کہتا ہے تیری سمجھ میں نہیں آتا جو حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) فرما رہے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے تیرے دل پر مہر کر دی ہے۔

میں تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا ہوں

پھر فرمایا: فَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا اَقُوْلُ اَوْ تَشُكُّوْنَ فِيْٓ اَنِّيْ ابْنُ بِنْتِ نَبِيِّكُمْ فَوَاللهِ مَابَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِبْنُ بِنْتِ نَبِيٍّ غَيْرِيْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْ غَيْرِكُمْ اَخْبِرُوْنِيْٓ اَتَطْلُبُوْنِيْ بِقَتِيْلٍ مِّنْكُمْ قَتَلْتُهٗ اَوْ بِمَالٍ لَكُمْ اِسْتَهْلَكْتُهٗ اَوْ قِصَاصٍ مِّنْ جَرَاحَةٍ؟ فَلَمْ يُكَلِّمُوْهُ. فَنَادٰى يَاشَبْثُ بْنَ رِبْعِيٍّ۔ وَيَاحَجَّارَ بْنَ اَبْجَرَ وَيَا قَيْسَ ابْنَ الْاَشْعَثِ وَيَازَيْدَ بْنَ الْحَارِثِ اَلَمْ تَكْتُبُوْٓا اِلَيَّ فِي الْقُدُوْمِ عَلَيْكُمْ؟ قَالُوْا: لَمْ نَفْعَلْ، ثُمَّ قَالَ: بَلٰى [وَ اللهِ لَقَدْ] فَعَلْتُمْ۔ ثُمَّ قَالَ: اَيُّهَا النَّاسُ اِذْ كَرِهْتُمُوْنِيْ فَدَعُوْنِيْٓ اَنْصَرِفُ اِلٰى مَاْمَنِيْ مِنَ الْاَرْضِ۔ (ابن اثیر، ج ۳: ۲۸۷ طبری، ۶: ۲۴۳)،

خیر اگر تم کو اس میں کچھ شک ہے تو اسے جانے دو۔ لیکن کیا اس میں بھی کچھ شبہ ہے کہ میں تمہارے نبی ﷺ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔ خدا کی قسم آج مشرق سے لے کر مغرب تک روئے زمین پر تم میں اور کسی غیر قوم میں بھی میرے سوا کسی نبی ﷺ کا نواسہ موجود نہیں ہے۔ میں خاص تمہارے نبی ﷺ کی صاحبزادی کا بیٹا ہو۔ تم لوگ میرے خون کے کیوں خواست گار ہو؟ کیا میں نے کسی کو قتل

کیا ہے؟ کسی کا مال ضائع کیا ہے؟ کسی کو زخمی کیا ہے؟

ان نصائح اور سوالات کو سن کر سب خاموش رہے۔ کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس کے بعد آپ (رضی اللہ عنہ) نے بعضوں کے نام لے کر سوالات شروع کئے کہ اے شبث بن ربعی، اے حجار بن ابجر، اے قیس بن اشعث، اے زید بن حارث کیا تم نے مجھ کو نہیں لکھا تھا؟ پھل پک چکے ہیں، کھجوریں سر سبز ہیں، دریا جوش میں ہیں، فوجیں تیار ہیں، تم فوراً آؤ۔ ان لوگوں نے جواب دیا: ہم نے نہیں لکھا تھا۔

فرمایا: سُبْحَانَ اللہ! خدا کی قسم تم نے لکھا تھا۔ لوگو اگر تم کو میرا آنا ناگوار ہے تو تم مجھے چھوڑ دو۔ تا کہ میں کسی پر امن خطہ کی طرف چلا جاؤں۔

ابن زیاد کی اطاعت سے انکار کیا:

اس پر قیس ابن اشعث نے کہا: آپ (رضی اللہ عنہ) ابن زیاد کے حکم پر سر جھکا دیں۔ پھر آپ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ سلوک نہیں ہوگا۔

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے بڑی جرأت کے ساتھ فرمایا لَا وَاللہِ وَلَا اُعْطِیْهِمْ بِیَدِیْ اِعْطَاءَ الذَّلِیْلِ وَلَا اُقِرُّ اِقْرَارَ الْعَبْدِ عِبَادَ اللہِ

خدا کی قسم! میں کسی ذلیل انسان کی طرح ابن زیاد کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دوں گا اور نہ میں کسی غلام کی طرح اقرار اطاعت کروں گا۔ اللہ کے بندو

{وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ} (سورہ دخان ۴۴:۲۰) {اور میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی کہ تم مجھ پر پتھراؤ کرسکو}

{اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ} (سورہ مؤمن ۴۰:۲۷) (ابن اثیر، ج ۳:۲۸۸) {اور میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے

پروردگار کی ہر اس متکبر (کے شر) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا}۔

پھر عقبہ بن سمعان کو حکم دیا۔ انہوں نے ناقہ کو باندھ دیا۔ اب دشمنوں نے حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تو زہیر بن قین ایک گھوڑے پر سوار ہو کر ہتیار لے کر میدان میں نکل آئے اور اعداء کو خطاب کیا اور حضرت حسین کے ساتھ لڑنے سے روکا یہ سن کر شمر نے سخت کلمے کہے اور ابن زیاد کی تعریف کی۔

حر کی ابن سعد سے علیحدگی:

اس صورت حال کو دیکھ کر حر بن یزید دشمنوں کی جماعت سے نکل کر حسینی لشکر میں آ گیا اور حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) سے معذرت خواہی کی اور اپنے قبیلہ کے لوگوں سے خطاب بھی کیا۔

وَيحَكُمْ اَلَا تَقْبَلُوْنَ مِنَ اِبْنِ بِنْتِ رَسُوْلِ للهِ مَا يَعْرِضُ عَلَيْكُمْ مِنَ الْخِصَالِ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٍ مِّنْهَا (البدایۃ النھایۃ)۔

خرابی ہے تم پر کیوں نہیں تم رسول اللہ کی بیٹی کے بیٹے سے وہ باتیں قبول نہیں کرتے ہو جو وہ تم پر پیش کرتے ہیں یعنی تین باتوں میں سے ایک کو بھی تم نہیں مانتے ہو۔

جنگ کا آغاز:

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں ثُمَّ قَدَّمَ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ بِرَايَتِهٖ وَأَخَذَ سَهماً فَرَمٰى بِهٖ وَقَالَ اِشْهَدُوْا لِيْ اَنِّيْ اَوَّلُ رَامٍ ثُمَّ رَمَى النَّاسُ۔ (ابن اثیر ۲۸۹) (البدایۃ والنھایۃ، ج ۸: ۱۸۱)، ابن سعد علم لے کر بڑھا اور پہلا تیر چلا کر کہا: گواہ رہنا میں سب سے پہلے تیر چلانے والا ہوں۔ اس کے بعد جنگ کا بازار گرم ہو گیا۔ ابتداء عمرو بن سعد یہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا جائے مگر ابن زیاد نے دھمکیاں دیں اور شمر نے بدگمانی پیدا کی اس لئے اپنی جان بچانے کی خاطر اور حصول دنیا کے لئے جنگ کرنے میں پہل کی اور پھر لشکر یزید سے ابن

زیاد کا غلام اور سالم عبید اللہ غلام نکل کر میدان میں آیا اور مقابلہ کے لئے للکارا۔ اور لڑنے والے کو طلب کیا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی طرف سے عبد اللہ بن عمیر کلبی ؓ میدان جنگ میں آئے (یہ کوفہ سے مع اپنی بیوی کے آپ کی خدمت میں آئے تھے)۔ عبد اللہ بن عمیر نے لڑتے لڑتے دونوں کو قتل کر ڈالا۔ ان کی بیوی ام وھب ایک لکڑی لیکر دوڑیں مگر اس کو روکا کہ عورتوں پر جہاد نہیں ہے۔

علامہ ابو اسحاق الاسفرائنی لکھتے ہیں امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ میں نے اپنے والد کو یوں کہتے سنا ہے کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) اور ابن سعد کے درمیان مقابلہ ہوا اور جنگ شروع ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو اختیار دیا کہ یا تو فتح قبول کریں یا اپنے رب کا وصال حاصل کریں۔ تو آپ نے رب کے وصال کو فتح پر ترجیح دی پس آپ نے مخالفوں سے (دفاعی) جنگ شروع کردی۔ (نور العین)۔ تو شہید ہو کر وصال خداوندی حاصل کیا۔

میدان کربلاء میں حسینی مجاہدین بعض گھوڑوں پر سوار ہو کر اور بعض پیدل لڑتے تھے، اور بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضر امام حسین نے اونٹنی پر سواری فرمائی ثُمَّ اَنَاخَ رَاحِلَتَهُ ثُمَّ امر عقبة بن سمعان ان یعقلها بفاضل زمامها (مقتل الحسین) پھر حسین نے اپنے اونٹنی کو بٹھایا عقبہ بن سمعان نے کہا کہ اسے نکیل کے ذریعہ باندھ دے۔

ان الحسین رکب دابته (مقتل الحسین ص ۱۱۵) کہ حضرت حسین جانور پر سوار ہوئے۔

فَعَزَمَ الْحُسَيْنُ عَلَى المیسر اِلَى الْعِرَاقِ فَاَخَذَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَنَفِيَّةِ زَمَامَ نَاقَتِهٖ (ذبح عظیم)، تو جب حضرت حسین مکہ سے کوفہ کی جانب روانہ ہوئے تو محمد بن حنفیہ نے آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑ لی۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں ثم رکب الحسین علی فارسه واخذ مصحفا فوضعه بین

یدیہ الخ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۷۱)، پھر حضرت حسین اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور انہوں نے قرآن لے لیا پھر اس کو اپنے سامنے رکھا،

نماز خوف ادا کرنا:

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے اکثر رفقاء شہید ہو چکے اور دشمن کے دستے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے قریب پہنچ گئے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں **ودخل علیھم وقت الظھر فقال الحسین مروھم لِیَکُفُّوا عَنِ الْقِتَالِ حَتّٰی نُصَلِّیَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْکُوْفَةِ اِنَّهَا لَا تُقْبَلُ مِنْکُمْ** (البدایہ والنایہ ج ۸ ص ۱۹۰)، اور جب ظہر کا وقت ہو گیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا انہیں حکم دو کہ وہ جنگ سے رک جائیں تا کہ ہم نماز پڑھ لین اور اہل کوفہ میں سے ایک شخص نے کہا آپ کی یہ بات قبول نہیں ہوگی اور حبیب بن مطہر نے اسے کہا تو ہلاک ہو جائے کیا تیری بات قبول ہوگی اور آل رسول کی بات قبول نہ ہوگی۔ اور حبیب بن مطہر نے اگے خوب جنگ کی یہاں تک کہ انہوں نے اس کو قتل کر لیا۔ بدیل بن صریم کہا جاتا تھا۔ حبیب بن مطہر کو انہوں نے شہید کر دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو نماز کا کتنا خیال تھا۔ شدید گمسان کی لڑائی میں حضرت حسین اپنی فوج کو ظہر کے وقت نماز خوف پڑھائی۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوشامہ صائدی نے عرض کیا کہ میری جان آپ پر قربان ہو میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے قتل کیا جاؤں، لیکن دل یہ چاہتا ہے کہ ظہر کا وقت ہو چکا ہے، نماز ادا کر کے پروردگار کے سامنے جاؤں حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے باواز بلند فرمایا کہ جنگ ملتوی کرو، یہاں تک کہ ہم نماز پڑھ لیں، ایسی گھمسان جنگ میں کون سنتا تھا طرفین سے قتل وقتال جاری تھا اور ابوشامہ (رضی اللہ عنہ) اسی حالت میں شہید ہو گئے، اس **ثُمَّ صَلَّى الْحُسَیْنُ بِاَصْحَابِهِ الظُّهْرَ صَلٰوةَ الْخَوْفِ** (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۹۱) کہ پھر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے اپنے چند

اصحاب کے ساتھ نماز ظہر صلوٰۃ الخوف پڑھائی ، نماز کے بعد پھر قتال شروع کیا۔ (شہید کربلا تاریخ خلیفہ ابن خیاط)۔ باقی اونٹ پر نماز پڑھنا سجدہ میں سر کٹانا ، یہ صحیح روایت میں نہیں بیان کیا گیا آپ نے قرآن وحدیث کے مطابق نماز خوف ادا فرمائی اور بتادیا کہ نماز کو کسی وقت بھی ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ غرضیکہ شدید جنگ ہوئی

یکے بعد دیگر سب شہید ہوتے گئے:

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعوان وانصار اور رفقاء واحباب جام شہادت نوش فرماتے رہے۔ مثلاً عبد اللہ بن عمر کلبی، ام وهب، مسلم بن عوسجہ، حر بن یزید، ریاحی نافع بن حلال، حنظلہ بن اسد، پسران عزوہ غفاری، (سیف ومالك شهوذب)، عابس بن ابی سهیب، یزید بن زیادکارجزو، جابر بن حارث وغیرهم اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عزیز و اقارب یکے بعد دیگر میدان میں اترے۔ مثلاً علی اکبر بن حسین۔ عون ومحمد بن عبد اللہ جعفر ، عثمان بن علی، ابوبکر بن علی، عمر بن علی، قاسم بن حسین، عبد اللہ بن حسین، عبد الرحمن بن عقیل، عبد اللہ وجعفر پسران علی، ابوبکر بن حسن ، علی اصغر بن حسین رضی اللہ عنہم وغیرهم ۔ (تاریخ طبری تاریخ ابن خلدون اوراق غم وغیرہ) جب حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) عالی مقام کے ساتھی رفقاء اور بیٹے ، بانجھے، بھتیجے شجاعت و بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے جام شہادت نوش کرتے ہوئے اور قرب خداوندی کی طرف حاصل کرتے ہوئے جنت کی طرف چلے گئے اور یہ سب حضرات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی آنکھوں کے سامنے شہید ہوئے لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ کیونکہ آپ سید الصابرین اور امام

المجاھدین تھے۔

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شجاعت:

جب حسینی لشکر کے پچاس سے زائد مجاہد یکے بعد دیگرے راہ خدا میں شہید ہو گئے۔ تو اب صرف حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ نواسہ رسول ﷺ جگر گوشہ بتول (رضی اللہ عنہا) فرزند حیدر کرار (رضی اللہ عنہ) مومنوں کی انکھوں کا نور دل کا سرور جنتی نوجوانوں کے سرادر پیکر صبر و رضا حضرت امام حسین تنہا رہ گئے تو اپنے چھوٹے صاحبزادے عبداللہ کو بلایا اور اپنی گود میں بٹھا لیا، بنی اسد کے ایک بدنصیب نے ان کو بھی تیر مار کر شہید کر دیا، حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے اس چھوٹے صاحبزادے کا خون لے کر زمین پر بکھیر دیا، اور دعا کی یا اللہ تو ہی ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰاجِعُوۡنَ۔

حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) اکیلے رہ گئے تو آپ (رضی اللہ عنہ) کو دشمنوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اس وقت آپ نے سب پر حملہ کر کے ان کے بہت سے دشمنوں کو مار ڈالا۔ آپ ان میں تلوار کے ساتھ دائیں بائیں جولانی کر رہے تھے اور وہ لوگ آپ سے بھاگتے جاتے تھے۔ آپ لڑتے لڑتے دریائے فرات کی طرف اپنے گھوڑے کو بڑھایا تا کہ پانی کے کچھ گھونٹ پی کر پیاس دور کر لیں لیکن ظالموں نے نہ جانے دیا۔ بہت دیر تک آپ بڑی بہادری اور شجاعت سے مقابلہ کرتے رہے۔ آخر ایک دفعہ آپ دشمنوں کی بھیڑ کو چھانٹتے ہوئے فرات کے کنارے پہنچ گئے۔ آپ پانی لے کر پینا ہی چاہتے تھے کہ ظالم حصین بن نمیر نے ایسا تاک کر تیر مارا جو آپ کی ران پر لگا ۔امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے تیر کو کھینچ کر نکالا اور خون کو ہاتھ سے بند کرنے لگے اور یوں کہتے جاتے تھے یَا رَبِّ اِلَیۡكَ الۡمُشۡتَکٰی مِمَّنۡ اَرَاقُوۡا دَمِیۡ وَمَنَعُوۡنِیۡ شُرۡبَ الۡمَآءِ اَنَا وَمَعِیَ اے میرے پروردگار تجھ سے فریاد ہے انہوں نے میرا خون گرایا ہے اور مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو

پانی پینے سے روک دیا ہے (نور العین فی مشھد الحسین ص ۱۶۱ اردو) ایک اور روایت میں ہے ایسا ہے کہ کسی ظالم نے ایسا تیر مارا کہ آپ کے منہ سے خون بہنے لگا۔ وہ پانی جو آپ کے چلو میں تھا خون سے رنگین ہو گیا اور اَپ نے اس خون سے بھرے ہوئے چلو کو آسمان کی طرف اچھال کر یہ دعا کی۔
اے اللہ آج جو تیرے نبی ﷺ کے نواسے کے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کی شکایت تجھ ہی سے کرتا ہوں۔ اَپ (رضی اللہ عنہ)) پھر میدان جنگ کی طرف لوٹے اور لڑتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے: کہ آج تم لوگ میرے قتل کے لئے اکھٹے ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قسم میرے قتل سے بڑھ کر کوئی قتل ایسا نہ ہوگا جو میرے قتل سے زیادہ خدا کی ناراضگی کا سبب ہوگا۔
(میرے قتل سے) تم ذلیل ہو جاؤ گے اور خدا مجھے عزت دے گا۔ اور تم سے میرے قتل کا اس طرح بدلہ لے گا کہ تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ خدا کی قسم! اگر آج تم نے مجھے قتل کر دیا تو خدا تم پر غضب نازل کرے گا۔ تمہیں ایک دوسرے کو تمہارے ہی ہاتھوں سے قتل کرائے گا اور جب تک تم پر دوگنا عذاب نازل نہ کرے گا اس وقت تک وہ تم سے راضی نہ ہوگا۔
پھر ا دشمنوں نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) پر ہر طرف سے حملہ کر دیا اور آپ (رضی اللہ عنہ) تلوار کو دائیں بائیں گھماتے جا رہے تھے وہ (یزیدی) آپ (رضی اللہ عنہ) سے یوں بھاگ رہے تھے جیسے بکری شیر سے بھاگتی ہے۔
حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ)) کی بہن حضرت زینب بنت فاطمہؓ اَپ (رضی اللہ عنہ) کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کاش آسمان زمین پر گر پڑے اور عمر بن سعد کے پاس آ کر کہنے لگیں اے عمر کیا تو پسند کرتا ہے کہ ابو عبد اللہ (حضرت حسین) تیرے دیکھتے ہوئے قتل ہوں۔ عمر بن سعد کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آنسو اسکی داڑھی پر گر پڑے اور اس نے اپنا چہرہ ان سے دوسری طرف پھیر لیا (البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۱۹۵)۔

علامہ ابن اثیرؒ لکھتے ہیں: فَدَمَعَتْ عَيْنَاهُ حَتّٰى سَالَتْ دُمُوْعُهُ عَلٰى خَدَّيْهِ وَ لِحْيَتِهِ وَ صَرَفَ وَجْهَهُ عَنْهَا (الکامل التاریخ ج ۳ص ۲۹۵)، اسکی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور اسکے چہرے رخساروں اور داڑھی پر پڑے اور اپنا چہرہ ان سے پھیر لیا۔

عمر بن سعد فوج کا سردار تھا اور وہ ابن زیاد کے حکم کا پابند تھا مگر وہ مصالحت کی کوشش کرتا تھا اور اسکی آنکھوں کا اشکبار ہونا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ وہ اس معاملہ کا حل تلاش کرنا چاہتا تھا اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) شہید ہوں۔

مگر اُس کو اِس حزن وغم کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور خاندان اہل بیت سے کوئی ہمدردی نہ کر سکا کیونکہ اس کو گورنری کے جانے اور جان کا خطرہ تھا حالانکہ عمر بن سعد حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا رشتہ دار تھا۔ اس لئے سلسلہ نسب بنی ہاشم کے ساتھ عبد مناف میں مل جاتا ہے یعنی عمر بن سعد بن ابی وقاص بن اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ اس قرابتداری کی وجہ سے آنکھوں کا اشکبار ہونا ایک فطرتی بات تھی۔

شہادت حضرت حسین (رضی اللہ عنہ)

آپ تنہا دشمن کا مقابلہ کر رہے تھے پھر ذرا آرام لینے کے لئے ٹھہر گئے۔ اس وقت ایک تیر آپ (رضی اللہ عنہ)) کے دل میں آ کر لگا جس کی تین نوکیں تھیں آپ کے منہ سے نکلا بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وبالله وعلى ملة رسول الله اور آپ (رضی اللہ عنہ) کو ہر طرف سے گھیرے میں لے لیا (نور العین)۔ لیکن کوئی شخص آپ (رضی اللہ عنہ) کے قتل پر جرأت نہ کرتا تھا۔ حتی کہ شمر بن ذی الجوشن نے آواز دی تم ہلاک ہو جاؤ۔ اس شخص کے متعلق تم کس بات کے منتظر ہو۔ تمہاری مائیں تمہیں کھودیں اسے قتل کر دو۔ پس یزیدی لشکر کے جوانوں نے ہر جانب سے حملہ کر دیا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ (رضی اللہ عنہ)) کے بائیں کندھے پر تلوار ماری اور

دائیں کندھے پر بھی تلوار ماری۔ پھر وہ آپ ((رضی اللہ عنہ)) کو چھوڑ کر واپس چلے گئے اور آپ (رضی اللہ عنہ) مشقت کے ساتھ اٹھتے اور منہ کے بل گر رہے تھے۔ پھر سنان بن ابی عمر بن انس نخعی نے آپ (رضی اللہ عنہ) کے پاس آکر آپ (رضی اللہ عنہ) کو نیزہ مارا تو آپ (رضی اللہ عنہ) گر پڑے اور اس نے اپنے گھوڑے سے اتر کر آپ (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دیا اور آپ (رضی اللہ عنہ) کا سر کاٹ لیا۔ پھر اس نے خولی بن یزید کو آپ کا سر مبارک دے دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸: ۱۸۸۔ ۱۸۷)

اہل تاریخ نے کہا ہے کہ یہ ایک بے نظیر واقعہ ہے کہ جس شخص کی اولاد اور اہل بیت قتل کر دیئے گئے ہیں اس کو خود شدید زخم لگے ہوئے ہوں اور وہ پانی کے ایک ایک قطرہ سے محروم ہو اور وہ اس وقت صبر اور اثبات قدمی سے مقابلہ کر رہا ہے کہ جس طرف رخ کرتا ہے مسلح سپاہی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنے لگتے ہیں۔ شمر نے جب یہ دیکھا کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے قتل کرنے سے ہر شخص بچنا چاہتا ہے تو آواز دی کی سب یکبارگی سے حملہ کرو، اس پر بہت سے بدنصیب آگے بڑھے، نیزوں اور تلواروں سے یکبارگی حملہ کیا اور ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **خیر خلق اللہ فی الارض** ظالموں کا دلیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ شمر نے خولی بن یزید سے کہا کہ ان کا سر کاٹ لو، وہ آگے بڑھا مگر ہاتھ کانپ گئے، پھر شقی بدبخت سنان بن انس نے یہ کام انجام دیا، آپ کی لاش مبارک کو دیکھا تو تینتیس زخم نیزوں کے اور چونتیس زخم تلواروں کے آپ کے مبارک بدن پر تھے، تیروں کے زخم ان کے علاوہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَاَرْضَاہُ وَ رَزَقَنَا حُبَّہٗ وَحُبَّ مَنْ وَّالَاہُ۔ (شہید کربلاء)۔

بعض نے لکھا ہے کہ جب آپ (رضی اللہ عنہ) زیادہ زخموں کی وجہ سے زمین پر گر پڑے (تشریف لائے) اور کسی کو ہمت جرأت نہیں تھی کہ وہ آپ (رضی اللہ عنہ)) کا سر اقدس تن پاک

سے جدا کرے جو دیکھتا تھا وہ بھاگ جاتا۔ شمر بولا مجھے تلوار دو واللہ ان کو قتل کرنے کا حق دار مجھ سے زیادہ کوئی بھی نہیں یہ کہہ کر وہ گھوڑے سے کود کر حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کے سینہ بے کینہ پر سوار ہو کر آپ (رضی اللہ عنہ) کے گلے (بوسہ گاہ) پر تلوار رکھدی اور آپ (رضی اللہ عنہ) کو ذبح کرنا چاہا حضرت حسنین (رضی اللہ عنہ) نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا تو کون ہے واللہ سخت گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے کیا تجھے اور اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرم نہیں آتی دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی آخر پھر اس نے سر اقدس کاٹ کر نیزہ پر بلند کیا اور ابن زیاد کے حوالہ کر دیا (نور العین)۔

بعض نے لکھا ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کا سر اقدس سنان بن انس نخعی نے کاٹا تھا۔ اور کہا گیا ہے کہ شمر ذی لجوشن نے آپ (رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا تھا۔ (الاکمال فی اسماء الرجال)۔ محمد بن عمرو بن حسین نے کہا کہ ہم حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ کربلا میں تھے آپ نے شمر ذی الجوشن کی طرف دیکھا تو کہا اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا كَأَنِّيْ أَنْظُرُ إِلَى كَلْبِ أَبْقَعَ يَلَغُ فِيْ وِعَاءِ أَهْلِ بَيْتِيْ وَكَانَ شِمْرُ أَبْرَصَ (فضل اہل البیت وحقوقھم لابن تیمیہ ص ۱۹۰، البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۱۹۶) گویا کہ میں ایک سفید و سیاہ کتے کو دیکھ رہا ہوں وہ میری اہل بیت کے برتن میں منہ مارتا اور چاٹتا ہے اور شمر برص (کوڑھی) کی بیماری میں مبتلا تھا۔

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) اس لئے سید الشہد اہیں کہ از آدم تا ایں آدم کسی نے ان کی سی مصیبتیں نہ اٹھائیں کربلا کے میدان میں وہ غازی بھی تھے، پردیسی مسافر بھی اور مہاجر بھی، تین دن کے متواتر روزہ دار بھی، بچوں اور گھر بار کو راہ الٰہی میں لٹانے والے بھی اور انوکھے نمازی بھی۔ (شان حبیب الرحمن)۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) صحابی، غازی، نمازی، راہ حق میں وطن،، مال، اولاد اور جان قربان کرنے والے تھے، باطل کے اگے نہ جھکنے والے تھے، اس لئے جان تو دے دی مگر جھکے نہیں ہیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس محرم ۶۱ھ کو بروز جمعہ شہید کئے گئے اور آپ کی عمر ۵۸ سال یا اس کے قریب قریب تھی (البدایہ والنہایہ)۔

ڈاکٹر محمد اقبال کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

بہر آں شہزادہ خیر الملل ❁ دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل

سب سے بہتر ملت اسلامیہ کے اس شہزادے کی شان یہ تھی کہ ختم المرسلین کے دوش مبارک پر اچھی سواری قرار پایا۔

موسیٰ وفرعون وشبیر و یزید ❁ ایں دو قوت از حیات آید پدید

موسیٰ اور فرعون شبیر اور یزید یہ دو قوتیں ہیں جو زندگی سے ظاہر ہوئیں۔ ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق کے علمبردار تھے۔ فرعون اور یزید نے باطل کی پاسداری کی۔ دونوں قوتیں ابتداء سے چلی آتی ہیں اور ان کے درمیان کشمکش بھی ہوتی رہی ہے۔

زندہ حق از قوت شبیری است ❁ باطل آخر داغِ حسرت میری است

حق قوت شبیری سے زندہ رہتا ہے باطل آخر حسرت کی موت کا داغ بن جاتا ہے۔

بر زمین کربلا بارید و رفت ❁ لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

بارش کربلاء کی زمین پر برسی اور چھٹ گئی ویرانوں کو لالہ زار بنادیا اور چلدی۔

تا قیامت قطعِ استبداد کرد ❁ موجِ خون او چمن ایجاد کرد

قیامت تک کے لئے ظلم وجور اور کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ حسین ہی کے موج خون نے حریت کا گلزار کھلا دیا۔

بہر حق در خاک وخوں غلطیدہ است ❁ پس بنائے لا الہ گردیدہ است

امام حسین حق کی خاطر خاک وخون میں تڑپے، اس وجہ سے کلمہ توحید کی بنیاد بن گئے۔

مدعایش سلطنت بودے اگر ❁ خود نکروے باچنیں سامان سفر

اگر وہ سلطنت کے خواہاں ہوتے تو اتنے تھوڑے آدمیوں اور معمولی سروسامان کے ساتھ کیوں مکہ سے کوفہ کی طرف جاتے۔ کیونکہ ان کے دشمن ریت کے ذروں کی طرح بے شمار تھے۔

تیغ بہرِ عزتِ دین است وبس ❁ مقصدِ او حفظ آئین است وبس

اس لئے کہ تلوار صرف دین کی عزت کے واسطے بے نیام ہوسکتی ہے اس کا مقصد صرف ایک ہے وہ یہ کہ شریعت کی حفاظت ہو اور بس۔

ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نیست ❁ پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

مسلمان اللہ کے سوا کسی کا غلام نہیں ہوسکتا اس کا سر فرعون کے اگے نہیں جھک سکتا۔

خونِ او تفسیر ایں اسرار کرو ❁ ملت خوابیدہ را بیدہ کرو

حضرت حسین کے خون نے دین کا راز کھول کر بیان کر دیا۔ اور سوئی ہوئی ملت کو جگا دیا۔

تیغِ لا چوں از میاں بیروں کشید ❁ از رگِ ارباب باطل خوں کشید

انہوں نے لا کی تلوار جب درمیان سے باہر کھینچی تو صاحبان باطل کی رگوں سے خون نکال دیا۔

نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت ❁ سطرِ عنوان نجاتِ ما نوشت

انہوں نے لا الہ کا نقش صحرا کے سینے پر بٹھا دیا۔ لکھ دیا یہ نقش ہماری نجات کے عنوان کی سطر لکھ دی۔

رمزِ قرآں از حسین آموختیم ❁ ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

ہم نے قرآن مجید کی رمز حضرت حسین سے سیکھی ہے اور ان ہی کی روشن کی ہوئی آگ سے شعلے جمع کرتے رہے ہیں۔

شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت ❁ سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت

(ملک) شام کی شوکت مٹ گئی بغداد کا جاہ و جلال رخصت ہوگیا۔ غرناطہ کی شان و عظمت یاد بھی نہ

رہی۔

اس کے مقابلے میں حضرت حسین کی مضراب ہمارے ساز کے تار اب تک بدستور چھیڑ رہی ہے ان سے نغمے نکل رہے ہیں۔

تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز ۞ تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

اب تک ان کے نعرۂ تکبیر سے ہمارے ایمان تازہ ہوتے ہیں۔

اے صبا اے پیکِ دور افتادگان ۞ اشک ما بر خاک پاکِ او رساں

اے صبا دور پڑے ہوئے لوگوں کے قاصد ہمارے آنسو کا ہدیہ حضرت حسین کے مرقد مقدس پر پہنچا دے۔

(منتخب اشعار کتاب از رموز بخودی)

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کیا ہی خوب فرماتے ہیں:

استقامت پہ فدا ہیں تیری اے دست حسین ☆ نہ گیا ہاتھ میں بے دین کے بیعت کے لئے

کھل گیا اس سے اگر حق پہ نہ ہوتے اصحاب ☆ دست حسین نہ بڑھتا کبھی بیعت کے لئے۔

امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے یزید پلید کی بیعت نہ کی جان دیدی اور خلفائے راشدین کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ کیا معلوم ہوا کہ ان کی نگاہ میں وہ تمام خلافتیں حق تھیں حتی کہ امیر معاویہ کو بھی خلافت دیدی اور جنگ نہ کی نیز تقیہ کی جڑ کٹ گئی کہ کربلا میں اس قدر بے شر سامانی کے باوجود تقیہ نہ کیا کیونکہ تقیہ تو منافقین کرتے ہیں۔ (حاشیہ دیوان سالک ص ۳۵)۔

میدان کربلاء میں مجاہدین نماز کی تلاوت قرآن کی پابندی کرتے رہے لیکن یہ کسی روایت میں نہیں ہے کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو بحالت شہید کیا گیا ہو وہ تو نماز پڑھنے کا وقت بھی نہیں دیتے تھے اور پانی بھی نہیں تھا وضو کیسا کرتے خاک کربلاء خون آلودہ ہو چکی تھی تیمم کیسے کرتے اس لئے

شہادت کے وقت نماز پڑھنے کے متعلق کوئی ایسی روایت نہیں ہے جو قابل اعتماد ہو البتہ واعظین اس قسم کی بے سروپا روایتیں بیان کرتے رہتے ہیں اگر صحیح روایات مل جائیں تو ان کے ماننے میں کوئی تامل کیا جاتا ہے، یہ وقت بڑا آزمائش کا تھا جس میں انہوں نے کامیابی حاصل کی۔

شاعر کہتا ہے

جو دہکتی ریت کے بستر پہ سویا وہ حسین ☆ جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین

جو جواں بیٹے کی میت پہ نہ رویا وہ حسین ☆ جس نے سب کچھ کھو کے بھی کچھ نہ کھویا وہ حسین

مرتبہ اسلام کا جس نے دوبالا کر دیا ☆ خون نے جس کے دو عالم میں اجالا کر دیا

شیر کے مانند جو مقتل میں آیا وہ حسین ☆ جو بہتر زخم کھا کر مسکرایا وہ حسین

راہ حق میں جس نے اپنا سر کٹایا وہ حسین ☆ کربلا میں جس نے اپنا گھر لٹایا وہ حسین

زیر خنجر جس کا سجدہ عظمت اسلام ہے ☆ جس کا ہر تیور رسول پاک کا پیغام ہے

اللہ اللہ راکب دوش پیغمبر وہ حسین ☆ فاطمہ کا نور دیدہ جان حیدر وہ حسین

عظمت واخلاص وقربانی کا پیکر وہ حسین ☆ کربلا کے نمازیوں کا میر لشکر وہ حسین

پرچم تا ابد جس کا اسلامی ہو گیا ☆ زندہ جاوید جس کا نام نامی ہو گیا

دین کی خاطر تھی جسکی زندگانی وہ حسین ☆ کٹ گئی اسلام میں جسکی جوانی وہ حسین

خلد میں کی حق نے جسکی مہمانی وہ حسین ☆ مل گئی جن کو حیات جاودانی وہ حسین

نام نامی جس کا لوح دہر پر مرقوم ہے ☆ فرش سے تا عرش جس کی عظمتوں کی دھوم ہے

(حفیظ جالندھری مرحوم)

دنیا میں بے شمار شہید ہوئے ہیں اور ہوں گے، مگر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت عجیب اور مثل ہے۔ کہ مدینہ منورہ میں یزیدں نے اَرام نہ کرنے دیا۔ بار بار یزید نے اطاعت کا مطالبہ کیا اور کوفیوں نے بار بار اصرار کیا کہ ہمارے پاس آجائیں اَپ مکہ شریف اَگئے تو یہاں بھی وہی خطرہ او پریشانی رہی، اخر کوفیوں کی دعوت پر مجبور ہو کر مکہ سے کوفہ اَئے حرمین کی جدائی، رشتداروں سے دوری، سفر کی صعوبتیں، حضرت خر کی نگرانی برداشت کرتے ہوئے میدان کربلا میں چوبیس دن بعد پہنچے، ادھر ابن زیاد کی اطاعت پر مجبور کیا گیا آپ نے واپس جانے کا ارادہ کیا مگر انہوں نے ڈر سے نہ جانے دیا کہ یہ جہاں بھی جائیں گے یزید کا تخت الٹ دیں گئے۔ اور آپ کو ظلما شہید کر دیا گیا۔ سارے رفقاء اور رشتدار آپ کی اَنکھوں کے سامنے شہید کئے گے اور اخر آپ کا سر اقدس تن سے جدا کر دیا گیا جبکہ آپ کا جسم پاک تلواروں نیزوں اور تیروں کے زخموں سے چور چور ہو گیا تھا اور آپ کے کپڑوں میں سو سے زائد سوراخ تھے۔ یہ دردناک منظر کبھی کسی نے نہ دیکھا ہوگا اور نہ دیکھے گا۔ اس لئے اور شہید ہیں اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) امام المجاہدین، امام الصابرین اور سید الشہداء ہیں۔

شہادت حسینؓ پر ہر دل غمگین اور ہر آنکھ اشکبار:

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: فكل مسلم ينبغي له انه يحزنه قتله رضي الله عنه، فانه من سادات المسلمين، وعلماء الصحابة وابن بنت رسول الله ﷺ التي هي افضل بناته، وقد كان عابدا وشجاعا وسخيا ولكن لا يحسن ما يفعله الشيعة من اظهار الجزع والحزن۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۸ ص ۲۱۰)

چاہیے کہ ہر مسلمان آپ کے شہید ہونے سے غمگین ہو۔ بلاشبہ آپ سادات اور علماء وصحابہ میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے تھے جو آپ کے سب بیٹوں سے افضل تھیں، آپ

عبادت گزار، دلیر اور سخی تھے۔ (آپ کی شہادت کے موقع پر ہر دل غمگین اور ہر آنکھ اشکبار تھی۔ انسان ہی نہیں بلکہ جنات بھی روتے تھے)۔ مگر روافض جس طرح غم و رنج کا اظہار کرتے ہیں وہ اچھا نہیں، ممکن ہے کہ اس غم کا اکثر حصہ ریاء کاری و تصنع اور شہرت پر مبنی ہے۔

حضرت ام فضل کی خواب اور چشمان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشکبار ہونا:

حضرت ام فضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے ایک خواب پریشان دیکھا تو اس حالتِ پریشانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا:
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میں نے آج رات ایک خطرناک خواب دیکھا ہے۔ فرمایا: کیا ہے؟ بولیں: حضور بہت ہی خطرناک ہے۔ فرمایا: وہ کیا ہے؟ بولیں: میں نے دیکھا جیسے کہ آپ کے جسم کا ٹکڑا کٹا اور میری گود میں رکھا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رَأَيْتِ خَيْراً تَلِدُ فَاطِمَةُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ غُلَاماً يَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكِ (مشکوۃ، باب مناقب اہل البیت: ۵۷۲)، تم نے اچھی خواب دیکھی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، میری بیٹی فاطمہ کے گھر بیٹا ہوگا اور وہ بیٹا تمہاری گود میں دیا جائے گا۔ (کیونکہ خاندان کی عورت میں تمہارا ہی رشتہ بڑا ہے اور تم اس لڑکے کی زیادہ بہتر طور پر تربیت کرسکو گی) چنانچہ فاطمہ کے ہاں لڑکا (حسین) پیدا ہوا اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا اس لڑکے کو میری گود میں دیا گیا۔ پھر ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئی اور حسین کو آپ کی گود میں دے کر ذرا دوسری طرف متوجہ ہوگئی اور پھر (++مڑ کر میں نے جو آپ کی طرف نظر اٹھائی) تو کیا دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے انسو جاری ہیں، ام فضل کہتی ہیں میں نے (گھبرا کر) پوچھا: اے اللہ کے نبی، میرے والدہ باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا ہوا (جو رو رہے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (ابھی) میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت (یعنی مسلمانوں ہی میں سے بعض لوگوں کی جماعت) میرے اس بیٹے

کو (نہایت ظالمانہ طریقے سے) عنقریب قتل کردے گی، میں نے (بڑی حیرت کے ساتھ) پوچھا: کیا اس بیٹے کو؟ آپ نے فرمایا، ہاں (اسی بیٹے کو) بلکہ جبرئیل تو میرے پاس اس خاک زمین سے کچھ مٹی بھی لے کر آئے تھے (جہاں میرے اس جگر پارے کا خون بہایا جائے گا) اور وہ مٹی سرخ تھی۔ (مظاہر حق)۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی پیدائش کی بشارت پہلے ہی دی گئی تھی۔ اور بشارت کے ساتھ ہی شہادت کی خبر بھی دے دی گئی تھی۔ جس کا ذکر بہت سی حدیثوں میں آیا ہے۔

حضرت ام فضل حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کی زوجہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچی تھیں اور انہوں نے حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کی پرورش بھی فرمائی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو صدمہ

ام المومنین حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں: جبریل امین علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے اور حسین (رضی اللہ عنہ) میرے ساتھ کہ حسین (رضی اللہ عنہ) رونے لگے، میں نے انہیں چھوڑا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور ان سے قریب ہو گئے، اس پر جبریل علیہ السلام کہنے لگے: یا محمد! کیا آپ حسین (رضی اللہ عنہ) سے محبت کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: ہاں۔ یہ سن کر جبریل علیہ السلام کہنے لگے: آپ کی امت انہیں قتل کر دے گی، اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو زمین کی وہ مٹی دکھا دوں جہاں انہیں قتل کیا جائے گا، چنانچہ انہوں نے آپ کو وہ جگہ دکھا دی، معلوم ہوا کہ اس زمین کا نام کربلا ہے۔ (فضائل الصحابۃ) پھر عرصہ دراز بیت جانے کے بعد یہ واقعہ اسی طرح پیش آیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر برحق اور سچے رسول ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس واقعہ کی خبر وحی کے طریق سے دی تھی۔ (سیر الشہد ا ء ص ۲۴۴)۔ (سیدنا حسین بن علی)

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَخْبَرَنِیْ جِبْرِیْلُ اَنَّ حُسَیْنًا یُقْتَلُ بِشَاطِیِٔ الْاَفْرَاتِ رَوَاہُ اِبْنُ سَعْدٍ مَا ثَبَتَ بِالسَّنَّۃِ (ص ۲۸)۔ کہ مجھ کو جبریل نے خبر دی ہے کہ حسین فرات کے کنارہ پر مارا جائے گا اور اس کو ابن سعد نے روایت کیا۔

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابنی الحسین یقتل بعدی یارض الطف کہ میرا بیٹا حسین طف (کربلا) کی زمین میں میرے بعد شہید کیا جائے گا اور میرے پاس مٹی لائے اور خبر دی مجھ کو اسی جگہ قبر ہو گی گویا میں اس چتکبرے (سیاہ وسفید) کتے کو دیکھتا ہوں میری اہل بیت کے خون میں منہ ڈالکر پیتا ہے (ما ثبت بالسنۃ)۔

حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھنا:

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) بیان کرتے ہیں کہ میں نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوپہر کے وقت غبار آلود بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ ہیں آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے، میں نے کہا: یا رسول اللہ آپ پر میرے باپ اور والدہ فدا ہوں یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ حسین اور اس کے اصحاب کا خون ہے جس کو میں آج دن بھر سے جمع کر رہا ہوں اور یہ وہی دن تھا جس دن ان کو شہید کیا گیا تھا۔ (الاصابۃ ج ۲)

شہداء کربلا کی شان:

حافظ محمد بن سعد وغیرہ نے متعدد اسانید سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ صفین کی طرف جا رہے تھے تو مقام کربلا میں حنظل (اندرائن) کے درختوں کے پاس سے گزرے آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو بتلایا گیا کربلا ہے کرب وبلا ہے پھر سواری سے اتر کر آپ

نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی پھر ارشاد فرمایا: يُقْتَلُ هٰهُنَا شُهَدَاءُ، هُمْ خَيْرُ الشُّهَدَاءِ غَيْرَ الصَّحَابَةِ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، کہ یہاں وہ قتل کئے جائیں گے جو صحابہ کے علاوہ بہترین شہداء ہوں گے اور بلا حساب جنت میں جائیں گے۔(اور یہ فرماتے ہوئے) آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگادی۔ چنانچہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ)اسی جگہ شہید ہوئے (البدایہ والنھایہ)۔

جنوں کی گریزاری:

چنانچہ سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سَمِعْتُ الْجِنَّ يَبْكِيْنَ عَلٰى حُسَيْنٍ میں نے حسین رضی اللہ عنہ کی وفات پر جنوں کو بھی روتے سنا۔اور اُم سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کا بیان ہے کہ سَمِعْتُ الْجِنَّ تَنُوْحُ عَلَى الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (المعجم الکبیر للطبرانی ۳، ۱۳۰) میں نے حسین رضی اللہ عنہ کی وفات پر جنوں کو نوحہ کرتے سنا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ کہ جس رات حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) شہید کئے گئے جنات کو روتے ہوئے سنا گیا اور وہ یہ کہہ رہے تھے:

اَيُّهَا الْقَاتِلُوْنَ ظُلْماً حُسَيْنًا — اَبْشِرُوْا بِالْعَذَابِ وَالتَّنْكِيْلِ

كُلُّ اَهْلِ السَّمَاءِ يَدْعُوْ عَلَيْكُمْ — مِنْ نَّبِيٍّ وَّ مَلَائِكٍ وَّ قَبِيْلِ

قَدْ لُعِنْتُمْ عَلٰى لِسَانِ ابْنِ دَاوٗدَ — وَمُوْسٰى وَحَامِلِ الْاِنْجِيْلِ

(البدایۃ والنھایۃ، ج ۸: ۱۹۸) (ابن اثیر، ج ۳: ۳۰۱)

اے حسین کو قتل کرنے والو! تمہیں عذاب اور سزا کی بشارت ہو۔ تمام اہل آسمان نبی مرسل اور لوگ تمہارے خلاف بددعا کر رہے ہیں۔ تم پر حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور صاحب انجیل علیہ السلام کی زبان سے لعنت کی گئی ہے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے ان اشعار کے

متعلق یوں لکھا ہے، قِیۡلَ: وَسَمِعَ بَعۡضُ اَهۡلِ الۡمَدِیۡنَةِ لَیۡلَةَ قَتۡلِ الۡحُسَیۡنِ مُنَادِیاً یُّنَادِیۡ۔ (ابن اثیر ج ۳:۳۰۱)، کہا گیا ہے کہ اہل مدینہ نے اس رات کو یہ مذکورہ اشعار سنے جس رات حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) شہید کئے گئے تھے۔ایک آواز دینے والا آواز دے رہا تھا۔اور یہ اشعار پڑھ رہا تھا۔وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ۔

سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کوشہید کرنے والے خارجی لوگ تھے

چنانچہ علامہ ابن حجر مکی ھیتمی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں، وَکَانَ اَکۡثَرُ خَارِجِیۡنَ لِقِتَالِهِ الَّذِیۡنَ کَاتَبُوۡا وَبَایَعُوۡاهُ کہ آپ (رضی اللہ عنہ) سے جنگ کرنیوالے زیادہ تر خارجی لوگ تھے جنہوں نے آپ (رضی اللہ عنہ) کوخطوط لکھے اور آپ (رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی تھی۔ پھر جب آپ (رضی اللہ عنہ) ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے وعدہ خلافی کی اور آخرت کے فائدہ پر دنیاوی مفاد کو ترجیح دیتے ہوئے آپ (رضی اللہ عنہ) کے دشمنوں سے جاملے۔ (الصواعق المحرقہ)۔

اھل کوفہ کی بے وفائی کے تین واقعات

کوفیوں کی بے وفائی مشہور اور معروف ہے اور کئی مواقع پر انہوں نے بے وفائی کی تھی۔ چنانچہ امام ابو منصور عبدالقادر بن طاہر بن محمد بغدادیؒ (متوفی ۴۲۹ھ) فرماتے ہیں کہ ان کوفہ والوں کی بے وفائی کے تین واقعات نہایت مشہور ہیں ۔(۱) ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادہ حضرت حسنؓ کی خلافت کی بیعت کی۔ جب وہ حضرت معاویہؓ سے جنگ کے لئے نکلے، تو ان لوگوں نے ساباط مدائن (عراق کا ایک شہر) کے مقام پر ان سے بے وفائی اور عہد شکنی کی اور سنان جعفی نامی ایک کوفی نے ان (حضرت حسن رضی اللہ عنہ) کے پہلو میں نیزہ مارا جس سے وہ اپنے گھوڑے سے نیچے گر پڑے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہؓ سے جو صلح کر لی

اس کا ایک سبب یہی واقعہ تھا۔

(۲) اہل کوفہ نے حضرت حسینؓ کو خطوط لکھ کر یزید بن معاویہ (۶۰۔۶۴) کے خلاف ان کی مدد کرنے کے وعدہ پر کوفہ آنے کی دعوت دی۔ وہ ان لوگوں کے جھانسے میں آ گئے اور ان کے وہاں آنے کے بعد ان کے خلاف (عراق کے اموی گورنر) عبید اللہ بن زیاد (متوفی ۶۷ھ) کے ساتھ مل گئے۔ یہاں تک کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کربلاء میں شہید ہو گئے اور ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ بھی شہید ہو گئے۔

(۳) اہل کوفہ کی تیسری بے وفائی یہ ہے کہ انہوں نے زید بن علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ عہد شکنی کی۔ یہ لوگ ان کے ہمراہ (عراق کے اموی گورنر) یوسف بن عمر ثقفی کے خلاف جنگ کی غرض سے نکلے، مگر ان کی بیعت فسخ کر دی، جنگ کی شدت کے وقت ان کا ساتھ چھوڑ دیا، چنانچہ وہ شہید کئے گئے۔ (الفرق بین الفرق اردو ص ۸۴)

شہادت کی ذمہ داری کس پر ہے

حضرت امام حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کی ذمہ داری کس پر آتی ہے، بعض لوگ یزید کو بری الذمہ قرار دیتے ہیں، حق یہ ہے کہ یزید کو بری الذمہ ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یزید پر بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے لیکن سب سے زیادہ حضرت حسینؓ کی شہادت کی ذمہ داری ابن زیاد اور شمر اور ابن سعد پر عائد ہوتی ہے اور ان میں سے زیادذمہ داری شمر پر ہے کیونکہ جب حضرت حسینؓ نے حالات کا جائزہ لیکر واپس جانے کا ارادہ کیا تو اس نے آپؓ کو واپس نہ جانے دیا اس لئے اس خون ناحق کی ذمہ داری بالعموم سب پر ہے اور بالخصوص شمر ابن زیاد وغیرہ پر ہے۔ ان پر اللہ تعالی کی لعنت ہو کہ جنہوں نے اولاد حضرت فاطمہؓ کا حق نہیں جانا اور ناحق ظلما شہید کر دیا۔ علامہ عبد الرحمن ابن خلدونؒ نے لکھا ہے کہ آپ (حضرت امام حسینؓ) کی شہادت کی ذمہ داری محض یزید اور اسکے ساتھیوں پر

ہے(مقدمہ ابن خلدون)۔

اہل کوفہ کے بلانے اور دعوت پر حضرت حسینؓ کوفہ تشریف لائے، جنگ وجدال کے لئے نہیں بلکہ منکرات کو ختم کرنے کی خاطر ابن زیاد کے خوف سے سب نے حضرت حسینؓ کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا اس لئے آپ کی ذمہ داری اہل کوفہ پر ہے۔

ڈاکٹر علی محمد صلابی لکھتے ہیں کہ اتھام والزام اہل عراق کی جانب متوجہ ہوتا ہے اور وہ قتل حسینؓ کے ذمہ دار ہیں تو یہی بات حضرت ام سلمہؓ (متوفی ۹۲ھ) فرماتی تھیں۔جب حضرت حسین بن علیؓ کی شہادت کی خبر آئی تو فرمایا عراق والوں پر اللہ کی لعنت ہو اور فرمایا انہوں نے حضرت حسین کو شہید کیا۔اللہ انہیں ھلاک کرے۔(معاویہ بن سفیان ص ۴۸۱)۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے اہل عراق کے وفد سے فرمایا تھا جب کہ انہوں نے ابن عمرؓ سے بحالت احرام مچھر مارنے کے بارے میں پوچھا تھا۔انہوں نے کہا، تعجب تم پر کہ اے عراق والو، تَقْتُلُوْنَ اِبْنَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ وَتَسْئَالُوْنَ عَنْ دَمِ الْبَعُوْضِ (مسند احمد)۔

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیٹی کے بیٹے کو قتل کر دیا اور مچھر کے خون کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ کی شہادت ذمہ داری (۱) اہل کوفہ، (۲) شمر (۳) ابن زیاد (۴) اور عمر بن سعد پر عائد ہوتی ہے۔

حسنین کریمین کی شہادت کا فلسفہ:

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا واقعہ شہادت بہت دردناک ہے جو صبر کئے بغیر بیان کرنا بھی مشکل ہے۔مگر اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت تھی۔وہ یہ کہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو مرتبہ شہادت عطا کرنا تھا اس لئے یہ واقعہ پیش آیا۔حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) نے مدینہ شریف سے سفر کا آغاز کیا تو آپ کو بہت سے احباب اور رفقاء نے کوفہ جانے سے منع کیا۔

حضرت محمد بن حنفیہ بن علی (رضی اللہ عنہ)، حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ)، حضرت عبداللہ بن

عباس (رضی اللہ عنہ) ،حضرت ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث (رضی اللہ عنہ) ،حضرت ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہ) ،حضرت واثلہ بن واقد لیثی (رضی اللہ عنہ) ،حضرت مسور بن محرمہ (رضی اللہ عنہ) ،حضرت عبداللہ بن جعفر سب نے بڑے مؤدبانہ،حکیمانہ،محبتانہ،طریقہ سے کوفہ جانے سے روکا کیا مگر سب کوششیں بے سود ثابت ہوئی تھیں۔اللہ تعالی فرماتا ہے:

{... وَكَانَ أَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ...} (سورہ الاحزاب ۳۸:۳۳)، اور اللہ تعالی کا جو نوشتہ تقدیر تھا وہ پورا ہوا۔

اور راستہ میں جس کے ساتھ ملاقات ہوتی اس کی زبان سے یہی بات نکلتی اے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مکہ شریف سے آگے نہ جانا۔پھر مکہ شریف میں تشریف لائے تو کوفیوں کے خطوط آنے لگے اور کوفہ جانے سے بھی روکا۔پھر مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو کربلا تک راستہ میں جو آتے جاتے ملتا وہ واپس چلے جانے ہی کا مشورہ دیتا۔مگر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے کسی کی بات پر عمل نہ کیا۔اور نہ پرواہ کی۔اپنے ارادہ کے مطابق سفر جاری رکھا۔آخر وہی معاملہ ہوا جس سے اقارب واحباب کو خوف تھا۔اور اہل کوفہ نے وہی بدسلوکی کی جوان کی عادت تھی اور درحقیقت یہ اللہ ہی کا فیصلہ تھا جو ہو کر رہا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے؛وَاللهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ یوسف ۲۱:۱۲)۔اور اللہ غالب ہے اپنے ہر کام پر لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

شیخ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حسینؓ اگلے شہداء کرام کے نمونہ تھے کیونکہ بلاشبہ حضرت حسینؓ اور ان کے بھائی حضرت حسنؓ دونوں جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں اور دونوں اماموں کی نشوونما چونکہ اس عہد (زمانہ) میں ہوئی تھی جبکہ اسلام کا غلبہ تھا اس لئے دوسرے بزرگان اہل بیت کی طرح ان دونوں کو ھجرت،جہاد اور راہ خدا میں اذیت پر صبر کرنے کا موقع نہ مل سکا (کیونکہ چھوٹی عمریں تھیں)

جوان حضرات کوملا تھا جوشروع اسلام سے دینی خدمات سرانجام دیتے رہے۔لھذا حق تعالی نے ان دونوں کوبھی مرتبہ شہادت پر فائز فرما کر معزز فرمایا تا کہ ان کے اعزاز وتکریم کی تکمیل ہو اوران کے درجات بلند ہو جائیں حضرت امام حسینؓ کی شہادت بڑی عظیم مصیبت (آزمائش تھی) (مجموعہ فتاوی ج ۴ ص ۵۱۱)۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا قتل (شہید ہونا) بلاشبہ مظلومانہ قتل ہے جوان کے حق ہیں شہادت ،علومنزلت اوررفع درجات ہے اور (راز اس کا یہ ہے کہ) ان کے اوران کے بھائیوں کے لئے کسی نہ کسی طرح کی بلا اور مصیبت سے گزرنا لازم ہوا ہے مگر ان دونوں کو اپنے دوسرے اہل بیت کی طرح سے اس کے مواقع اس لئے حاصل نہ ہوسکے تھے کہ ان کی زندگی اسلام اورعزت وعافیت کی گود میں بسر ہوئی تھی پس ایک حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی وفات (شہادت) زہر خوارنی سے ہوئی اور دوسرے کی (بھائی حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) قتل (شہادت) سے ہوئی تا کہ اس مصیبت (ابتلا وازمائش) کے صلہ میں وہ شہداء کا عیش اور سعداء کی منزلت پاسکیں۔(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۳۲۱)۔

نیز لکھتے ہیں کہ جب حسن حسین دونوں جنتی نوجوانوں کے سردار تھے اور وہ دونوں غلبہ اسلام میں ہجرت کے بعد پیدا ہوئے تھے اوران دونوں کووہ تکلیفیں اور بلائیں نہیں پہنچی تھیں جوان دونوں کے پہلوں کوپہنچیں تھیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کوعزت دی ابتلا اور آزمائش سے تا کہ وہ دونوں بلند درجے پالیں۔اور یہ ان دونوں کے لئے بزرگی سے ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عثمان، حضرت عمر اوران کے علاوہ حضرات کوشہادت سے عزت عطافرمائی۔(مجموعۃ الفتاویٰ)

حافظ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت حسین بن علیؓ کودسویں محرم ایک ظالم باغی ٹولے نے شہید کیا

اور اللہ تعالی نے حضرت حسینؓ کو شہادت سے عزت دی جیسا کہ شہادت کے ساتھ ان کو عزت دی جو ان کے اہل بیت سے تھے۔ حضرت حمزہؓ، حضرت جعفرؓ اور آپ کے والد گرامی حضرت علیؓ اور ان کے علاوہ حضرات کو منصب شہادت سے نوازا تھا۔ اور آپ کی شہادت ان باتوں سے جن کے ساتھ اللہ تعالی نے اپنے مقام و مرتبہ اور درجہ کو بہت بلند کیا تو آپ اور آپ کے بھائی دونوں کو جنت کے نوجوانوں کا سردار بنا دیا اور مرتبہ عالیہ تو آزمائش و امتحان سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں اور جب حسن اور حسین دونوں اہل جنت کے سردار ہیں اور دونوں غلبہ اسلام کے زمانہ میں ہجرت کے بعد پیدا ہوئے اور وہ اذیتیں اور بلائیں (تکلیفیں) ان دونوں کو نہیں پہنچی تھیں جو ان سے پہلوں کو پہنچی تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ان باتوں کے ساتھ عزت دی جن کے ساتھ ان دونوں کو بلاؤں (اور مصیبتوں سے) آزمانے کے ساتھ عزت دی تا کہ ان دونوں کے درجے و مرتبے بلند ہوں اور یہ ان کی بزرگی کی دلیل ہے اس کے نزدیک توہین کی باتوں سے نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حمزہ، حضرت علی، حضرت جعفر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم وغیر کو شہادت کے ذریعہ عزت دی۔ (فتاوی ابن تیمیہ، مجموعۃ الفتاوی ج ۲۷ ص ۴۵۰)

ان حوالا جات کو پیش کرنے کا مقصد یہی بتانا ہے کہ حسنین کریمین دونوں کے شہید ہونے کی حکمت کیا تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ان کو بلند ترین درجے دیئے جائیں۔ اس لئے ان کو ابتلاء و آزمائش میں ڈالا گیا۔

آٹھواں باب: شہادت کے بعد کے واقعات

حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) جب شہید ہوئے تو آپ کے جسم اقدس پر تلواروں نیزوں اور تیروں کے ایک سو بیس زخم ائے تھے (نور العین فی مشہد الحسین)۔

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) اور دیگر اہل بیت کے قتل سے فارغ ہو کر یہ ظالم علی اصغر حضرت زین العابدین کی طرف متوجہ ہوئے، شمر نے ان کو بھی قتل کرنا چاہا، حمید بن مسلم نے کہا سبحان اللہ تم بچہ کو

قتل کرتے ہو اور جب کہ وہ مریض بھی ہے، شمر نے چھوڑ دیا، عمر بن سعد نے کہا کہ ان عورتوں کے خیمہ کے پاس کوئی نہ جائے اور اس مریض بچہ سے کوئی تعرض نہ کرے۔ (شہید کربلا)۔

اللہ تعالیٰ نے شمر کی شر سے محفوظ رکھا کیونکہ حق تعالیٰ نے اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلہ قیامت تک باقی رکھنا تھا۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَجَاءَ عُمَرُ بْنُ سَعْدٍ فَقَالَ اَلَا لَا یَدْخُلَنَّ عَلٰی هٰذِهِ النِّسْوَةِ اَحَدٌ وَلَا یَقْتُلُ هٰذَا الْغُلَامَ اَحَدٌ وَ مَنْ اَخَذَ مِنْ مَتَاعِهِمْ شَیْئًا فَلْیَرُدَّهٗ عَلَیْهِمْ قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا رَدَّ اَحَدٌ شَیْئًا فَقَالَ لَهٗ عَلِیُّ ابْنُ الْحُسَیْنِ جَزَیْتَ خَیْرًا فَقَدْ دَفَعَ اللّٰهُ عَنِّیْ بِمَقَالَتِكَ شَرًّا (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۹۶)، عمر بن سعد آیا اور اس نے کہا، خبردار ہرگز نہ کوئی آدمی داخل ہو ان عورتوں پر اور نہ کوئی اس نوجوان کو قتل کرے، اور اگر کسی نے ان سے کچھ سامان چھینا ہے تو وہ واپس کرے تو حضرت علی بن حسین (رضی اللہ عنہ) نے کہا، اللہ تعالی نے مجھ سے شر کو دور کر دیا ہے تیرے اس بیان سے۔ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت دسویں محرم ۶۱ ھ کو جمعہ کے دن بعد زوال مقام کربلا میں ہوئی اور آپ کو سنان ابن انس نخعی نے یا شمر ذی الجوشن نے شہید کیا۔ خولہ بن یزید اصحی نے آپ کا سر تن شریف سے جدا کیا۔ پھر اسی خولہ نے عبید اللہ بن زیاد کے پاس سر اقدس کو لے جا کر انعام مانگا۔ حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ آپ (رضی اللہ عنہ) کے خاندان کے یعنی اولاد، بھائی اور بھتیجے تئیس (۲۳) اشخاص شہید ہوئے۔ آپ (رضی اللہ عنہ) شہادت کے وقت اٹھاون سال کے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸:۱۸۹)۔

لشکر حسینی کی تعداد:

لشکر حسینی کے سسبارہ میں مختلف دس روایتیں ہیں۔ (۱) تعداد ۷۲ (۲) تعداد ۷۳ (۳) تعداد ۷۵

(۴) تعداد ۷۷ (۵) تعداد ۸۲ (۶) تعداد ۱۰۶ (۷) تعداد ۱۱۴ (۸) تعداد ۱۲۰ (۹) تعداد ۱۴۰ (۱۰) تعداد ۱۷۰ (۱۱) تعداد ۹۴۔ مؤرخ امامیہ ڈاکٹر لبیب بیضوی لکھتے ہیں

وبالخلاصة فان عداد الانصار الكلى كان ۱۴۰ رجلا منهم ۲۸ من آهل البيت و ۸۲ من الاصحاب، حوالى ۳۰ من الموالى (موسوعة ج ۲ ص ۲۴ اور کتاب اوراق غم کے ص ۳۹۰ پر تعداد ۹۴ مذکور ہے۔ شہادت نواسہ سید الابرار میں ہے حضرت امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کے ارشاد کے مطابق لشکر حسینی کی تعداد ایک سو پینتالیس (۱۴۵) تھی۔

شھداء کربلاء کی تعداد

م ابوجعفر محمد بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں: شہداء ھاشمی کی تعداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان شہید ہونے والوں میں (۱) حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنھا ہیں ان کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عھا دختر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ سنانی بن انس نے اپ کو قتل کیا اور خولی بن یزید کا سر لے کر آیا۔

(۲) اور عباس بن علی رضی اللہ عنہ ان کی والدہ ام البنین ہیں آپ کو زید بن رقا وجھنی اور حکیم بن طفیل سنبسی نے قتل کیا۔

(۳) اور جعفر بن علی رضی اللہ عنہ ان کی والدہ بھی ام البنین ہیں

(۴) اور عبد اللہ بن علی رضی اللہ عنہ ان کی والدہ بھی ام البنین ہیں

(۵) اور عثمان بن علی رضی اللہ عنہ ان کی والدہ بھی ام البنین ہیں۔ خولی بن یزید نے تیر مار کر انکو قتل کیا

(۶) اور محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کی والدہ کنیز تھیں ان کو قبلیہ بنی ابان کے ایک شخص نے قتل کیا

(۷) اور ابوبکر بن علی ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کی والدہ لیلی بنت ابو مرہ ہیں یہ میمونہ بنت ابوسفیان

بن حرب کی بیٹی ہیں ان کو مرہ بن مقتد عبدی نے قتل کیا

(۸) اور عبداللہ بن حسین رضی اللہ عنہ ان کی والدہ رباب بنت امروالقیس ہیں۔ ان کو ہانی بن (۹) ذبیب حضری نے قتل کیا اور علی بن حسین رضی االلہ عنہ کم سن سمجھے گئے قتل سے بچ گے

(۱۰) اور ابوبکر بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھا ان کی والدہ ایک کنیز تھیں ان کو عبداللہ بن عقبہ غنوی نے قتل کیا

(۱۱) اور عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ ان کی والدہ بھی کنیز تھیں۔ ان کو حرملہ بن کاہن نے تیر مار کر قتل کیا

(۱۲) اور قاسم بن حسن رضی اللہ عنہ ان کی والدہ بھی کنیز تھیں۔ ان کو سعد بن عمرو بن نفیل ازدی نے قتل کیا

(۱۳) اور عون بن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہا ان کی والدہ جمانہ بنت مسیب تھیں۔ ان کو عبداللہ بن قُطبہ نبہانی نے قتل کیا۔

(۱۴) اور محمد بن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ان کی والدہ خوصاء بنت خصفہ تھیں ان کو عامر بن نہشل تیمی نے قتل کیا

(۱۵) اور جعفر بن عقیل رضی اللہ عنہ ان کی والدہ ام البنین بنت شقر تھیں ان کو بشر بن رحوط ہمدانی نے قتل کیا

(۱۶) اور عبدالرحمن بن بن عقیل رضی اللہ عنہ ان کی والدہ کنیز تھیں۔ عثمان بن خالد جہنی نے قتل کیا۔ ان کو عبداللہ بن عقیل بن ابی طالب اور اس کی والدہ کنیز عمرو بن صبیح صداءی نے تیر مار کر قتل کیا

(۱۷) اور مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ان کا والدہ بھی کنیز تھیں ے ہ کوفہ میں قتل ہوئے

(۱۸) اور عبداللہ بن مسلم ان کی والدہ رقیہ بنت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھیں رقیہ کی والدہ کنیز تھیں۔ ان کو بھی عمرو بن صبیح صداءی نے قتل کیا بعض کہتے ہیں اسید بن مالک حضرمی نے انہیں قتل

کیا۔

(۱۹)اور محمد بن ابی سعید بن عقیل رضی اللہ عنہ ان کی والدہ کنیز تھیں ان کو لقیط بن یاسر جھنی نے قتل کیا

(۲۰)حسن بن حسن رضی اللہ عنہ کم سن سمجھے گئے۔ان کی والدہ خولہ بنت منظور فزاری تھیں

(۲۱)اور عمرو بن حسن رضی اللہ عنہ بھی کم سن سمجھے گے ان کی والدہ کنیز تھیں۔ یہ دونوں صاحبزادے قتل سے بچ گے۔

(۲۲)حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے-ازاد غلاموں میں سے سلیمان بھی قتل ہوئے۔ان کو سلیمان بن عوف حضرمی نے قتل کیا۔اور مُنَجِح بھی دوسرے شخص ہیں یہ بھی آپ کے ساتھ قتل ہوئے۔(تاریخ طبری ج۶ ص ۲۵۵)۔(الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۴۴۲)

ابوالفداء الحافظ ابن کثیر الدمشقی متوفی ۷۴ے ھ لکھتے ہیں کہ حضرت محمد بن حنفیہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ۱۷ اشخاص شہید ہوئے جو سب کے سب اولاد حضرت فاطمہؓ سے تھے۔

اور حضرت حسن بصری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ ۱۶ آدمی شہید ہوئے جو سب کے سب اہل بیت میں سے تھے۔ ان دنوں میں روئے زمین پر ان کا کوئی مثیل نہ تھا۔(سعادت الکونین فی فضائل الحسنین ص ۲۵۶) بحوالہ الاستیاب۔اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ آپ کے صاحبزادوں، بھائیوں اور اہل بیت میں سے ۲۳ آدمی شہید ہوئے تھے۔

حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے چھ صاحبزادے

(۱)حضرت جعفر بن علی، (۲)حضرت حسین بن علی، (۳)حضرت عباس بن علی

(۴)حضرت محمد بن علی، (۵)حضرت عثمان بن علی، (۶)حضرت ابوبکر بن علی

حضرت عمر بن علی۔ (رضی اللہ عنہم)۔اور ایک ساتویں صاحبزادے کا ذکر ہے، اس کا نام عمر ہے۔
اور حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادوں میں سے حضرت علی اکبر اور حضرت عبداللہ
شہید ہوئے تھے۔
حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے تیسرے صاحبزادے کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے
ان کا نام علی اصغر لکھا ہے اور بعض نے عبداللہ۔ جیسا کہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی اولاد
کے ذکر میں آیا ہے۔
حضرت سیدنا حسن بن علی (رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادے، (۱) حضرت قاسم (رضی اللہ عنہ) (۲)
حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) (۳) حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ)
حضرت عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادوں میں حضرت عون (عوف) اور حضرت محمد
رَضِیَ اللہُ عَنۡھُمَا شہید ہوئے تھے۔ یہ دونوں حضرت زینبؓ دختر علی بن ابی طالبؓ کے بیٹے تھے۔
حضرت عقیل (رضی اللہ عنہ) کے صاحبزادوں میں سے
(۱) حضرت جعفر (رضی اللہ عنہ) (۲) حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) اور (۳) حضرت عبدالرحمن
(رضی اللہ عنہ) شہید ہوئے۔ (۴) حضرت مسلم (رضی اللہ عنہ) تو پہلے ہی شہید کر دیئے گئے
تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل اور حضرت محمد بن ابی سعید بن عقیل (رضی اللہ عنہ) بھی
شہید ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ یقطر (بقطر) (رضی اللہ عنہ) جو آپ کے رضائی بھائی تھے۔ اور
یہ پہلے ہی شہید کر دیئے گئے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۸، ص ۱۹۶)
حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) کے چار صاحبزادے، (۱) حضرت قاسم (رضی اللہ عنہ) (۲)
حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) (۳) (۴) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) (۵) حضرت ابوبکر (رضی اللہ
عنہ) فتاویٰ عزیزی کے ص ۲۶۳ پر لکھا ہے کہ حضرت مسلم کے صاحبزادے حضرت محمد اور حضرت

ابراہیم کہ یہ بھی اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔طبری ابن اثیر، البدایۃ والنہایۃ وغیرہ میں ان کا ذکر نہیں ہے)۔مگر بعض کتب میں ذکر آیا ہے۔اس لئے معلومات کے لئے سب روایات تحریر کی گئیں ہیں۔قارئین کرام کو جن روایات پر زیادہ اعتماد ہو تو وہ ان پر یقین کر لیں یہ کوئی عقیدہ کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ تاریخی واقعہ ہے۔اما کتب امامیہ میں لکھا ہے کہ میدان کربلاء شہید ہونے والوں میں۔ابوبکر بن علی بن ابی طالب، عمر بن علی بن ابی طالب، عثمان بن علی بن ابی طالب، ابوبکر بن حسن بن علی بن ابی طالب، عمر بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنھم ۔ یہ وہ افراد ہے جن کے نام خلفاء ثلاثہ کے ناموں پر تھے۔امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی کو دیکھ لیجیے جنہوں نے حضرات خلفائے راشدین ثلاثہ کی محبت اور اس نیک امید پر اپنی اولاد کے نام ان حضرات کے ناموں پر رکھے تا کہ انہیں بھی ان پاکیزہ ہستیوں کی طرح رشد و ہدایت نصیب ہو۔ یہ امر خوف خدا رکھنے والے ہر شخص سے اس بات کا مطالبہ کرتا ہے وہ اس بات کا پختہ اور مستحکم عقیدہ رکھے کہ ال بیت اطھار رضی اللہ عنھم حضرات خلفائے راشدین کے دشمنوں اور ان سے کینہ رکھنے والے دشمنوں سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔(سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما ڈاکٹر حامد محمد الخلیفہ)۔مگر بعض متعصب دشمن صحابہ ان شخصیات کا ذکر نہیں کرتے افسوس ہے۔

شہداء کربلا کی تدفین:

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) اور ان کے رفقاء و احباب کی شہادت کے بعد ایک روایت کے مطابق دوسرے یا تیسرے دن غافریہ (یا غاضریہ) گاؤں کے لوگوں نے میدان کربلا میں آ کر سب شہداء کو دفن کیا تھا۔مؤرخ ابومخنف لوط بن یحییٰ متوفی ۱۵۷ھ لکھتے ہیں فَقُتِلَ مِنۡ اَصۡحَابِ الۡحُسَیۡنِ اِثۡنَانِ وَسَبۡعُوۡنَ رَجُلًا وَّدَفَنَ الۡحُسَیۡنَ وَاَصۡحَابَہٗ اَھۡلُ الۡغَاضِرِیَّۃِ مِنۡ بَنِیۡ اَسَدٍ بَعۡدَ مَا قُتِلُوۡا بِیَوۡمٍ وَقُتِلَ مِنۡ اَصۡحَابِ عُمَرِ بۡنِ سَعۡدٍ ثَمَانِیَّۃِ

وَثَمَانُوْنَ رَجُلًا سِوَی الْجُرْحٰی فَصَلّٰی عَلَیْهِمْ عُمَرُبْنِ سَعْدٍ وَدَفَنَهُمْ (مقتل الحسین ص ۲۰۲)۔ حضرت حسین کے ساتھیوں میں سے بہتر مرد شہید کئے گئے اور حضرت حسین اور ان کے ساتھیوں کو غاضریہ والوں نے دفن کیا۔ بنی اسد سے شہید ہونے کے ایک دن بعد (ان پر نماز بھی ضرور پڑی ہوگی)۔ اور عمر بن سعد کی جماعت کے اٹھاسی مرد قتل کئے گئے تھے۔ اور ان پر عمر بن سعد نے نماز پڑھی اور انہیں دفن کیا۔

ابوالحسن علی ابن اثیر الجزری متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں: وَكَانَ عِدَّةُ مَنْ قُتِلَ مِنْ اَصْحَابِ الْحُسَيْنِ اِثْنَيْنِ وَسَبْعِيْنَ رَجُلًا وَ دَفَنَ الْحُسَيْنَ وَاَصْحَابَهٗ اَهْلُ الْغَاضِرِيَّةِ مِنْ بَنِيْ اَسَدٍ بَعْدَ قَتْلِهِمْ بِيَوْمٍ (الکامل التاریخ ج ۳ ص ۲۹۶)، اور امام حسین کے لشکر کے شہداء کی تعداد ۷۲ تھی۔ اور امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کو اہل غاضریہ نے ایک دن بعد دفن کیا تھا۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: وَقُتِلَ مِنْ اَصْحَابِ الْحُسَيْنِ اِثْنَانِ وَّ سَبْعُوْنَ نُفُوْسًا، دَفَنَهُمْ اَهْلُ الْغَاضِرِيَّةِ مِنْ بَنِيْ اَسَدٍ بَعْدَ مَا قُتِلُوْا بِيَوْمٍ وَاحِدٍ (البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۱۹۶)

غاضریہ کوفہ کے نواح میں کربلا کے ایک گاؤں کا نام ہے جو قبیلہ بنی اسد کا مسکن تھا۔

علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مختصر یہ کہ سیدوں کا لٹا ہوا کارواں (شام سے) روانہ ہوکر کربلا آیا۔ یہاں آ کر تمام لاشیں دیکھیں تو اسی طرح بے گور و کفن پڑی تھیں۔ امامؓ (زین العابدین) نے یہاں آ کر قیام فرمایا اور معہ سرہائے شہداء سب کو دفن کیا۔ ۲۰ صفر المظفر کو کربلا پہنچ کر لاشہ ہائے شہیدان صبر و رضا مدفون کئے گئے۔ مگر اس ایک ماہ دس دن کی مدت میں لاشوں کا کچھ نہ بگڑا بلکہ وہی زخموں سے خون کے فوارے جاری تھے۔ حالانکہ شدید گرمی کا موسم تھا۔ سُبْحَانَ اللهِ صَدَقَ اللهُ۔ رَبُّ الْعَرْشِ الْعُلٰی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ،(اوراق غم ،ص ۵۳۳)۔(بلند عرش کے مالک اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا)۔اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں۔

علامہ محمد بن سعد لکھتے ہیں ذکوان ابو حامد راوی نے کہا کہ میں نے کہا میرے اور ان سروں کے درمیان سے دور ہو جاؤ۔ میں ان کو دفن کر دوں گا،تو ایسا ہی کیا گیا کہ میں نے ان کو کفن پہنا دیا۔ پھر ان کو کپڑے دھونے والے ٹپ میں دفن کیا اور وہ سوار ہو کر ان کے جسموں کی طرف چلا گیا تو ان کو کفن دیا اور ان کو دفن کر دیا۔اور زہیر بن قین رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ شہید ہو گے تھے تو ان کی زوجہ نے کہا اپنے غلام کو جن کا نام شجرہ تھا کہ جاؤ اور اپنے آقا زہیر بن قین کو کفن دو، میں گیا تو حضرت حسین کو میدان پڑا ہوا دیکھا میں نے دل میں کہا کیا اپنے آقا کو کفن دوں ،اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو چھوڑ دوں تو میں نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو کفن دیا پھر میں واپس آ گیا۔تو میں نے اس بات کا ذکر اپنی مالکہ سے کیا تو اس نے کہا تو نے اچھا کیا پھر اس نے مجھے دوسرا کفن دیا اور کہا جاؤ اپنے مولا کو کفن دو تو میں نے ایسے ہی کیا (طبقات الکبری)۔جو راہ خدا میں شہید ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی خود حفاظت فرماتا ہے۔

ڈاکٹر شفیق سامرائی (روافضی) لکھتے ہیں کہ حضرت حسین حضرت عباس اور حضرت جعفر (رضی اللہ عنہم) کے سروں کو کاٹ لیا گیا تھا اور یزید کے پاس بھیجا گیا تھا باقی شہدا کے سر ان کے جسموں کے ساتھ ہی رہے تھے۔اور حضرت زینب نے ان کو واپس لا کر جسموں کے ساتھ دفن کر دیا تھا (الحسین بن علی وسیرتہ وجہادہ ص ۱۶۴ ،ص ۱۶۶)۔خیال رہے شہیدوں کے سروں کو کاٹ کر لے جانا اور بازاروں میں لے کر پھیرنا دمشق میں یزید کے پاس لے جانا اس بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے،بس تاریخی ہی روایتیں ہیں جو انتہائی کمزور ہیں۔

حضرت سیدنا حسین کے سر مبارک کو کہاں دفن کیا گیا:

سر اقدس کی تدفین کے بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر اقدس کو کہاں دفن کیا گیا اس میں چند قول ہیں: (۱) حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا سر بھی جسد اطہر کے ساتھ ہی دفن ہوا ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں امامیہ حضرات کا موقف یہ ہے کہ حضرت امام حسینؓ کا سر مبارک چالیس دن کے بعد کربلا واپس لوٹا دیا گیا تھا اور اس کو جسم کے ساتھ ملا دیا گیا تھا اور اسی مناسبت سے امامیہ کے نزدیک یہ دن زیارت چہلم کے نام سے مشہور ہے اور باقی یہ قول کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کا سر مبارک قاہرہ یا مشہد عسقلان میں ہے یہ باطل ہے درست اور ثابت نہیں ہے (تذکرہ ج ۲ ص ۲۸۲)

(۲) یزید نے سر حسین (رضی اللہ عنہ) کو نائب مدینہ عمرو بن سعید کو بھجوا دیا اور اس نے آپ (رضی اللہ عنہ) کی والدہ کے پاس بقیع میں دفن کر دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۸: ۲۰۴)

امام حافظ ابو عبد اللہ محمد بن احمد الذہبی (متوفی ۷۴۸ھ) فرماتے ہیں: **ثُمَّ بَعَثَ يَزِيْدُ بِرَأْسِ الْحُسَيْنِ إِلٰى عَامِلِهٖ عَلَى الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ وَدِدْتُّ أَنَّهٗ لَمْ يُبْعَثْ بِهٖ إِلَيَّ ثُمَّ أَمَرَ بِهٖ فَدُفِنَ بِالْبَقِيْعِ عِنْدَ قَبْرِ أُمِّهٖ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا** ۔ (تاریخ اسلام للذھبی)، یزید نے سر حسینؓ کو نائب مدینہ عمرو بن سعید کو بھجوا دیا، اور اس نے کہا میں چاہتا تھا کہ اس کو میری طرف نہ بھیجا جاتا پھر اس نے حکم دیا اور اس کو آپؓ کی والدہ کے پاس بقیع میں دفن کر دیا گیا۔

ان دو روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کے سر پاک کو حضرت فاطمۃ زہراء **رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا** کے پاس دفن کیا گیا تھا۔

امام قرطبیؒ (متوفی ۶۷۱ھ) کہ سر اقدس حسینؓ کو مدینہ منورہ بھیجد یا تھا: **ثُمَّ أَمَرَ عَمْرُو بْنُ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ بِرَأْسِ حُسَيْنٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ كُفِّنَ وَ دُفِنَ بِالْبَقِيْعِ عِنْدَ**

قَبْرِ اُمِّہٖ فَاطِمَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہَا ھٰذَا اَصَحُّ مَا قِیْلَ فِیْ ذَالِکَ (التزکرہ ج ۲ ص ۲۸۲)۔
پھر عمر بن سعید بن عاص کے حکم کے مطابق کفن میں لپیٹ کر سر مبارک کو جنت البقیع میں اپنی والدہ حضرت سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی قبر انور کے پاس دفنا دیا گیا اور یہ قول زیادہ درست ہے۔
حافظ ابوالعلاء الھمد انی نے ذکر کیا ہے کہ یزید بن معاویہ نے آپ کا سر مبارک مدینہ منورہ میں بھیج دیا تھا، پھر مدینہ کے عامل عمرو بن سعید بن العاص نے اس کو کفن پہنایا اور اس کو البقیع میں ان کی والدہ کی قبر کے پاس دفن کر دیا اور یہ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ صحیح قول ہے اور یہ الزبیر بن بکار کا قول ہے اور وہ سنت کے سب زیادہ عالم تھے اور اس مسئلہ میں سب سے افضل عالم تھے علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ آپ کا سر مبارک عسقلان میں یا القاہرہ میں دفن ہے یہ باطل ہے قطعا ثابت نہیں ہے۔(فیض القدیر ج ا ص ۲۶۵)

(۳) آپ کا سر ہمیشہ یزید کے خزانہ میں رہا تھا حتی کہ وہ مر گیا تو اس کے خزانہ سے لے کر کفن دیا گیا اور دمشق شہر کے باب الفرادیس کے اندر دفن کر دیا گیا اور وہاں ایک مسجد الرأس کے نام سے بھی مشہور تھی۔

(۴) دمشق میں سر کو تین روز تک نصب کیا گیا پھر اسے اسلحہ خانے میں رکھ دیا گیا۔حتی کہ سلیمان بن عبد الملک کا زمانہ آ گیا۔سر مبارک اس کے پاس لایا گیا اور وہ سفید ہڈیاں (مبارک) ہی رہ گیا تھا تو اس نے اسے کفن دیا اور خوشبو لگائی اور اس پر نماز پڑھی اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ اور جب بنو عباس آئے تو انہوں نے اسے کھود کر نکالا اور اسے اپنے ساتھ لے گئے۔ (کہاں لے گئے کچھ معلوم نہیں ہے)

(۵) اور فاطمیوں نے تقریبا ۴۰۰ھ سے لے کر ۶۶۰ھ کے بعد تک دیار مصر پر قبضہ کئے رکھا اور دعوی کیا ہے کہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا سر دیار مصر میں پہنچا اور انہوں نے اسے دفن

کیااوراس پر ۵۰۰ھ میں ایک مزار بنایا جواس کے نام سے مشہور ہے۔ کئی اہل علم ائمہ نے بیان کیا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس سے ان کا مقصد نسب شریف کے دعوی کے بطلان کو چھپانا ہے اور وہ اس میں جھوٹے اور خائن ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۸: ۲۰۴)۔

مگر دوسرے سروں کے بارے میں مزید تفصیل نہیں مل سکی۔ البتہ بعض کہتے ہیں کہ شہداء کے چودہ سر دمشق کے پرانے قبرستان میں باب صغیر میں دفن کئے گئے تھے۔ جس کی تفصیل کتاب شہادت نواسہ سیدالابرار ص ۸۵۰ بحوالہ تاریخ کربلا میں مذکور ہے۔

لشکر حسینی کے زندہ بچ جانے والوں کی تعداد

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد جو افراد زندہ بچ گئے تھے ان میں (۱) حسن بن حسن (۲) عمرو بن حسن (۳) امام زین العابدین بیماری کی وجہ سے چھوڑ دیئے گئے۔ چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ میدان کربلا میں عبداللہ بن حسین شہید ہوئے جو ۹ ماہ کے تھے۔ علی اصغر بن حسین (رضی اللہ عنہما) زندہ بچ گے تھے جن کا لقب زین العابدین ہے ان ہی کو علی اوسط، علی اصغر بھی کہتے ہیں

حمید بن مسلم کہتا ہے اِنۡتَحَیۡتُ اِلَی عَلِیِ ابۡنِ الۡحَسَنِ بِنۡ عَلِیِ الۡاَصۡغَرِ وَھُوَ مُنۡبَسَطٌ عَلٰی فِرَاشٍ لَہٗ (طبری ج ۶ ص ۲۴۶) کہ میں علی اصغر بن حسین (رضی اللہ عنہما) کے پاس پہنچا وہ فرش پر لیٹے ہوئے تھے اور وہ بیمار تھے شمر مارنا چاہتا تھا تو عمر بن سعد نے کہا اس بیمار لڑکے سے کوئی تعرض نہ کریں۔ اور کچھ بچے شیر خوار بھی کی وجہ سے بچ گے تھے۔ (سیر الصحابہ) (۴) مرقع بن ثمامہ اسدی، (۵) اور عقبہ بن سمعان۔ یہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی زوجہ حضرت رباب بنت امرئ القیس کلبیہ کے آزاد کردہ غلام تھے تو ان کے سپرد آپ کے گھوڑوں کی خدمت تھی اور آپ کی خدمت میں عندالضرورت پیش کرتے تھے۔ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) شہید کئے گئے اور

یہ ایک گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگے تو اہل کوفہ نے پکڑ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ رباب بنت امراء القیسؓ زوجہ محترمہ حضرت امام حسینؓ کے غلام ہیں تو ان کو چھوڑ دیا۔ (حاشیہ مقتل حسین ص ۱۳ وغیرہ کتب)
حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد عمر بن سعد نے عقبہ بن سمعانُ کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا میں ایک غلام ہوں۔ عمر بن سعد نے یہ سن کر چھوڑ دیا (البدایہ والنھایہ، ج ۸ ص ۱۹۶)۔

مرقع (مرفع) بن ثمامہ یوں جانبر ہوئے کہ اثناء جنگ میں جبکہ یہ لڑ رہے تھے ان کے بدن پر تیر کے کئی پھل چبھوئے گئے تھے۔ جب ان کی قوم کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ عمر بن سعد کی اجازت سے انہیں اٹھا کر لے گئے۔ علاج معالجہ کیا گیا تو بعد میں اچھے ہو گئے (تاریخ طبری،)۔

قافلہ حسینی کا کربلا سے کوفہ کا سفر:

عمرو ابن سعد کے حکم سے دوسرے دن خاندان اہل بیت کا غمزدہ قافلہ اونٹوں پر سوار ہو کر میدان کربلا سے کوفہ کی جانب روانہ ہوا اور جب مقتل کے قریب سے گذرا تو غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے راستہ میں رات بسر کی پھر صبح بازار کوفہ سے ہوتے ہوئے ابن زیاد کے پاس پہنچ گے۔

مؤرخ ابو حنیفہ دینوری لکھتے ہیں وَاَمَرَ عُمَرُ ابْنُ سَعْدٍ بِحَمْلِ نِسَآءِ الْحُسَيْنِ وَاَخَوَاتِهٖ وَبَنَاتِهٖ وَجوارِيْهٖ وَحَشَمِهٖ فِى الْمَحَامَلِ الْمُسْتُورَةِ عَلَى الْاِبِلْ (الاخبار الطوال ص ۱۲۷۰)، کہ عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی بیبیوں، بہنوں، بیٹیوں کنیزوں اور خاندان کی عورتوں کو پردہ دار محملوں (کجاوں) میں انٹوں پر سوار کر کے لیجایا جائے۔ اوران کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت امام زین العابدین علی اوسط (علی اصغر)۔

(۲) حضرت عمر بن حسین بن علی بن ابی طالب، حضرت امام کے فرزند۔ (بعض نے

حضرت عمرو بن حسن لکھا ہے جو درست نہیں معلوم ہوتا)

(۳) حضرت محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب (بھتیجے)

(۴) حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنھا

(۵) حضرت فاطمہ زہراء وام کلثوم بنت علی بن ابی طالب (حضرت حسین کی بہنیں)

(۶) حضرت فاطمہ زہراء وسکینہ بنت حسین علی رضی اللہ تعالی عنہما

(۸) حضرت غزالہ (شہر بانو) بنت یزد جرد بن شہریار جوشاہ فارس کسری کی پوتی تھیں ۔(زوجہ حضرت حسین کی زوجہ محترمہ)

(۹) حضرت رباب بنت امراء القیس بن عدی (زوجہ حضرت حسین)۔(شام کربلا ۲۴۴)۔

ام محمد بنت حسن بن علی بن ابی طالب زوجہ علی اکبر بن حسین بن علی ۔(الحسین بن علی ص ۱۴۴)

حضرت حسین رضی اللہ عنہا کی شہادت کے بعد ابن زیاد نے حکم دیا کہ آج آپ کا سر خولی بن یزید اصبحی کے ہاتھ ابن زیاد کے پاس لے جایا جائے اور جب وہ محل تک پہچا تو اس نے اسے بند پایا، اور وہ اسے واپس گھر لے آیا اور اسے کپڑے دھونے والے ٹب کے نیچے رکھدیا اور اپنی بیوی نوار بنت مالک سے کہنے لگا تمہارے پاس زمانہ کا معزز لایا ہوں اس نے پوچھا وہ کیا ہے اس نے کہا حضرت حسین کا سر، وہ کہنے لگی کہ لوگ سونا اور چاندی لاتے ہیں اور تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے کا سر مبارک لایا ہے، اللہ کی قسم میں اور تو بستر میں کبھی اکھٹے نہیں ہونگے پھر وہ بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے اپنی دوسری بیوی کو جو بنی اسعد سے تھی بلایا اور وہ اسکے پاس سوئی اور دوسری اسدی بیوی نے کہا خدا کی قسم میں نے اس ٹب سے نور کو مسلسل آسمان کی طرف بلند ہوتے اور سفید پرندے کو

اسکے ارد گرد پھڑ پھڑاتے دیکھ رہی ہوں اور جب صبح ہوئی تو وہ اسے ابن زیاد کے پاس لے گیا اور اسے اسکے سامنے رکھ دیا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۱۹۷)

ابن زیاد بدنہاد کی استہزا اور گستاخی:

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں اُتِیَ عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنِ زِیَادٍ بِرَاْسِ الْحُسَیْنِ فَجَعَلَ فِیْ طَسْتٍ فَجُعِلَ یَنْکُتُ وَقَالَ فِیْ حُسْنِہٖ شَیْئًا قَا اَنَسٌ فَقُلْتُ وَاللّٰہِ اِنَّہٗ کَانَ اَشْبَھَھُمْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَکَانَ مَخْضُوْبًا بِالْوَسْمَۃِ (رواہ البخاری کتاب المناقب حدیث رقم ۳۷۴۸) کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک (تن پاک سے جدا کر کے) عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لا کر ایک طشت (تھال) میں رکھا گیا تو وہ بدبخت اپنی چھڑی سے اس سر مبارک کو چھیڑنے لگا (یعنی حضرت حسین کے بارے میں اپنی نفرت وحقارت ظاہر کرنے کے لئے چھڑی کا سرا بار بار ناک وغیرہ پر مارتا رہا) پھر اس نے ان کی خوبصورتی کے بارے میں کچھ کہا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (اس بدبخت کی یہ حرکت دیکھ کر اور اس کے الفاظ کو سن کر) کہا خدا کی قسم یہ وہ (مقدس انسان) ہے جو (اہل بیت میں) سب سے زیادہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ تھا۔ اس وقت حضرت حسین کا سر مبارک وسمہ (سیاہی مائل) سے رنگا ہوا تھا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کُنْتُ عِنْدَ ابْنِ زِیَادٍ فَجِیْءَ بِرَاْسِ الْحُسَیْنِ فَجَعَلَ یَضْرِبُ بِقَضِیْبٍ فِیْ اَنْفِہٖ وَیَقُوْلُ مَا رَاَیْتُ مِثْلَ ھٰذَا حُسْنًا فَقُلْتُ اَمَا اِنَّہٗ کَانَ مِنْ اَشْبَھِھِمْ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ (الترمذی فی السنن حدیث رقم ۳۷۷۸)۔ کہ اس وقت میں ابن زیاد کے پاس موجود تھا۔ جب حضرت حسین کا سر مبارک اس کے سامنے لایا گیا، ابن زیاد ان کی ناک پر چھڑی مارتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا مَا رَاَیْتُ مِثْلَ ھٰذَا حُسْنًا، کہ ایسا حسن میں نے کبھی نہیں دیکھا میں نے ابن زیاد سے کہا:

(تجھے معلوم بھی ہے) یہ وہ شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ تھا۔
کہ اس وقت آپ کے سر اور ڈارھی کے بالوں پر خضاب لگا ہوا تھا۔
شیخ نور الحق فرماتے ہیں وبود موئے سر وریش او خضاب کردہ شد بوسمہ گیا ہی ست کہ بداں موئے را رنگ کند وسمہ بسین مہملہ ومعجم ہر دو روایت کردہ اند (تیسیر القاری ج ۴ ص ۴۶۶)
مولوی وحید الزمان صاحب نے لکھتے ہیں کہ یہ خضاب سیاہ ہوتا ہے مائل بسیاہی امام حسن بھی ایسا خضاب کیا کرتے تھے اس سے سیاہ خضاب کا جواز ثابت ہوا (تیسیر الباری ج ۳ ص ۵۸۱)۔ وہ خضاب مراد ہے جو بمائل سرخی ہو نہ کہ بالکل سیاہ ہو۔ شام کربلا میں لکھا ہے کہ ابن زیاد کے پاس زید بن ارقم رضی اللہ عنہ تھے۔ جنہوں نے ابن زیاد پر اعتراض کیا تھا۔ لیکن بخاری اور ترمذی کی حدیث میں حضرت انس بن مالک کا ذکر آیا ہے۔ واللہ اعلم۔
شیخ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) نے واقعہ کربلا کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے نے لکھا ہے:
وَالَّذِیْ ثَبَتَ فِی الصَّحِیْحِ اَنَّ الْحُسَیْنَ لَمَّا قُتِلَ حُمِلَ اِلٰی قُدَّامِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زِیَادٍ وَاَنَّہٗ نَکَتَ بِالْقَضِیْبِ عَلٰی ثَنَاہُ وَکَانَ بِالْمَجْلِسِ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ وَاَبُوْبَرْزَۃَ الْاَسْلَمِیْ (منہاج السنہ ج ۳ ص ۱۷۶)۔ اور جو بات صحیح ثابت ہے کہ حضرت حسین ؓ کو جب شہید کیا گیا تو آپ کے سر اقدس کو اٹھا کر عبداللہ ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا اور اس نے چھڑی کو آپ کے اگلے دانتوں پر مارا اور اس وقت مجلس میں انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) اور ابو برزہ اسلمی (رضی اللہ عنہ) بھی تھے۔ اور انہوں نے اس حرکت پر برا منایا تھا۔

گرفت باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ (بروج) بیشک تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔
ابن زیاد نے حضرت حسین کے سر اقدس کا مذاق واستہزا کیا اور یہ اس کی شقاوت قلبی کا ثبوت تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ۶۶ھ میں مختار ابن ابی عبید ثقفی کے زمانہ میں مقام موصل میں ابراھیم الاشتر نخعی کے ہاتھوں انتقام لیا گیا۔ شاعر کہتا ہے:

تو مشو مغرور بر حلم خدا ☆ دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

عمارہ بن عمر نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لائے گئے تو انہیں کوفہ کی مسجد میں گاڑھا دیا گیا میں ان کے پاس پہنچا تو وہ کہہ رہے تھے کہ وہ آ گیا ہے وہ آ گیا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سانپ سروں کے درمیان سے آیا اور عبداللہ بن زیاد کے نتھنوں میں داخل ہو گیا اور کچھ دیر ٹھہرا پھر باہر نکل گیا اور غائب ہو گیا پھر انہوں نے کہا وہ آ گیا ہے وہ آ گیا ہے اس نے دوبارہ اسی طرح کیا۔ (ترمذی نے بیان کیا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔ (البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۱۹۸)

اور جن لوگوں نے حضرت امام حسین عالی مقام (رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا تھا آخر ان سب کا انجام بہت ہی برا ہوا تھا۔ مختار بن ابی عبیدہ ثقفی نے ایک ایک کو چن چن کر قتل کروا دیا تھا۔ اللہ نے ان کو دنیا ہی میں سزا دلوا دی۔

کیا اہل بیت کے خاندان کو قیدی بنایا گیا تھا

عام کتابوں میں بغیر سند کے لکھا ہوا ہے کہ اہل بیت کے خاندان کو قیدی بنایا گیا تھا یہ کذب ہے۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: باقی رہا یہ قصہ جو آپ کے اہل خانہ خواتین اور بچوں کو قیدی بنانے اور بغیر پالان کے اونٹوں پر بیٹھا کر شہروں میں گھمانے کے بارے میں نقل کیا گیا؛ یہ سراسر جھوٹ اور باطل ہے۔

مسلمانوں نے کبھی بھی کسی ہاشمیہ کو قیدی نہیں بنایا۔ وللہ الحمد اور نہ ہی کبھی امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ہاشمیہ کو قیدی بنانے کو حلال سمجھا ہے۔ مگر اہل ہواء اور جاہل لوگ بہت زیادہ جھوٹ بولتے ہیں۔ جیسا کہ ان میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ حجاج بن یوسف نے بنی ہاشم کی ایک جماعت کو قتل کیا تھا۔ (منہاج السنۃ)

واما ذکرہ من سبی نسائہ والذاری والدوران بھم فی البلاد و حملھم علی

الجمال بغير اقتاب فهذا کذب باطل ما سبی المسلمون وللہ الحمد ھا شمیۃ (منھاج السنۃ)۔۔۔ وفی الجملۃ فما یعرف فی الاسلام ان المسلمین سبوا امراۃ یعرفونھا انھا ھاشمیۃ ولا سبی عیال الحسین (منھاج السنہ ج ۳ ص ۱۷۷)۔

ایک تو وہ رائے ہے جو وعظین بیان کرتے ہیں جو شان اہل بیت کے خلاف ہیں۔ جھوٹے راویوں پر اعتماد کرتے ہوئے ان کو ہرگز بیان نہیں کرنا چاہئے ہمیں تو حکم ہے کہ اہل بیت کی تعظیم وتکریم کریں نہ کہ ہر سال ان کی ارواح طیبہ کو اذیت پہنچائیں۔ا

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں تاریخ دان پر مخفی نہیں کہ بعد شہادت امام حسین بقیہ اہل بیت کو قیدی بنانا جیل میں رکھنا یہ بھی محض بناوٹی ہے جو رلانے کے لئے گڑھا گیا ہے (مراۃ المناجیح ج ۸۔ آپ لکھتے ہیں: تاریخی واقعات ۹۵ فیصدی غلط اور بکواس ہیں تاریخ اپنے مصنف کی آئینہ دار ہوتی ہے ان میں روافض اور خوارج کی آمیزشیں بہت زیادہ ہیں جو تا تاریخی واقعہ کسی صحابی کا فسق ثابت کرے وہ مردود ہے۔ کیونکہ قرآن انہیں عادل متقی فرمارہا ہے قرآن سچا ہے اور تاریخ جھوٹی مؤرخ یا محدث یا راوی کی غلطی مان لینا آسان ہے مگر صحابی کا فسق ماننا مشکل ہے کیونکہ اسے فاسق ماننے سے قرآن کی تکذیب لازم آئے گی۔ (امیر معاویہ پر ایک نظر ص ۱۵)

قافلہ اہل بیت کی کوفہ سے شام کی جانب روانگی:

ابن زیاد کے حکم سے خاندان رسالت کا قافلہ ابن سعد کی سرگردی میں دمشق طرف روانہ کر دیا اس مقدس قافلہ والے اونٹوں پر سوار تھے اور بعض کے نزدیک ۴۵ منزلیں طے کرنے کے بعد دمشق پہنچے اور راستہ میں بہت سی عجیب وغریب باتیں ظاہر ہوئیں۔ اور سب سے پہلے زحر بن قیس نے یزید کو جا کر خبر سنائی کہتے ہیں یزید پہلے خوش ہوا پھر وہ خوشی بدنامی کے غم میں بدل گئی۔ جب خاندان اہل بیت کا یہ قافلہ یزید کے دربار میں پہنچ گیا شامی یزید نے سرداروں سے پوچھا ان کے ساتھ کیا

سلوک کیا جائے بعض نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا برا مشورہ دیا مگر نعمان بن بشیر نے کہا ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے یزید نے ان کے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کیا۔ (البدایہ والنھایہ ۸ ص ۲۰۳)

اور جب حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) قتل ہونے کی یزید کو خبر پہنچی اور اس کے گھر والوں کو تو اس نے بہت برا منایا اور حضرت حسین کے قتل ہونے پر روئے اور یزید نے کہا اللہ تعالیٰ کی ابن مرجانہ پر لعنت ہو یعنی عبید اللہ بن زیاد پر۔ اللہ کی قسم ابن زیاد اور حسین کے درمیان اگر رشتداری ہوتی تو وہ ان کو نہ قتل کرتا اور میں قتل حسین کے بغیر اہل عراق کی اطاعت سے راضی تھا۔ اور یزید نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے خاندان والوں کے لئے اچھا سامان تیار کیا اور ان کو مدینہ منورہ میں بھیج دیا لیکن اس کے باوجود اس نے حضرت حسین کے قاتلوں سے انتقام نہیں لیا تھا اور نہ اس نے حضرت حسین کے قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا اور نہ حضرت حسین کا قصاص لیا۔ (منھاج السنۃ النبویہ ج ۳ ص ۱۷۷)۔

سب شہداء کے سروں کو ابن زیاد کے پاس پیش کیا گیا۔ اس نے زحر بن قیس کی نگرانی میں یزید کے پاس شام بھجوا دیئے۔ جب اہل بیت کا قافلہ شام پہنچا تو یزید ان کی حالت دیکھ کر بہت متأثر ہوا۔ اس نے کہا اگر اس کے اور تمہارے درمیان قرابت ہوتی تو وہ تمہارے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا اور اس طرح تم کو نہ بھیجتا۔ حضرت فاطمہ زہراء بنت علی رضی تعالی عنہما کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ یزید کے سامنے پیش کئے گئے تو ہماری حالت دیکھ کر اس پر رقت طاری ہوگئی اور ہمارے ساتھ بڑی نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا اور ہمارے متعلق احکام دیئے۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۲۰۲)۔

خیال رہے کہ یہاں حضرت فاطمہ زہراء سے مراد حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی صاحبزادی ہیں جو آپ کی کنیزوں (باندیوں) میں سے کسی کنیزہ محترمہ کے شکم اطہر میں سے تھیں (عشرہ مبشرہ ص

۱۰۴، رحمۃ اللعالمین ج ۲)

سر اقدس کو شام لے جانے کے متعلق اختلاف ہے

وَالْمَقْصُوْدُ هُنَا اَنَّ نَقْلَ رَأْسِ الْحُسَيْنِ اِلَى الشَّامِ لَا اَصْلَ لَهٗ فِيْ زَمَنِ يَزِيْدِ فَكَيْفَ بِنَقْلِهٖ بَعْدُ يَزِيْدَ وَاِنَّمَا الثَّابِتُ هُوَ نَقْلُهٗ اِلٰى اَمِيْرِ الْعَرَاقِ عُبَيْدِ اللهِ اِبْنِ زِيَادٍ بِالْكُوْفَةِ (مجوعۃ الفتاوی ج ۲۷ ص ۲۵۲، مجوعۃ الفتاوی ج ۴ ص ۳۰۸)، اور مقصود یہاں یہ ہے کہ حضرت حسین کے سر اقدس کو شام کی طرف لے جانا زمانہ یزید میں نہیں تھا۔ اس کے لئے کوئی اصل نہیں تو یزید کے مرنے کے بعد اس کا منتقل کرنا کیسے ہوسکتا ہے تو یہی ثابت ہے کہ سر پاک کو امیر عراق عبید اللہ بن زیاد کے پاس کوفہ میں لے جایا گیا تھا (نہ کہ شام میں)۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں جب سر حسین ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا تھا وَجَعَلَ يَنْكُتُ بِالْقَضِيْبِ عَلٰى ثُنَاهُ بِحَضْرَتِ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَفِي الْمُسْنَدِ اَنَّ ذٰلِكَ كَانَ بِحَضْرَةِ اَبِيْ بَرْزَةِ الْاَسْلَمِيْ وَلٰكِنَّ بَعْضَ النَّاسِ رَوٰى بِاِسْنَادٍ۔ مُنْقَطِعٍ اَنَّ هٰذَا النَّكْتَ كَانَ بِحَضْرَةِ يَزِيْدِ بْنِ مَعَاوِيَه كَانَ بِالشَّامِ وَهٰذَا بَاطِلٌ فَاِنَّ ابَا بَرْزَةَ وَاَنَسَ بْنَ مَالِكٍ كَانَا بِالْعِرَاقِ۔ (مجموعہ فتاوی ج ۲۷ ص ۲۴۴، مجموع الفتاوی ج ۸ ص ۲۰۰) ابن زیاد نے حضرت حسین کے مبارک دانتوں پر حضرت انس بن مالک موجودگی میں چھڑی مارنی شروع کی اور مسند میں ہے کہ حضرت ابو برزہ بھی وہاں تھے اور لیکن نے بعض لوگوں نے اسناد منقطع سے روایت کیا ہے کہ چھڑی مارنے کا واقعہ یزید بن معاویہ سامنے ہوا تھا۔ اور یزید شام میں تھا نہ عراق میں قتل حضرت حسین کے وقت اور جس نے یہ نقل کیا ہے کہ چھڑی حضرت حسین کے دانتوں پر ماری تھی اس وقت ابو برزہ یزید کے سامنے موجود تھے تو یہ قطعی کذب ہے کیونکہ ابو برزہ اور انس بن مالک دونوں عراق میں تھے

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وَقَدْ اِخْتَلَفَ عُلَمَآءُ بَعْدَھَا فِیْ رَأْسِ الْحُسَیْنِ ھَلْ سَیَّرَہٗ اِبْنِ زِیَادٍ اِلٰی یَزِیْدٍ اَمْ لَا عَلَی الْقَوْلَیْنِ اَلْاَظْھَرُ مِنْھُمَا اَنَّہٗ سَیَّرَہٗ اِلَیْہِ، وَقَدْ وَرَدَ فِیْ ذٰلِكَ آثَارٌ کَثِیْرَۃٍ فَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۰۰)

نیز لکھا ہے کہ تحقیق سے ثابت ہے کہ بیشک وہ قصہ جس میں سر پاک کو یزید کے پاس لے جانے کا ذکر کیا جاتا ہے اور چھڑی کے ساتھ سر پاک کو ٹھوکنا اس کو بیان کرنیوالوں نے جھوٹ بولا ہے اور سر پاک کو لیجانا ابن زیاد کے پاس تھا اور وہ ہی چھڑی کے ساتھ ٹھوکا تھا اور کسی معروف سند کے ساتھ یہ بات منقول نہیں ہے کہ سر پاک کو لے جا کر یزید کے سامنے رکھا گیا ہو۔ (مجموعۃ الفتاوی ج ۴)۔

شیخ ابن تیمیہ نے لکھا ہے: ولا سبی عیال الحسین بل لما دخلوا الی بیت یزید قامت النیاحیۃ فی بیتہ واکرمھم و خیرھم بین المقام عندہ والذھاب الی المدینۃ فاختاروالرجوع الی المدینۃ ولا طیف براس الحسین و ھذا الحوادث فیھا من الاکاذیب (منھاج السنۃ ج ۳ ص ۱۷۷)، اور حضرت حسین کی اولاد کو قید نہیں کیا گیا تھا بلکہ جب وہ یزید کے گھر میں داخل ہوئے تو اس گھر سے رونے کی اوازیں بلند ہوئیں ان کی عزت کی اور انہیں اختیار دیا اپنے پاس ٹھہرنے کا اور مدینے کی طرف جانے کا تو انہوں نے مدینے واپس جانے کو اختیار کیا اور حضرت حسین کے سر کو نہیں پھرایا گیا اور اس حادثہ میں بہت سے جھوٹی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

حافظ ابن کثیر ابن ابی الدنیا کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جب حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے سر کو یزید کے سامنے رکھا گیا تو اسکے پاس حضرت ابو برزہ بھی موجود تھے وہ چھڑی مارنے لگا تو انہوں نے اس کہا اِرْفَعْ قَضِیْبَكَ فَلَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَلْثُمُہٗ (الکامل فی التاریخ ج ۳ ص ۴۳۷، نور العین ص ۳۲، البدایۃ والنھایۃ ج ۸ ص ۲۰۰) اپنی چھڑی اٹھا رکھ، میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسے چومتے ہوئے دیکھا ہے۔اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو برزہ اسلمی وہاں موجود تھے۔روایات میں اختلاف اور تزاد بہت پایا جاتا ہے۔

راقم الحروف شیخ ابن تیمیہ کا مقلد نہیں ہے۔یہ حوالے اور روایتیں اس لئے نقل کی جاتی ہیں کہ ان میں شان اہل بیت کا اظہار کیا گیا ہے۔اور جن روایتوں میں اتا ہے کہ خاندان اہل بیت کو قیدی کو بنایا گیا شہداء کے سروں کو شہروں، گاؤں، محلوں میں پھرا گیا۔ان کا بیان کرنا خلاف شان اہل بیت ہے۔واللہ اعلم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں حضرت حسینؓ اور ان کے خاندان کے افراد جب شہید ہو گئے تو ابن زیاد نے ان کے سر یزید کے پاس بھیجے اور دروں کو دیکھ کر یزید پہلے تو ان کی شہادت سے خوش ہوا لیکن جب دوسرے مسلمان ان بزرگوں کے قتل پر ملامت کرنے لگے تو شرمندہ ہوا۔لوگ عام طور پر یزید سے بغض وعداوت رکھتے تھے اور لوگوں کا یزید کو برا کہنا حق بجانب ہے۔(مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ فِیْ اَیَّامِ السَّنَةِ ص۲۵۱) کیونکہ دوست کے دشمن سے عداوت ہوتی ہے۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: لٰكِنَّهٗ مَعَ ذٰلِكَ مَا انْتَصَرَ لِحُسَيْنٍ وَلَا اَمَرَ بِقَتْلِ قَاتِلِهٖ وَلَا اَخَذَ بِثَارِهٖ (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۷۷)،لیکن یزید نے اس کے باوجود، نہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے قاتلوں سے بدلہ لیا اور نہ اس نے قاتلین حسین (رضی اللہ عنہ) کو مارنے کا حکم دیا اور نہ قصاص لیا۔

اس سلسلہ میں طبری اور ابن اسیر لکھتے ہیں کہ یزید نے کہا خدا کی قسم اے حسین اگر تم میرے پاس آتے تو میں تمہیں ہر گز قتل نہ کرتا۔پھر لوگوں سے کہا، کیا تم جانتے ہو حسن کیوں ہلاک ہوئے تھے۔(دراصل) بات یہ ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ ان کا باپ علی (رضی اللہ عنہ) اس کے (امیر یزید کے) باپ سے بہتر ہیں۔اور ان کا نانا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (امیر یزید کے) نانا سے بہتر ہیں۔اور وہ خود

اس سے یعنی امیر سے بہتر ہیں۔اور خلافت کا اس سے (یزید سے) زیادہ حقدار ہیں۔ان کا یہ کہنا کہ ان کا باپ میرے باپ سے بہتر ہے اس بارے میں میرے باپ اور ان کے باپ دونوں نے خدائے تعالیٰ کے پاس احتجاج کیا اور لوگوں نے بخوبی جان لیا کہ فصیلہ کس کے حق میں صادر ہوا۔ ان کا یہ کہنا ان کی والدہ میری والدہ سے بہتر ہیں تو مجھے اپنی جان کی قسم کہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری والدہ سے بہتر ہیں۔ان کا یہ کہنا کہ ان کا نانا میرے نانا سے بہتر تھے۔تو یادرکھو جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہم میں سے کوئی ایک شخص بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مثل ونظیر یا ہمسر نہیں ہوسکتا۔لیکن وہ اپنی سمجھ کی وجہ سے گھائل ہو گئے (جو یہ کہتے رہے کہ میں یزید سے بہتر ہوں اس لئے خلافت مجھے ملنی چاہیئے)۔

مگر افسوس کہ انہوں نے یہ خدائی فرمان نہیں سنا تھا اور نہ پڑھا تھا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے { قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ... } (سورہ ال عمران ۳:۲۶)،(اے حبیب! یوں) عرض کرو اے اللہ! اے مالک ملکوں کے تو بخش دیتا ہے ملک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔اور یہ آیت نہیں پڑھی، {...وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ } (سورہ البقرہ ۲:۲۴۷)،اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک جسے چاہتا ہے۔(تاریخ اسلام بحوالہ طبری)، یہ واقعہ تاریخ ابن کثیر میں کچھ تفصیل سے مذکور ہے: حضرت زین العابدین (رضی اللہ عنہ) سے یزید نے کہا: علی تمہارے باپ نے میرے ساتھ قطع رحم کیا۔میرے حق سے غفلت کی اور حکومت میں جھگڑا کیا یہ اسی کا نتیجہ ہے جسے تم دیکھ رہے ہو؟

حضرت امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) نے اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی: { مَآ اَصَابَ مِن

مُّصِيبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلاَ فِيۤ اَنْفُسِكُمْ اِلاَّفِيْ كِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ...} (سورہ حدید ۵۷: ۲۲)، نہیں آئی کوئی مصیبت زمین پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں۔

یہ سن کر یزید نے اپنے لڑکے خالد سے کہا تم اس کا جواب دو۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا تو یزید نے خود بتایا کہ کہو:{ وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ} (سورہ شوریٰ ۴۲: ۳۰)، اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے اور وہ (کریم) درگزر فرما دیتا ہے (تمہارے) بہت سے کرتوتوں سے۔

خیال رہے کہ حضرت زین العابدین کا نام علی (اوسط) ہے۔ عابد، سجاد، زین العابدین آپ کے القاب ہیں۔

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت پر اظہار غم:

یزید نے نعمان بن بشیر (رضی اللہ عنہ) سے کہا اے نعمان (رضی اللہ عنہ) ان لوگوں کی روانگی کا سامان جیسا مناسب ہو، کردو۔ اور ان کے ساتھ اہل شام میں سے کسی ایسے شخص کو بھیجو جو امانت دار نیک کردار ہو اور اس کے ساتھ سوار ہوں اور خدام ہوں کہ ان سب کو مدینہ پہنچا دے اس کے بعد مستورات کے لیے حکم دیا کہ علیحدہ مکان میں اتاری جائیں۔ جہاں ضرورت کی چیزیں سب موجود ہوں اور ان کے بھائی علی بن حسین (رضی اللہ عنہ) اسی مکان میں رہیں جس میں وہ سب لوگ ابھی تک تھے، غرض یہ سب لوگ جب اس گھر سے یزید کے گھر میں گئے تو آل معاویہ (رضی اللہ عنہ) میں سے کوئی عورت ایسی نہ ہوگی۔ جو حسین (رضی اللہ عنہ) کے لیے روتی ہوئی نوحہ رازی کرتی ہوئی ان کے پاس نہ آئی ہو۔ غرض سب نے صف ماتم وہاں بچھائی۔ (تاریخ طبری)۔

نقصان کی تلافی:

حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد اموی فوج کے وحشی سپاہیوں نے اہل بیت کا کل سامان لوٹ لیا تھا۔ یزید نے پوچھ کر جتنا مال لوٹا گیا تھا اس سے دوگنا دلوادیا۔ چند دن یا تین دن ٹھہرانے کے بعد جب اہل بیت کرام کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے انہیں بڑے اہتمام کے ساتھ رخصت کیا۔ امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کو بلا کر ان سے کہا: ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں ہوتا تو خواہ میری اولاد ہی کیوں نہ کام آجاتی، حسینؓ کی جان بچالیتا لیکن اب قضائے الٰہی پوری ہوچکی۔ آئندہ تم کو کسی قسم کی بھی ضرورت پیش آئے مجھے لکھنا۔

شام سے مدینہ منورہ کا سفر:

تین دن کے بعد خاندان اہل بیت کو بڑی حفاظت اور اہتمام سے مع تیس سواروں کے حضرت نعمان بن بشیر کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب روانہ کیا۔ ان لوگوں نے بڑے اعزاز اور احترام کے ساتھ مدینہ پہنچایا۔ ان کے شریفانہ سلوک سے اہل بیت کی خواتین اتنی متاثر ہوئیں کہ حضرت فاطمہؓ اور حضرت زینبؓ نے اپنے زیور اتار کر ان کے پاس بھیجے۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کردیا کہ ہم نے دنیاوی منفعت کے خیال سے نہیں بلکہ خالصتہ لوجہ اللہ اور قرابتِ نبوی کے خیال سے یہ خدمت انجام دی ہے اس لئے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸: ۱۹۵ وغیرہ)۔ اس اجمال کی کچھ تفصیل یوں ہے کہ جب قافلہ اہل بیت نے روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو یزید نے علی بن حسین کو بلا بھیجا اور ان سے کہا، خدا پسر مرجانہ پر لعنت کرے واللہ اگر حسین (رضی اللہ عنہ) میرے پاس اَتے۔ جس بات کے مجھ سے وہ خواستگار ہوتے وہی میں کرتا۔ ان کو ہلاک ہونے سے جس طرح بن پڑتا میں بچالیتا اگرچہ اس میں میری اولاد میں سے کوئی تلف ہوجاتا تو ہوجاتا۔ لیکن خدا کو یہی منظور تھا جو تم نے دیکھا تمہیں جس بات کی ضرور ہو مجھے خبر کرنا میرے پاس لکھ کر بھیج دینا پھر یزید نے سب کو کپڑے دیئے اور بَذْرَقَۃ (محافظ و رہبر) سے ان لوگوں کے باب میں تاکید کردی۔ یہ

شخص جو بدرقہ راہ تھا سب کے ساتھ روانہ ہوا رات بھر قافلہ کے ساتھ ساتھ اس طرح رہتا تھا کہ سارا قافلہ اس کی نگاہ کے سامنے رہے آگے چلے جب یہ لوگ اترتے تھے تو کنارے ہو جاتا تھا۔ خود بھی اور اس کے ساتھ والے بھی ہر سمت میں قافلہ کے گرداگرد پھیل جاتے تھے جو طریقہ کہ پاسبانوں کا ہوتا ہے اور خود اس طرح علیحدہ سب سے اترتا تھا کہ اگر کوئی شخص وضو کرنے کو یا قضائے حاجت کے لئے جائے تو اسے کچھ زحمت نہ ہو۔ اسی طرح سے ان لوگوں کو راہ میں راحت پہنچاتا ہوا ان کی ضرورتوں کو پوچھتا ہوا ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہوا مدینہ میں سب کو لے کر داخل ہوا۔

حضرت فاطمہ زہراء بنت علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنی بہن زینب (رضی اللہ عنہا) سے کہا: پیاری بہن یہ مرد شامی ہمارے ساتھ سفر میں بہت خوبیوں سے پیش آیا اسے کچھ انعام دیجیے کہا واللہ میرے پاس اپنے زیور کے سوا کچھ بھی نہیں جو اسے انعام میں دوں فاطمہ نے کہا اچھا ہم دنوں اپنا گہنا اسے انعام میں دیں گے۔ غرض دونوں سیبیوں نے اپنے اپنے کنگن اتار کر بدرقہ کے پاس بھیجے اس سے عذر کے ساتھ یہ کہلا بھیجا، کہ راستہ میں خوبی سے تم ہم سے پیش آئے یہ اس کا صلہ ہے اس نے کہا میں نے جو کچھ خدمت کی ہے۔ اگر طمع دنیا میں کی ہوتی تو آپ کے اس زیور سے بلکہ اس سے بھی کم میں خوش ہو جاتا لیکن واللہ میں نے جو خدمت کی ہے وہ خوشنودی خدا کے لیے اور رسول خدا ﷺ سے جو قرابت آپ (رضی اللہ عنہ) کو ہے۔ اس کے خیال سے کی ہے۔ (تاریخ طبری، تاریخ ابن کثیر)۔

اہل مدینہ کی گریہ زاری:

جب یہ حضرات مدینہ شریف پہنچے تو اہل مدینہ ان کی حالت زار دیکھ کر زار و قطار رونے لگے۔ گویا ان کے لئے قیامت صغریٰ تھی۔ اہل بیت کے گھر مدینہ منورہ میں موجود ہیں مگر گھر والے میدان کربلا میں شہید کر دیئے گئے۔

چنانچہ سلیمان بن قتیبہ کہتا ہے:

وَاِنَّ قَتِیْلَ الطَّفِّ مِنْ آلِ ہَاشِمٍ | اَذَلَّ رِقَاباً مِّنْ قُرَیْشٍ فَذَلَّتِ
مَرَرْتُ عَلٰی اَبْیَاتِ آلِ مُحَمَّدٍ | فَاَلْفَیْتُہَا اَمْثَالَہَا حَیْثُ حُلَّتِ
وَکَانُوْا لَنَا غُنْمًا فَعَادُوْا رَزِیَّۃً | لَقَدْ عَظُمَتْ تِلْكَ الرَّزَایَا وَجَلَّتِ
فَلَا یُبْعِدِ اللّٰہُ الدِّیَارَ وَاَہْلَہَا | وَاِنْ اَصْبَحَتْ مِنْہُمْ بِرَغْمِیْ تَخَلَّتِ

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸: ۲۱۱، الکامل للمبرد، ۹۱)

مقام طف میں آل ہاشم کے شہید نے قریش کی گردنوں کو جھکا دیا ہے تو وہ خود بھی جھک گئیں اور ذلیل ہو گے۔

میں آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھروں کے پاس سے گزرا۔ ان میں وہ رونق نہ تھی جیسی اس وقت تھی جب وہ لوگ ان میں آباد تھے۔

وہ امید گاہِ خلائق تھے۔ پھر سراپا مصیبت بن گئے اور یہ مصائب بڑے اور ہولناک ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ گھروں کو ان کے مالکوں سے دور نہ کرے اگر چہ ان کے گھر اپنے مالکوں سے خالی ہو چکے ہیں۔

نواں باب بعض ائمہ کرام کا تعارف اور دیگر شخصیات کا ذکر

اس سے قبل حضرت فاطمۃ الزہراء حضرت علی مرتضیٰ اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب مختصر بیان ہو چکے ہیں۔ اور اَب یہاں اس باب میں بعض دیگر ائمہ سادات کرام کا حصول برکت کی خاطر تعارف پیش کیا جاتا ہے

سیدنا حضرت زین العابدین علی بن حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا:

آپ کا علی نام، ابوالحسن کنیت اور زین العابدین لقب تھا۔ آپ ۳۸ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

۹۵ھ میں مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وفات پائی اور جنت البقیع میں حضرت حسن اور حضرت عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا کے روضہ میں دفن کئے گے۔

علامہ عبد العزیز پڑھاروی صاحب نبراس لکھتے ہیں: هُوَ عَلِيُّ الْاَصْغَرُ التَّابِعِيُّ الْمَدَنِيُّ صَاحِبُ الْحَدِيْثِ الْكَثِيْرِ وَالزُّهْدِ وَالْوَرْعِ يُكَنّٰى اَبَامُحَمَّدٍوَاَبَا الْحَسَنِ وَاَبَابَكْرٍ وَيُلَقَّبُ زَيْنَ الْعَابِدِيْنَ لِكَثْرَةِ عِبَادَتِهٖ وَخُشُوْعِهٖ وَبُكَائِهٖ خَوْفاً مِّنَ اللهِ سُبْحَانَهٗ (نبراس شرح شرح العقائد ۵۱۸)، اور وہ علی اصغر تابعی مدنی ہیں۔ بہت حدیثوں کو محفوظ رکھنے والے، زہد پرہیز گاری والے۔ ابو محمد، ابوالحسن اور ابو بکر ان کی کنیت ہے اور آپ لقب زین العابدین ہے اللہ کی زیادہ عبادت کرنے اور اس سے آگے خوشوع کرنے اور اللہ کے خوف سے بہت گریہ زاری کرنے والے تھے۔ انتھی۔

علامہ ولی الدین صاحب مشکوۃ لکھتے ہیں: نام علی، حضرت حسینؓ کے صاحبزادے اور علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے پوتے ہیں۔ کنیت ابوالحسن ہے اور زین العابدین کے نام سے معروف ہیں۔ اہل بیت میں اکابر سادات میں سے تھے۔ تابعین میں جلیل القدر اور شہرت یافتہ حضرات میں سے تھے۔

امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ قریش میں سے میں نے کسی شخص کو ان سے زیادہ افضل نہیں پایا۔ ۹۴ھ میں بعمر ۵۸ سال وفات پائی اور جنت البقیع میں اسی قبر میں مدفون ہوئے جس میں ان کے عم محترم حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہم) دفون تھے۔ (الکمال فی اسماء الرجال، ۶۱۱)

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام مشہور روایات کے مطابق حضرت شہر بانو (شاہ زناں) بنت (یزدجرد بن شہر یار بن شیرویہ بن پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں عادل) تھا۔ (فصل الخطاب ص ۵۵۶، نبراس شرح شرح العقائد، ص ۵۱۸)۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے کتاب الفاروق میں اس پر تفصیلی تنقید کی ہے۔

واللہ اعلم۔

اور قدیم مؤرخ ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) نے معارف میں لکھا ہے: کہ حضرت زین العابدینؒ کی والدہ ماجدہ سندھ کی خاتون تھیں اور ان کا نام سلامتہ یا غزالہ تھا۔ اور ابن سعد نے غزالہ نام اختیار کیا ہے ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی غیر قوم (غیر سادات) کی خاتون تھیں۔ (سیر الصحابہ ملخصا)

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ ان کی والدہ ام ولد تھیں اور سلامتہ نام تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ۹)

بہرحال حضرت زین العابدین علی بن حسین (رضی اللہ عنہ) بڑے فضل وکمال والے تھے عبادت وریاضت میں کامل تھے سخی و بہادر حلم و بردباری عفو و درگذر کرنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اور آپ (رضی اللہ عنہ) کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں۔

حضرت سیدنا امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) میدان کربلا میں موجود تھے مگر جہاد نہیں کیا کیونکہ آپ بیمار تھے اور اس وقت آپ کی عمر تقریبا ۲۳ سال تھی۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے واقعہ کربلا کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مثلاً عزیزوں کی شہادت، گھر کی بربادی، لوگوں کی بے وفائی اور اپنی بے کسی پر آپ کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ اس لئے آپ بالکل دنیا سے کنارہ کش ہو گئے تھے، زیادہ تر گوشہ نشین رہتے تھے اور کسی تحریک میں ہرگز حصہ نہیں لیتے تھے۔

بعض بیان کرتے ہیں کہ علی بن حسینؓ اکثر روتے تھے۔ جب لوگ ان سے اس کی وجہ دریافت کرتے تھے تو فرماتے تھے: حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں روتے روتے نابینا ہو گئے تھے۔ (یعنی آنکھوں کی بینائی کمزور ہو گئی تھی) میرے خاندان کے تو بیس آدمی ایک ایک دن میں شہید کئے جاتے رہے ہیں۔ کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ میرے قلب پر ان کا کوئی غم نہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ)۔

مگر لوگوں کے دلوں میں آپ کا بے حد احترام پایا جاتا تھا حتی کہ یزید نے جب مسلم بن عقبہ کو دس

ہزار فوج کے ساتھ حجاز روانہ کیا تو ہدایت کردی تھی کہ علی بن حسینؓ کو نقصان نہ پہنچنے پائے۔ (تاریخ اسلام بحوالہ ابن اثیر)

مسلم بن عقبہ جب مدینہ طیبہ کو ویران کرنے کے بعد عقیق گیا اور زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کا پوچھا تو معلوم ہوا کہ موجود ہیں۔ حضرت زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کو جب خبر ہوئی تو وہ خود اپنے چچازاد بھائیوں سے ملنے آئے۔ مسلم بن عقبہ بڑی عزت اور تکریم کے ساتھ پیش آیا اور تخت پر بٹھا کر مزاج پرسی کے بعد کہا کہ امیر المؤمنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی تھی۔ آپ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: خدا ان کو اس کا صلہ دے۔ (سیر الصحابہ، ج ۷ ملخصاً)

ایک مرتبہ مروان نے آپ کو چھ ہزار دینار دیئے مگر مرنے سے قبل وصیت کی تھی کہ ان سے وہ قرض نہ مانگا جائے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج ۸:۲۵۸)

غرضیکہ آپ (رضی اللہ عنہ) ہر دل عزیز اور اکابر سادات میں سے تھے۔ آپ (رضی اللہ عنہ) سب صحابہ کا احترام کرتے تھے اور اپنے حق پرست اسلاف کی طرح خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی سچی عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی برائی سننا پسند نہ فرماتے تھے اور برائی کرنے والوں کو اپنے یہاں سے نکال دیتے تھے۔ ایک مرتبہ چند عراقی آپ کے پاس آئے اور شاید اس غلط فہمی میں کہ آپ بھی ان کے گمراہ کن خیالات میں ان کے ہم نوا ہوں گے آپ کے سامنے خلفائے ثلاثہ کے متعلق کچھ نازیبا باتیں کیں۔ آپ نے کلام اللہ کی ان آیات کی تلاوت کی:

{لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ} (سورہ حشر ۵۹: ۸)، (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لئے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد

کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی یہی راست باز لوگ ہیں۔

اس آیت میں مہاجرین کے فضائل بیان کئے گے ہیں، یہ اشارہ فرما کر پوچھا: کیا تم ان مہاجرین اولین میں سے ہو جو اپنے وطن سے نکالے گئے، اپنی جائداد اور دولت سے محروم کئے گئے، خدا کے فضل اور اس کی رضامندی کے متلاشی ہیں، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرتے ہیں؟ عراقیوں نے کہا: نہیں۔ پھر آپ (رضی اللہ عنہ) نے اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے کی تلاوت کی: { وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ} (سورہ حشر ۵۹:۹)، اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ (رضی اللہ عنہ) پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔

جو انصار کے فضائل میں ہے، اشارہ کر کے پوچھا: کیا تم ان لوگوں میں ہو جو ان لوگوں مہاجرین کی ہجرت کے پہلے سے مدینہ میں گھر رکھتے تھے اور ایمان لا چکے تھے اور جو ان کے یہاں ہجرت کر کے جاتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں؟ عراقیوں نے کہا: ان میں سے بھی نہیں ہیں۔ فرمایا تم کو خود اعتراف ہے کہ تم دونوں جماعتوں میں سے نہیں ہو۔ اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم اس جماعت میں نہیں ہو جن کے متعلق خدا فرماتا ہے: { وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ م بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا

لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا رَبَّنَاۤ اِنَّکَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ } (سورہ حشر ۵۹: ۱۰)۔ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے۔ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا بط کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لئے۔ اے ہمارے رب! بیشک تو رؤف رحیم ہے۔

جب تم ان تینوں اسلامی جماعتوں میں سے کسی میں نہیں ہو تو خدا تم کو غارت کرے میرے یہاں سے نکل جاؤ۔ (سیر الصحابہ ج ۷ بحوالہ صفوۃ الصفوہ)۔ سبحان اللہ حضرت زین العابدین جمی صحابہ کرام کی تعظیم و تکریم کرنے والے تھے اور صحابہ کرام سے بغض رکھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

حضرت زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کی اولاد:

بعض کہتے ہیں کہ آپ کے 11 بیٹے اور 9 بیٹیاں تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی 4 بیٹیاں تھیں۔ (نبراس شرح شرح العقائد ص ۵۱۹)

قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں امام زین العابدینؓ کی نسل دنیا میں چھ فرزندوں: محمد باقر، عبداللہ الباہر، زید الشہید، عمر الاشرف، حسین الاصغر، علی الاصغر سے باقی ہے۔ دو بیٹیاں ام کلثوم و خدیجہ تھیں (رحمۃ للعالمین، ج ۲: ۱۲۱)۔

حضرت سیدنا امام محمد باقر (متوفی ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ)۔ ان کی کنیت ابو جعفر ہے اور یہ تابعی اور فقیہ عارف باللہ تھے۔ ان کا لقب باقر یا تو اس لئے ہے کہ بقر کا معنی ہے چیرنا تو انہوں نے علم کو چیرا اور اس کے چھپے ہوئے رازوں کو جانا۔ اور یا اس لئے کہ یہ وسیع علم والے تھے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلام پہنچایا اور ان کی وفات سن ایک سو چودہ یا ایک سو اٹھارہ ہجری میں ہوئی۔ اور اس وقت ان کی عمر اٹھاون ۵۸ سال تھی اور حسن بن علی کی قبر میں دفن کئے گئے

اور اپنے پیچھے چھ بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں۔

حضرت سیدنا امام جعفر صادق (متوفی ۱۴۸ھ)۔ان کی کنیت ابو عبداللہ اور یہ بہت سچ گو، محدث، فقیہ، علامہ، صوفی تھے اور ان کی والدہ حضرت ابوبکر رضی اللہ کے پوتے حضرت قاسم فقیہ کی بیٹی تھیں جن کا نام ام فروہ تھا۔ اور یہ مدینہ میں سن اسی (۸۰) ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور مدینہ ہی میں سن ایک سو اڑتالیس میں فوت ہوئے۔ اور حضرت حسن بن علی کی قبر میں دفن کئے گئے۔ ابو مسلم خراسانی نے ان سے عرض کیا کہ یہ خلافت قبول کر لیں تو انہوں نے قبول نہ کی تو پھر اس نے آل عباس میں خلافت دے دی۔ آپ کا فرمان ہے کہ جس آدمی کو کوئی پریشانی ہو پھر وہ پانچ دفعہ رَبَّنَا کہ کر دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو پریشانی سے نجات عطا فرمائیں گے اور جو مانگے گا وہ عطا فرمائیں گے۔ آپ جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

حضرت سیدنا امام موسیٰ کاظم (متوفی ۲۵ رجب ۱۸۳ھ)۔ان کی کنیت ابو ابراہیم اور ابوالحسن تھی اور ان کا لقب عبد صالح اور کاظم ہے کیونکہ یہ بہت نیک تھے اور غصے کو پی جانے والے تھے اور سورج کے طلوع ہونے کے بعد سجدہ میں جاتے اور مکروہ وقت ہونے تک سجدہ میں رہتے۔ اگر کوئی ان کو پیغام پہنچاتا کہ فلاں آدمی آپ کی غیبت کرتا ہے تو آپ اس کی طرف ہزار دینار بھیج دیتے۔ اور یہ مدینہ میں رہتے تھے حتی کہ ان کو بعض خلفائے عباسیہ نے بغداد کی طرف بلایا۔ تو پینتالیس سال کی عمر میں پانچ رجب بروز جمعہ ایک سو تینتیس ہجری کو وہیں بغداد میں انتقال فرمایا۔ اور دریائے دجلہ کے مغربی ساحل پر بغداد کے مغربی جانب مدینۃ السلام میں دفن کئے گئے۔ بعض کے نزدیک ان کی کل اولاد لڑکے اور لڑکیاں ۳۷ تھے اور اپنے پیچھے چودہ لڑکے چھوڑے۔ آپ کاظمین عراق میں مدفون ہیں۔

آپ علم و معرفت اور فضل و کمال میں حضرت صادق کے وارث تھے۔ آپ کو بکثرت درگذر کرنے

اور حلم اختیار کرنے کی وجہ سے کاظم کہتے ہیں۔ اہل عراق میں آپ اللہ تعالیٰ کے پاس ضروریات کو پورا کرنے والا دروازہ کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عابد، عالم اور سخی تھے۔ رشید نے آپ سے دریافت کیا آپ اپنے آپ کو ذریت رسول کیسے کہتے ہیں حالانکہ آپ حضرت علیؓ کی اولاد ہیں۔ تو آپ نے یہ آیت پڑھی۔ **ومن ذریته داؤد سلیمان** یہاں تک کہ آپ نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ختم کیا۔ (انعام ایت ۸۴) حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہی نہ تھا۔ پھر آپنے یہ آیت بھی پڑھی **فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ** (آل عمران ایت ۶۱) حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین کے سوا کسی کو نہیں بلایا۔ پس حضرت حسن اور حضرت حسین دونوں بیٹے ہوئے۔ (الصواعق المحرقۃ ص ۵۹۰ ج ۲ س)

حضرت سیدنا امام علی رضا رضی اللہ عنہ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے اور ان کا لقب رضا ہے اس لئے کہ موافق اور مخالف سب ان سے خوش تھے۔ اور یہ مدینہ میں سن ۱۵۳ میں ربیع الاول کی گیارہ تاریخ کو جمعرات کے دن پیدا ہوئے اور رقبۃ ہارون الرشید (خراسان) میں دفن ہوئے۔ خلیفہ مامون عباسی نے ان کو خراسان کی طرف بلایا اور خلافت ان کے سپرد کی اور ان کے نام کا خطبہ دیا اور اپنی ایک بیٹی کا ان سے نکاح کر دیا لیکن انہوں نے خلافت قبول نہیں کی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بعد میں مامون نے ان کو زہر دے دیا تھا مگر یہ درست نہیں ہے۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے جو ہم سے بھلائی کرے گا اس کو دو ثواب ملیں گے اور جو ہم سے برا سلوک کرے گا اس کو ڈبل عذاب ہو گا۔

حضرت سیدنا امام محمد تقی ان کا لقب ابوجعفر ثانی ہے۔ ان کا لقب جواد (سخی) اور تقی (پرہیزگار) ہے۔ اور علی رضا کی نسل صرف ان ہی محمد تقی سے چلی ہے اور پچیس سال کی عمر میں سن

۲۲۰ میں فوت ہوئے۔ اور اپنے دادا موسیٰ کاظم کے پاس بغداد (عراق) میں دفن کئے گئے اور اپنے پیچھے تین بیٹے اور چار بیٹیاں چھوڑیں۔

حضرت سیدنا امام علی نقی ان کی کنیت ابوالحسن ہے اور لقب نقی (طاھر) اور ھادی اور زکی ہے کہ مدینہ میں سن دوسو چودہ میں تیرہ رجب کو پیدا ہوئے۔ اور عسکر شہر میں سن دوسو چون میں جمادی الاخری کی ستائیس تاریخ کو پیر کے دن فوت ہوئے۔ اور عسکر شہر خلیفہ معتصم باللہ عباسی نے بنایا تھا۔ اور اس سے پہلے خلفاء اپنے لشکروں کے ساتھ بغداد میں رہتے رہتے تو خلفیہ معتصم کو اس کے غلاموں نے، جو کہ آٹھ ہزار تھے، کہا تو وہ راض ہوازن میں منتقل ہوگیا۔ اور وہاں ایک خوبصورت شہر بنایا اور مع اپنے لشکر کے وہاں مقیم ہوگیا۔ اس لئے اس شہر کا نام عسکر ہوگیا۔ اور اس کا اصل نام سُرَّ مَن رَاٰی (جو اس کو دیکھتا ہے خوش ہوتا) ہے۔ اور اس کا اصل نام سامراراء کی تشدید کے ساتھ رکھا گیا۔ پھر تخفیف کے ساتھ سامرہ رکھا گیا۔ آپ کاظمین عراق میں مدفون ہیں۔

حضرت سیدنا امام حسن عسکری (رضی اللہ عنھم)۔ ان کی کنیت ابوالحسن ہے اور لقب عسکری ثانی ہے۔ اور سن ۲۳۱ میں ربیع الاول کی چھ تاریخ کو جمعہ کے دن ان کی ولادت ہوئی۔ آپ عراق میں مدفون ہیں۔

امام محمد مھدی

روافض کے نزدیک ابو قاسم محمد بن حسن عسکری جن کے ظہور کا انتظار ہے وہ مہدی ہیں اور اپنے دشمنوں کے خوف سے چھپے ہوئے ہیں عنقریب وہ ظاہر ہوں گے۔ اور وہ دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ اور بوقاسم محمد بن حسن عسکری کے متعلق چار مذھب ہیں (۱) امامیہ کا مذھب یہ ہے کہ یہی مہدی موعود ہیں۔ مگر یہ مذھب غلط ہے کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ مہدی موعود کے والد کا نام عبداللہ ہوگا اور ان کے والد گرامی کا نام حسن عسکری ہے۔ (۲) دوسرا مذھب یہ ہے کہ محمد بن حسن

عسکری کا وجود ہی نہیں ہے کیونکہ حسن عسکری نے اپنے بعد کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ (۳) تیسرا مذھب یہ ہے کہ محمد بن حسن عسکری فوت ہوگئیں ہیں۔ (۴) چوتھا مذھب اھل سنت میں سے بعض اھل کشف کا ہے جو کہتے ہیں کہ محمد بن عسکری زندہ ہیں۔ شیخ عبدالوہاب شعرانی نے نقل کیا ہے۔ فی الحال وہ خلیفہ نہیں ہیں۔ جب ان کا ظہور ہوگا تو اس وقت خلیفہ بنیں گے۔ (النبر اس، الصواعق المحرقۃ) بہرحال اہل سنت و جماعت ابوقاسم محمد بن حسن عسکری مھدی موعود نہیں ہیں بلکہ محمد مہدی بن عبداللہ ہیں جو قرب قیامت ظاہر ہوں گے۔ جیسا کے اس سے قبل ذکر مختصر سا ہو چکا ہے۔

مفتی اکرام الدین رحمہ اللہ متوفی ۱۲۶۵ھ لکھتے ہیں فرقہ مذکورہ کے علاوہ اور فرقہ بھی ہے جسے اثنائے عشریہ کہتے ہیں اور جن کی سکونت مؤلف کتاب (مفتی اکرام الدین رحمۃ اللہ علیہ) کے شہر میں بکثرت ہے وہ فرقہ سوائے بارہ اماموں کے جو (۱) امیر المؤمنین حضرت علی (۲) امام حسین (۳) امام حسن (۴) امام زین الابدین (۵) امام باقر (۶) امام جعفر صادق (۷) امام موسیٰ کاظم (۸) امام علی رضا (۹) امام تقی (۱۰) امام نقی (۱۱) امام حسن عسکری (۱۲) امام مہدی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور کسی کو امام نہیں مانتا ہر چند کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے اور بھی امام ہوئے ہیں مگر یہ فرقہ ان کے سوا اور کسی کی امامت کا منعقد نہیں۔ (سعادات الکونین فی فضائل الحسنین ص ۳۲۵)

اہل سنت و جماعت ائمہ اہل بیت سب کو مانتے ہیں صرف بارہ نفوس قدسیہ میں منحصر نہیں کرتے بلکہ اہل سنت کے نزدیک نسبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے اھل بیت کا ہر فرد قابل تعظیم واحترام ہے۔

ائمہ اہل بیت کا ذکر مدرجہ ذیل کتب میں کیا گیا ہے۔

شرح عقائد النسفی	علامہ سعد الدین تفتازانی ۷۹۲۔
فصل الخطاب	خواجہ محمد پارسا الحافظی البخاری متوفی ۸۲۲ھ۔
شواھد نبوت	مولانا عبدالرحمن جامی ۸۹۹ھ۔
الصواعق المحرقۃ	علامہ احمد ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ۔

النبر اس شرح العقائد	علامہ عبدالعزیز متوفی ۱۲۳۹ھ۔
نورالابصار فی مناقب ال بیت النبی المختار	شیخ مومن بن حسن الشّبلنجی
اسلام کی چوتھی کتاب	مولوی محمد قادر بھیروی متوفی ۱۳۲۶۔
سعادت الکونین فی فضائل الحسنین	مفتی اکرام الدین ۱۲۲۵۔
رحمۃ العلمین	قاضی سلیمان منصور پوری۔

حضرت سیدنا امام زید (شہید) بن علی

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے بعد تمام برادروں سے برگزیدہ اور افضل حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ حضرت علم وفضل ورع وزہد شجاعت وفصاحت میں بے عدیل تھے۔ خلیفہ ہشام سے آپ نے خلافت کی بابت کچھ گفتگو کی ہشام نے کہا آپ لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ علیہم السلام بھی کنیز کے بطن سے پیدا ہوئے اوران کو اللہ تعالیٰ نے اپنا مقرب ومعزز پیغمبر بنایا۔ اب انصاف کی آنکھ سے دیکھو کہ نبوت بہتر ہے یا خلافت۔ نیز حضرت اسماعیل علیہ السلام رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دادا ہیں۔ (سعادت الکونین فی فضائل الحسنین ص ۳۰۴) بعض نے لکھا صحیح یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ کنیز نہیں تھی بلکہ آپ شہزادی تھی۔ اور حضرت زید بن علی کی والدہ ماجدہ کے بارے میں پیچھے چند قول نقل کئے ہیں۔ حضرت سیدنا امام زید (شہید) بن علی کو ہشام بن عبدالملک کے زمانہ حکومت میں عراق کے گورنر یوسف بن محمد بن یوسف بن عمر ثقفی نے پچیس محرم ۱۲۲ھ میں شہید کرادیا تھا۔ آپ کی تالیفات میں سے مسند الامام زید مشہور حدیث کی کتاب ہے۔

ابوالقاسم محمد بن علی بن ابی طالب الھاشمی القرشی المعروف ابن الحنفیہ:

ابوالقاسم محمد بن حنفیہ (محمد اکبر) محمد نام ہے ابوالقاسم کنیت حضرت علی مرتضیٰ کے فرزند اور حسنین کے

سوتیلے بھائی حضرت علی مرتضیٰ نے حضرت فاطمہ ظہراء کے انتقال کے بعد کئی شادیاں کیں۔ ان بیبیوں میں سے ایک خاتون خولہ المعروف حنفیہ تھیں۔ خولہ کے نسب میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ خولہ بنت جعفر بن قیس بنی حنفیہ کی معزز خاتون تھیں اس لئے محمد بن حنفیہ کہا جاتا ہے۔ حضرت امام محمد بن حنفیہ اپنے والد کے دست راست رہے ہیں۔ جنگ جمل، جنگ صفین میں ساتھ رہے اور حضرت علی مرتضیٰ کی وصیت کے مطابق تینوں بھائی خوشگوار زندگی گزارتے رہے۔ ایک دوسرے سے محبت واحترام کرتے تھے۔ آپ نے فتنہ وفساد سے بچنے کی خاطر یزید کی بیعت کرلی تھی۔ تو بعض روایات کے مطابق آپ نے جانے سے روکا اور کہنے لگے پیارے بھائی مکہ کو جائیں آگے جانے کا خیال بھی نہ کرنا۔ اور آپ مدینہ منورہ میں رہے۔ حضرت امام حسینؓ کے ساتھ بوجہ علالت کے کوفہ نہیں گئے تھے ان کو امام حنفیہ بھی کہتے ہیں۔

امام محمد بن حنفیہ نے بھی زندگی کے مختلف نشیب وفراز دیکھے۔ اور لوگ آپ کی عزت کرتے تھے حضرت حسین کے حقیقی وارث اور جانشین حضرت امام زین العابدین تھے۔

اور شیعان علی کی توجہ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہوگئی اور محمد بن حنفیہ بھی حصول خلافت کی خاطر سعی کرتے تھے۔ جو درست تھی۔ لیکن وہ چاہتے تھے خلیف تب بنو کہ میرا مخالف کوئی نہ ہو۔ آپ کو اگرچہ فرقہ اثنا عشریہ امام نہیں مانتا ان کے تمام ائمہ حضرت فاطمہ کی اولاد سے ہیں۔ لیکن روافض کی ایک جماعت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد ان ہی کو امام تسلیم کرتی ہے۔ اور آپ کے متعلق غلط عقیدے بھی منسوب کرتے ہیں۔ آپ بہت بڑے علم وفضل کمال والے تھے۔ عابد، زاہد، بہادر تھے۔ قریشی تھے۔ ہاشمی تھے۔ آپ نے متعدد شادیاں کیں۔ اور ان سے بہت سی اولادیں ہوئیں۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے۔ آپ ۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۵ برس کی عمر میں یکم محرم الحرام ۸۱ھ میں وصال فرماگئے۔ اور آپ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ (سیر الصحابہ، طبقات ابن

سعد، تاریخ ابن کثیر)

بارہ خلفاء کی پیش گوئی

حضرت جابر بن سَمُرَةُ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
وَلَا یَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِیْزًا اِلَی اثْنَی عَشَرًا خَلِیْفَةً کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْش (مسلم کتاب الامارۃ)۔ باد خلیفہ کے ہونے تک اسلام غالب ہمیشہ رہے وہ سب خلفاء قریش سے ہوں گے۔
حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ یَکُوْنُ اِثْنَا عَشَرَ اَمِیْرًا۔ کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ (صحیح البخاری حدیث ۷۲۲۳)، کہ (میرے بعد) بارہ سردار ہوں گے وہ سب سردار قریش کی قوم سے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لَا یَزَالُ ھٰذَا الدِّیْنُ قَائِمًا مَا کَانَ اثنی عَشَرَ خَلیفةَ کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ (عمدہ القاری ج ۱۶ ص ۱۰۳)۔ یہ دین اس وقت غالب رہے گا اے جب تک بارہ خلیفہ رہے ہیں گے۔ ہر ایک ان میں سے قریش سے ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جو پیشینگوئی فرمائی ہے کہ بارہ خلفاء اور امراء کے ظہور تک دین غالب رہے گا۔ کہ ان کی وجہ سے دین کو عزت وشوکت شان حاصل رہے گی یہ خلفاء راشدین کے علاوہ ہوں گے۔ اوران کے تعین میں اختلاف ہے ایک قول کے مطابق ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ حضرت امیر معاویہ، یزید بن معاویہ، عبد الملک، ولید، سلیمان، یزید ثانی، ولید ثانی وغیرہ۔ اوران بارہ خلفاء میں یزید کا شمار بھی کیا گیا جیسا کہ (فتح الباری ج ۱۶ ص ۲۶۳)۔ تاریخ الخلفاء، الصواعق المحرقہ۔ (شرح مسلم ج ۵ ص ۷۵۵) وغیرہ میں ہے۔ یزید کو ان خلفاء میں شمار کیوں کیا گیا ہے جن کی تعریف کی گئی ہے۔ اگر یہ فاسق فاجر تھا پھر اس سے دین کو کیا فائدہ ہوا تھا بلکہ نقصان ہوا اس کا جواب یوں دیا گیا ہے۔ کہ یزید کو اس لئے ان خلفاء میں شمار کیا گیا کہ لوگ اس کی امارت پر متفق ہو گئے تھے (شرح مسلم ج ۵ ص ۷۵۵ مختصرا)۔ بعض نے لکھا ہے کہ بارہ

خلیفوں سے مراد چاروں خلفاء راشدین حضرت معاویہؓ ان کا بیٹا یزید، عبد الملک بن مروان اس کے چاروں بیٹے ان میں عمر بن عبد العزیز بھی شمار ہوتے ہیں (شرح عقیدۃ الطحاویہ لابن العز) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی لکھتے ہیں۔ ویزید بن معاویہؓ خود ازین میان ساقط است بجہت عدم استقرار او مدت معتد بہا وسوء سیرت۔ (قرۃ لعینین ص ۲۹۸)۔ اور یزید کی حکومت زیادہ مدت قائم نہ ہونے کی وجہ سے اور بری سیرت اور عادتوں کی بناء پر ان بارہ خلیفوں سے ساقط اور خارج ہے۔

ان بارہ اماموں کا ظہور حضرت امام مہدی کے انے سے پہلے ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ امام محمد مہدی کے بعد ہوگا۔ یہ دوسری روایت ضعیف ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان بارہ خلیفوں سے مراد بارہ امام ہیں اور یہ دلیل ضعیف ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں کُلُّھُمْ مِنْ قُرَیْشٍ (ہر ایک قریش خاندان سے ہوگا) یہ نہیں فرمایا کُلُّھُمْ مِنْ عِتْرَتِیْ (میری اولاد سے) مِنْ وَلَدِ فَاطِمَۃِ (یا فاطمہ کی اولاد سے)۔ مِنْ وَلَدِ الْحُسَیْنِ یا حضرت حسین کی اوالاد سے ہوں گے۔ (فتاوی عزیزی)۔ واللہ اعلم۔

بعض لوگوں نے ان ائمہ اہل بیت کی طرف لاتعداد روایات کاذبہ منسوب کی ہیں اور یہ حضرات ان منسوب شدہ عقائد وروایت کاذبہ سے بری ہیں اور ان کی طرف جو عقائد اور روایتیں منسوب کی جاتی ہیں اہل سنت کے نزدیک کوئی اثر نہیں ہے۔ وہ غلط ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں امام ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے (امام باقر رضی اللہ عنہ) ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ اور فقہ وحدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ وسنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق کے فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا

جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ، حضرت جعفر سادق رضی اللہ عنہ کے معاصر اور ہمسر تھے اس لیے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے۔ امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل وکمال میں ان کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت؟ حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھر سے نکلے **وَصَاحِبُ الْبَیْتِ اَدْرٰی بِمَا فِیْہَا**۔ (گھر والا زیادہ جانتا ہے کہ اس میں کیا رکھا ہوا ہے)۔ (سیرت النعمان ص ۳۶) اب سمجھ لینا چاہئے کہ ان ائمہ بیت الکرام کے عقائد کیا تھے تو ان کا پتہ امام ابوحنفیہ کے عقائد ونظریات سے چلتا ہے۔ اس لئے کہ ابوحنیفہ ائمہ اہل بیت سے استفادہ کرتے رہے ہیں۔

حضرت فاطمہ زہراء بنت حسین (رضی اللہ عنہما)

بعض نے لکھا ہیں کہ فاطمہ صغریٰ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر حضرت حسن مثنی بن حسن (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہ گئی تھیں اور اس لئے میدان کربلا میں نہ آسکی تھیں۔ فتاوی عزیزی میں ہے دختر کلاں حضرت امام (رضی اللہ عنہ) کہ فاطمہ کہ فاطمہ صغری نام میداشت او ہمراہ شوہر خود کہ حسن مثنی پسر حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) بود در مدینہ ماندہ ودر دشت کربلا نیامدہ (فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۸۴) مگر دوسرے علماء کے نزدیک یہ بات بالکل غلط ہے۔ بلکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زوجہ حسن مثنی بن حسن میدان کربلا میں شریک ہوئی تھیں اور اس کا ثبوت سنی وروافض کی کتب میں موجود ہے۔ زیادہ تحقیق کے لئے ان کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **فَلَمَّا دَخَلَتِ النِّسَاءُ عَلَى يَزِيْدَ قَالَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ وَكَانَتْ اَكْبَرَ مِنْ سَكِيْنَةَ، يَا يَزِيْدُ! بَنَاتُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ سَبَايَا۔ فَقَالَ يَزِيْدُ:**

يَابِنْتَ اَخِیْ، اَنَا لِھٰذَا کُنْتُ اَکْرَہ۔ (البدایۃ والنھایۃ، ابن کثیر ۸:۱۹۶)، تو جب خواتین اہل بیت یزید کے دربار میں داخل ہوئیں تو فاطمہ بنت حسین نے فرمایا جو سکینہ سے بڑی تھیں کہ اے یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں قید میں ہیں۔ یزید نے کہا: اے بھتیجی! میں اسے پسند نہیں کرتا ہوں۔ یہ بہت بڑی فاضلہ تھیں آپ کی وفات ۱۰۰۰ھ کے بعد ہوئی۔ (سعادت الکونین فی فضائل الحسنین)

اور ان کی بہن سکینہ یہ بھی میدان کربلاء میں تھیں۔ اور انہوں نے یزید کے دربار میں دونوں نے خطبہ بھی دیا تھا ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی ہے۔ (سعادت الکونین فی فضائل الحسنین)

حضرت زینب بنت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا:

حضرت زینب بنت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا جو حضرت فاطمہ زہراء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا کے شکم اطہر سے ۵ھ کو پیدا ہوئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے فرماتے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت بڑے احسن طریقہ سے کی گئی تھی اور آپ (رضی اللہ عنہ) کا نکاح حضرت عبداللہ بن جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) سے ہوا تھا۔ اپنے شوہر سے اجازت لے کر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ مدینہ سے مکہ شریف گئیں اور وہاں سے کربلا میں۔ ان کے دونوں بیٹے عون و محمد بھی تھے۔ جو دونوں میدان کربلا میں شہید ہو گئے تھے اور حضرت زینب اسیران کربلا کے ساتھ دمشق گئی تھیں۔ پھر وہاں سے مدینہ منورہ۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ آپ کا وصال کہاں ہوا ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ پندرہ رجب ۶۲ھ میں اس وقت ہوا جبکہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) شام کے سفر میں جا رہے تھے تو راستہ میں دمشق کے قریب ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں انہیں دفن کیا گیا اور اسی جگہ آپ کا مزار بھی ہے (شہادت نواسہ سید الابرار ۹۱۴)۔

حضرت عبداللہ بن زبیر بن عوام (رضی اللہ عنہ):

آپ بہت بڑے جلیل القدر صحابی تھے حضرت ابوبکر صدیق کے نواسے تھے۔ایک ھجری میں آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے تھے آپ کی پیدائش سے مسلمانوں کو بہت خوشی اور مسرت ہوئی تھی کیونکہ مہاجرین کے یہ پہلے مولود مسعود تھے۔حضرت عبداللہ بن زبیر نے حضرت معاویہ کی زندگی میں یزید کی بیعت نہیں کی تھی اوران کی وفات کے بعد جب یزید کے گورنر نے بیعت لینے کے لئے مجبور کیا تو آپ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) سے دو دن قبل مدینہ منورہ سے مکہ تشریف لے گئے۔ آپ (رضی اللہ عنہ) حرم مکہ میں ہر وقت اللہ کی بندگی کرتے رہتے اور جب حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) مدینہ منورہ سے مکہ تشریف لائے تو لوگ ان سے بہت عقیدت محبت رکھتے وہ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاتے اور حضرت عبداللہ بن زبیر بھی ان کی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔جب حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا اور آپ بھی ان کو نہ جانے کا مشورہ دینے والوں میں سے تھے۔

حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی شہادت کے بعد یزید کی مخالفت میں لوگوں نے آپ (رضی اللہ عنہ) سے بیعت کی۔حضرت عبداللہ ابن عباس ،حضرت محمد بن حنفیہ بن علی (رضی اللہ عنہما) کے علاوہ سب اہل حجاز نے عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ (رضی اللہ عنہ) نے تمام اموی عمال کو مدینہ سے نکال دیا۔اہل مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن حنظلہ کو اپنا امیر بنایا اس کے بعد واقعہ حرہ پیش آیا کہ یزیدی لشکر نے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں اہل مدینہ کو شکست دے دی اور تین دن تک مدینہ کو لوٹا لیکن حضرت علی بن حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔مدینہ منورہ کی تباہی کے بعد مسلم بن عقبہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کا محاصرہ کرنے کے ارادے سے مکے جارہا تھا اور راستہ میں ہی مر گیا اور اس نے حصین بن نمیر کو اپنا قائم مقام بنا دیا ۶۴ھ کو مکہ پہنچا اور اس نے محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی اسی

محاصرہ کے دوران یزید ۶۴ ھ میں مر گیا۔

حصین بن نمیر نے حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کو ایک مشورہ دیا مگر انہوں نے بنی امیہ کے ساتھ زیادہ نفرت کرنے کی وجہ اور اپنی صواب دید کے مطابق قبول نہ کیا عبدالما لک بن مروان نے ۷۱ ھ میں حجاج بن یوسف ثقفی کو بڑی فوج کے ساتھ ابن زبیر کے مقابلہ کے لئے بھیجا اور اس نے عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کیا اور سنگ باری شروع کی ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی مدد کے سارے راستے بند ہو گے، اور چند افراد کے سوا سب نے آپ (رضی اللہ عنہ) کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اپنی ولدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر سے مشورہ لیا تو والدہ نے فرمایا اگر حق پر ہو تو لڑو۔ اور آپ (رضی اللہ عنہ) بڑی شجاحت اور بہادری کے ساتھ لڑتے رہے یہاں تک کہ جمادی الثانی ۷۳ ھ میں شہید کردئے گے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حجاج بن یوسف نے آپ (رضی اللہ عنہ) کی لاش سولی پر لٹکا دی کئی دنوں کے بعد حضرت اسماء (رضی اللہ عنہا) کا گزر ہوا تو دیکھ کر فرمایا یہ شہسوار سواری سے نہیں اترا۔ پھر عبدالملک بن مروان سے شکایت کرنے پر حجاج بن یوسف نے آپ کی لاش مبارک ورثاء کو دے دی اور آپ کو مکہ کے قبرستان حجون میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ (رضی اللہ عنہ) کی خلافت کی مدت ۷ برس ہے۔ آپ (رضی اللہ عنہ) کے بے شمار فضائل ومناقب ہیں۔

ولید بن عتبہ بن ابوسفیان فخر بن امیہ بن عبد مناف بن قصی بن کلاب قریشی اموی

مدینہ منورہ کے گورنر تھے اور انہوں نے حضرت حسین کو مروان کے مشورہ پر گرفتار نہ کرنے کی بنا پر معزول کردیا تھا۔ جمادی الاولی ۶۴ ھ میں طاعون کی بیماری سے وفات پائی۔ (العقد الثمین ج ۶ ص ۱۹۴)۔

نعمان بن بشیر بن سعد بن ثعلبہ انصاری خزرجی ؓ:

صغار صحابہ میں سے تھے۔ ان کی والدہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی ہمشیرہ بھی صحابیہ تھیں۔ ھجرت کے چودہ ماہ بعد ۲ ھ میں پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ احادیث سنیں اولاً دمشق کے قاضی مقرر ہوئے۔ پھر حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے کوفہ کا پھر حمص کا والی مقرر کر دیا تھا۔ آپ مروان کے طرف داروں کے ہاتھوں ۶۴ ھ یا ۶۵ ھ میں شہید کئے گئے (تحفۃ الادب)

آپ نے حضرت مسلم بن عقیل کے کوفہ آنے کے موقع پر نرمی سے کام لیا تو ان کو بطور سزا معزول کر دیا گیا تھا۔

مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن شمس بن عبد مناف قریشی اموی:

۳ رمضان ۶۵ ھ کو ۸۱ سال کی عمر میں دمشق میں وفات پائی اور کل حکومت کی مدت ۹ ماہ ۱۱ دن کی ہے۔ تاریخ میں اس کے بارے میں ہر قسم کی روایات ملتی ہیں ایک بڑی جماعت کے نزدیک صحابی ہے اور بعض کے نزدیک تابعی۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں عن مروان والمسور بن مخرمہ عن جماعت الصحابہ سے بیان کیا گیا۔ یہ حضرت عثمان کے کاتب تھے۔ ہر شخص میں اچھی بات بھی ہوتی ہیں اور بری باتیں بھی مگر مروان کی جانب بہت غلط باتیں منسوب کی گئی ہیں بالخصوص حضرت حسن (رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کرنا وغیرہ۔

حسنین کریمینؓ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے اور لوٹاتے نہیں تھے۔ حضرت علی بن حسینؓ کو چھ ہزار دینار قرض دیئے تھے اور وفات کے وقت کہا کہ ان سے نہ لینا۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق مروان کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت نقصان ہوا اس لئے بہت سے افراد مروان کو برا کہتے ہیں کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ وہ حضرت علی کو گالیاں دیتا تھا نیز اس پر لعنت بھی کی گئی ہے۔ زیادہ تفصیل البدایہ والنہایہ ج ۸ میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن یقطر (رضی اللہ عنہ)

عبداللہ بن یقطرؓ (بقطر) جب حضرت حسینؓ مقام زبالہ پہنچے تو ان کو اپنا خط دیکر لوفہ روانہ کیا تھا۔ حضرت حسینؓ نے اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر کو اہل کوفہ اور مسلم بن عقیل بن ابی طالبؓ کی جانب ایک خط دیکر بھیجا اور اس وقت ان کے قتل ہونے کا علم نہیں تھا تو حسینؓ کے لشکر کو پکڑ لیا تو ان کو قادسیہ سے ابن زیاد کے پاس کوفہ لا یا پھر ابن زیاد نے کہا منبر پر چڑھ کر حسینؓ اور اسکے باپ پر لعنت بھیج (معاذ اللہ)۔ پھر تو اُتر تو میں تیرے بارے میں غور کروں گا۔ وہ پر منبر چڑھے ہے اور حضرت حسینؓ کے لئے دعاء کی اور یزید بن معاویہ اور عبیداللہ بن زیاد اور اسکے والدین پر لعنت کی پھر ان کو محل کے اوپر سے زمین پر پھینک دیا اور سب اعضاء ٹوٹ گئے اور اضطراب کی کیفیت ہوئی اور تھوڑی جان تھی۔ عبدالملک بن عمیر لخمی اٹھا اور ان کو ذبح کر دیا ان پر عیب لگائے اور کہا کہ میں نے ان کو آرام دینے کا ارادہ کیا تھا۔ (موسوعہ کربلا ج ۱ ص ۵۵۴)۔

صحابی ہیں اور حضرت حسینؓ کے ولادت سے تین سال کے بعد ان کی ولادت ہوئی اور یقطر نبی ﷺ کے ہاں خادم تھے اور ان کی زوجہ میمونہ حضرت علیؓ کے گھر تھیں اور وہ حضرت حسینؓ کو دودھ پلاتی تھیں کیونکہ انہوں نے اپنی والدہ کا شیر نہیں پیا تھا اس لئے آپ حضرت حسینؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ (موسوعۃ کربلا ج ۲ ص ۶۷۴، اسد الغابہ، کتاب جمل من انساب الاشراف ج ۳ ص ۳۷۸)

امام محمد بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ) لکھتے ہیں : فَاَتَا رَجُلٌ فَذَبَحَهٗ فَقِيْلَ لَهٗ وَيْحَكَ مَا صَنَعْتَ فَقَالَ اُحِبُّ اَنْ اُرِيْحَهٗ فَلَمَّا بَلَغَ الْحُسَيْنَ قَتْلُ ابْنِ يَقْطر خَطَبَ فَقَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ خَذَلَنَا شِيْعَتُنَا وَقُتِلَ مُسْلِمٌ وَهَانِئٍ وَقَيْسُ بْنُ مُسْهَر وَابْنُ يَقْطر فَمَنْ اَرَادَ مِنْكُمُ الْاِنْصِرَافَ فَلْيَنْصَرِفْ (انساب الاشراف ج ۳ ص ۳۸۰)۔

اس کے پاس ایک مرد آیا تو اس نے اس کو ذبح کر دیا تو اس سے کہا گیا تیرے لئے خرابی ہو تو نے کیا

کیا ہے، پھر اس نے کہا میں چاہتا تھا اس کو آرام اور راحت دے دوں پھر جب یہ خبر حضرت حسینؓ کو پہنچی کہ ابن یقطرؓ قتل ہو گیا ہے آپؓ نے خطبہ دیا اور فرمایا لوگو ہمارے مددگاروں نے ہمیں چھوڑ دیا اور مسلمؓ، ھانیؓ، قیس بن مسھرؓ اور ابن یقطرؓ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ تو جو کوئی تم میں سے واپس جانا چاہے تو چلا جائے۔

عقبہ بن سمعان

عقبہ بن سمعان حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت رباب کے غلام تھے۔ اور اونٹوں کی حفاظت اور دیکھ بال کیا کرتے تھے۔ اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مدینے سے نکلنے سے لے کر کربلا تک آپ کے ساتھ رہے اور سفر کے واقعات وحالات کا مشاہدہ بھی کرتے رہے۔ اور ان کو بیان بھی کرتے تھے دسویں محرم کو عمر بن سعد نے ان کو گرفتار کر لیا تھا جب معلوم ہوا کہ یہ تو حضرت رباب بنت عمر القیس کا عبد مملوک (غلام ہے) تو اس کو چھوڑ دیا تھا۔

انه كان عبدا للرباب زوجة الحسين رضى الله عنه، وانه كان يتولى خدمة افراسه وتقديمها له۔ فلما استشهد الحسين رضى الله عنه فر على فرس، فاخذه آهل الكوفة، فزعم انه عبد للرباب بنت امرى القيس الكلابية، فاطلق سراحه، (موسوعة كربلاء ج١ ص٥٦٩)۔

اور ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے مقتل الحسین میں ان سے واقعات وراوبات نقل کئے ہیں۔ ان کا بیان ہے میں بروقت حضرت حسین کے ساتھ رہا تھا حتی کہ آپ شہید کر دے گئے اور آپ نے دو شرطیں رکھیں تھیں کہ مجھے واپس جانے دو جہاں سے آیا ہوں یا مجھے کسی اسلامی سرحد کی طرف جانے کی اجازت دو۔ اور یہ نہیں کیا تھا ان يضع يده فی يد يزيد بن معاويه (مقتل الحسین) انہوں نے کبھی لوگوں سے نہیں کہا کہ میں لوگوں سے نہیں کیا کی میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ رکھ دوں گا۔

ابن الاثیر الکامل فی التاریخ ابن کثیر الکامل فی التاریخ ابن کثیر البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۱۷۵ مقتل الحسین لابی مخنف لوط بن یحییٰ)۔مگر عمر بن سعد جو پیغام عبید اللہ کو بھیجا تھا اس میں یہ تھا حضرت حسین تین شرطوں کا مطالبہ کیا۔(۱) میں جہاں سے آیا ہوں وہاں جاوں،(۲) یا میں کسی اسلامی سرحدات میں کسی سرحد کی طرف چلا جاوں،مگر ان یاتی یزید فیضح یدہ فی یدہ (الاشرف الانساب ج ۳ ص ۹۳،تاریخ الطبری ج ۵ ص ۴۱۵،المفید الارشاد ج ۲ ص ۸۸)،مقتل الحسین ابن مخنف۔ کتاب تلخص الشافی،اعلام الودی باعلام لھدی،بحار الانوار،کتاب الارشاد،تنزھیہ الانبیاء والائمہ، شرح فارسی ارشاد مفید،نبراس ص ۵۴۰،وغیرہ کتب میں لکھا ہے ان اضایدی فی یزید بالفاظ دیگر عبارت مذکور ہے لہٰذا اس کے ثبوت اور عدم ثبوت کی بحث میں پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مجتہدین میں سے تھے جو وہ چاہتے فیصلہ فرماتے تھے۔

فرزدق ھمام بن غالب بن صعصۃ التمیمی الدارمی:

(متوفی ۱۱۰ھ) ابولفراس کنیت ہے۔شاعر فرزدق کے ساتھ مشہوا رہیں۔بصرہ میں دور خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی زندگی گزاری قرآن مجید کا حافظ تھا اور اولا دعلی کی حمایت و مدافعت میں کچھ قابل تعریف کارنامے بھی ہیں جن سے اخلاص وصداقت کا پتہ چلتا ہے۔

عبداللہ بن مطیع رحمہ اللہ تعالیٰ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔سقا اور ابواء کے درمیان ان کی زمین اور کنواں تھا۔عبداللہ بن مطیع نے فتنہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں بھاگنے کا ارادہ کیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے منع فرمایا۔جب حضرت حسین بن علیؓ مکے کا ارادہ کر کے مدینہ سے نکلے تو عبداللہ بن مطیع پر گزرے اور وہ اپنا کنواں کھودرہے تھے۔مکہ جانے کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا مکے قیام کرنیکا ارادہ ہے اور روافض نے بھی بلایا ہے۔عبداللہ بن مطیع نے کہا میرے والدہ باپ قربان

! آپؓ اپنی ذات سے ہمیں مستفید کیجئے اوران لوگوں کے پاس نہ جایئے حضرت حسینؓ نے انکار کیا۔

عبداللہ بن مطیع رحمۃ اللہ عبداللہ بن زبیرؓ کے تمام امور میں ان کے ساتھ تھے۔ ۶۵ھ میں عبداللہ بن زبیرؓ کی بیعت کر لی اور عبداللہ بن مطیع کو کوفہ کا والی بنا دیا۔ بعد میں مکہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ مقیم رہے یہاں تک کہ ان کی وفات عبداللہ بن زبیرؓ کے شہید ہونے سے کچھ ہی پہلے ہوئی (طبقات ابن سعد مختصراج ۳)۔

ان کی ملاقات حضرت حسینؓ سے دو مرتبہ ہوئی تھی۔ ایک مکہ کی طرف روانگی کے وقت راستہ میں۔ جس کا یہاں ذکر ہوا ہے۔ اور دوسری مرتبہ جب آپؓ کوفہ کی جانب روانہ ہوئے تو عبداللہ بن مطیع راستہ میں ملے اور کوفہ جانے سے منع کیا تھا۔

ھانی بن عروہ:

یہ قبیلہ بنی مراء مزحجی کے سردار تھے۔ سیدنا علی (رضی اللہ عنہ) کے دور میں جنگوں میں شریک ہوتے رہے اور کوفہ میں ۶۰ھ میں شہید ہو گئے ہیں۔ مسلم بن عقیل اولاً مختار بن عبید کے گھر ٹھرے پھر ہانی بن عروہ کے ہاں قیام کیا تھا۔

حر بن یزید تمیمی ریاحی:

حرر بن یزید تمیمی ریاحی ان کا خاندان قدیم الایام سے عزت وعظمت کا مالک تھا حر کا جداعلیٰ عتاب بادشاہ حیرہ نعمان بن منذر کے مخصوصین میں سے تھا۔ خود جناب حر کا شمار کوفہ کے رؤسا وصنادید میں ہوتا تھا اور سپاہ ابن زیاد میں ایک دستہ فوج کے افسراعلیٰ تھے پہلے پہلے ابن زیاد نے انہی کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا تھا۔ اس کے بعد جو واقعات اتے رہے وہ دیکھتے رہے۔ آخر کار یہ یزیدی لشکر سے نکل کر حضرت حسین (رضی اللہ عنہ)

کی مدد کے لئے میدان میں آنکلے اور جھرت و بہادری کے جوہر یکھاتے ہوئے جام شہادت نوش فرما کر دوزخ سے آزادی حاصل کر لی۔

دسواں باب قاتلین کا برا انجام

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُوْنَ (ابراہیم ۴۲) اور ہرگز گمان نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان اعمال سے جو ظالم کرتے ہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ (سورہ شعراء ۲۲۷) مگروہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور بکثرت اللہ کی یاد کی اور بدلہ لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

واقعہ کربلا سے پانچ سال بعد ۶۶ ھ میں مختار ثقفی نے قاتلان حسینؓ سے قصاص لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو عام مسلمان اسکے ساتھ ہو گئے اور قاتلان حسینؓ کی تفتیش و تلاش پر پوری قوت خرچ کی ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ ایک روز میں ۲۴۸ آدمی اس جرم میں قتل کئے گئے جو کہ قتل حسینؓ میں شریک تھے۔ ان میں سے بعض کے انجام بد کا ذکر حصول عبرت کی خاطر کیا جاتا ہے۔

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان:

اللہ تعالی فرماتا ہے {وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا} (سورہ اسراء ۳)، اور جو شخص مظلوما قتل کیا گیا۔ ہم نے اسکے وارث کو قوت دی ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت حسینؓ کو ظلما قتل کرنیوالوں کو ہلاک کر دیا۔

ابوخالد یزید (بن معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ بن عبدشام بن عبد مناف) ۲۶ھ میں پیدا ہوا اور اس کی والدہ کا نام میسون بنت بحدل بن انیف کلبیہ تھا یعنی یہ قبیلہ بنو کلب سے تھی اور جس

روز یزید کی بیعت ہوئی تھی اس کی عمر ۲۳ سال تھی اور یزید ۱۴ ربیع الاول ۶۴ ھ میں ۳۵، ۳۸ یا ۳۹ سال کی عمر میں فوت ہوا۔ اس کی حکومت ۳ سال ۶ ماہ یا ۸ ماہ رہی۔ یزید نے خود بھی امارت کی تمنا کی تھی اور والد سے کہا تھا میرے لیے ایک وصیت لکھ دیں۔ یزید نوعمری میں شرابی اور نوعمر وں والی حرکات کیا کرتا تھا۔ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اس پر اسے تنبیہ بھی کی۔ بعض جنگوں میں بھی شریک ہوتا تھا اور ۵۰ ھ ۵۲ ھ میں لوگوں کو حج بھی کروایا تھا۔

حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے وفات سے قبل یزید کو بڑی کارآمد وصیتیں کی تھیں۔ بالخصوص حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی تھی۔ مگر ان وصیتوں کو اقتدار کے نشہ میں بھول گیا۔

یزید کی بدعملی:

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یزید میں حلم، سخاوت، فصاحت، شعر، شجاعت اور حکومت کے بارے میں خوش کن قابل تعریف خصائص بھی تھیں اور باہم مل کر رہن سہن کا بھی اچھا تھا۔ اسی طرح شہوات اور بعض اوقات بعض نمازوں کے ترک کرنے اور اکثر اوقات انہیں نہ پڑھنے کی بھی عادت پائی جاتی تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸: ۲۳۹)

نیز علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں، روایت ہے کہ یزید گانے بجانے کے آلات، شراب نوشی کرنے، راگ الاپنے، شکار کرنے، غلام اور لونڈیاں بنانے، کتے پالنے، مینڈھوں، ریچھ اور بندروں کے لڑانے میں مشہور تھا۔ ہر صبح کو مخمور ہوتا اور وہ زین دار گھوڑے پر بندر کو زین سے باندھ دیتا اور وہ اسے چلاتا۔ بندر کو سونے کی ٹوپی پہناتا اور یہی حال غلاموں کا تھا۔ اور وہ گھڑ دوڑ کراتا اور جب کوئی بندر مر جاتا تو اس پر غم کرتا اور بعض کا قول ہے کہ اس کی موت کا باعث یہ ہوا کہ اس نے ایک بندر اٹھایا اور اسے

نچانے لگا تو اس نے اسے کاٹ لیا اور لوگوں نے اس کے علاوہ بھی اس کے بارے میں باتیں بیان کی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی صحت کو بہتر جانتا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ۸:۶ ۲۳۶۔ ۲۳۵)۔

علامہ عبدالرحمن بن خلدونؒ لکھتے ہیں: یزید کی ولی عہد کے سلسلے میں چند مسائل ایسے بھی ہیں جن پر صحیح صحیح روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً عہد خلافت میں یزید فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا۔ حضرت معاویہؓ کی شان عدالت دیکھتے ہوئے یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ آپ کو اسے ولی عہد مقرر کرتے وقت یزید کے فسق و فجور کا علم تھا کیونکہ آپ انتہائی عادل اور صاحب فضل تھے بلکہ یزید کو اپنی زندگی میں گانا سننے پر برا بھلا کہتے رہتے تھے اور اس سے روکتے رہتے تھے۔ حالانکہ گانا سننا دوسرے گناہوں کے مقابلے میں کم درجے کا ہے۔ پھر گانا سننے کے بارے میں صحابہ کے اقوال مختلف ہیں۔ (مقدمہ ابن خلدون اردو، ج ۲ ص ۲۳)۔

اور بدعملی میں حد سے زیادہ تجاوز کی چنانچہ، علامہ عبدالعزیز پرھارویؒ (متوفی ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں: ثُمَّ اِنَّهُ قَدْ رُوِیَ عَنْهُ اُمُوْرٌ آخَرُ مُنْكَرَةٌ مِنَ الْفِسْقِ وَالْفُجُوْرِ وَ اَشَدُّ الْمُنْكَرَاتِ مَاجَرٰی عَلٰی اَهْلِ الْبَيْتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ (نبراس ص ۵۵۱)۔ پھر اس سے اور برے کاموں کا ارتکاب کرنا روایت کیا گیا ہے اور سب سے بری باتوں سے وہ ہے جو اہل بیت سے اس نے (سلوک بد) کیا تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یزید کو حضرت امیر معاویہؓ نے جب خلیفہ بنایا تھا اس وقت اسکی عملی حالت اچھی تھی خلافت کے بعد اس میں خرابی اور بدعملی پیدا ہوء گئی تھی۔ یزید کا اپنے دور میں آل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کروانا اور مدینہ منورہ اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی کروانا اور اہل مدینہ پر ظلم وستم عام کرنے کی اجازت دینا وغیرہ ایسے کار بد ہیں جن کی وجہ سے یزید کی دنیا سیاہ ہوگئی۔ اور چند روزہ دنیوی حکمرانی کی خاطر اپنی آخرت بھی برباد کرلی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی دعا

قبول ہوئی اور یہ زیادہ عرصہ حکومت نہ کر سکا۔

یزید کے حق میں دعا:

چنانچہ عطیہ بن قیس کہتے ہیں، کہ ایک روز خطبہ میں حضرت امیر معاویہ (رضی اللہ عنہ) نے اس طرح دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ اِنَّمَا عَهِدْتُ لِيَزِيْدَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ فَضْلِهٖ فَبَلِّغْهُ مَا اَمَلْتُ وَاَعِنْهُ وَاِنْ كُنْتُ اِنَّمَا حَمَلَنِىْ حُبُّ الْوَالِدِ لِوَلَدِهٖ وَاَنَّهٗ لَيْسَ لِمَا صَنَعْتُ بِهٖ اَهْلاً فَاقْبِضْهُ قَبْلَ اَنْ يَبْلُغَ ذٰلِكَ ۔ (تاریخ الخلفاء، امام جلال الدین سیوطی ۱۶۴)

ترجمہ: اے اللہ اگر میں یزید کو اس کی لیاقت اور ہوشمندی کے باعث ولیعہد بنا رہا ہوں تو میری اس کام میں مدد فرما اور اگر میں محض شفقت پدری کے باعث ایسا کر رہا ہوں اور وہ خلافت کے قابل نہیں تو اس کو (حاکم بننے سے) پہلے موت دے دے۔

نیز فرمایا: اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ يَزِيْدُ عَلٰى مَا اَظُنُّهٗ وَاِلَّا فَعَجِّلْ مَوْتَهٗ وَقَدِ اسْتُجِيْبَ دُعَائُهٗ فَلَمْ يَطُلْ مُلْكُهٗ ۔ (نبراس شرح شرح العقائد ۵۴۱)۔ اے اللہ! اگر یزید میرے گمان کے مطابق ہے تو فبہا (ٹھیک ہے) ورنہ تو اس کو جلد ہلاک کر دینا۔ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی دعا قبول ہوئی اور اس کی حکومت زیادہ عرصہ نہ رہ سکی۔

حضرت سعید بن مسیب ؒ یزید کے دور حکومت کے سالوں کا نام منحوس رکھتے تھے پہلے سال میں حضرت حسین بن علی ؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت قتل ہو گئے (شہید کئے گئے)۔ اور دوسرے (سال) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم (مدینہ) کو مباح کر لیا گیا اور تیسرے (سال) میں اللہ تعالی کے حرم (مکہ) میں خون بہائے اور کعبہ کو جلا دیا گیا۔ (تاریخ یعقوبی ج ۲ اردو ۴۱۷)۔

دور یزید میں تین بڑے جرم ہوئے ہیں:

(۱) حضرت حسینؓ اوران کے رفقاء کی شہادت کا واقعہ۔ (۲) اہل مدینہ کے خروج پر واقعہ حرہ کا پیش آنا (۳) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو شہید کرنے کی خاطر خانہ کعبہ کا محاصرہ کرنا۔ اس بناء پر یزید کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں کوئی احترام نہ رہا۔ سب سے زیادہ دردناک واقعہ حضرت امام حسینؓ عالی مقام کی شہادت کا ہے۔

عبدالرحمن بن ابی مزعور کہتے ہیں، مجھے بعض اہل علم نے بیان کیا یزید بن معاویہ نے جو آخری بات کی وہ یہ تھی: اَللّٰھُمَّ لَا تَأْخُذْنِیْ بِمَا لَمْ اُحِبَّہٗ وَلَمْ اُرِدْہُ وَاحْکُمْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زِیَادٍ وَکَانَ نَقْشُ خَاتَمِہٖ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ (قید الشرید ص ۵۰)۔

اے اللہ مجھے اس کام میں نہ پکڑ جس کا کرنا اور ہونا میں نے پسند نہیں کیا اور نہ میں نے اسکے کرنے کا ارادہ کیا اے اللہ میرے اور عبید اللہ بن زیاد کے درمیان فیصلہ فرما۔ اور اسکی انگشتری کا نقش: کہ میں اللہ بزرگ پر ایمان لایا۔ اور دوسری روایت میں ہے ربنا اللہ (ہمارا رب اللہ ہے) لکھا ہوا تھا (حاشیہ قید الشرید)۔ علامہ محمد بن طولون حنفیؒ (متوفی ۹۵۳ھ) لکھتے ہیں ابو فضل محمد بن محمد العبدی قاضی بحرین نے ہم سے بیان کیا اس نے کہا کہ میں نے یزید بن معاویہ کو خواب میں دیکھا تو میں نے کہا: اَاَنْتَ قَتَلْتَ الْحُسَیْنَ، کیا تو نے حضرت حسینؓ کو قتل کیا ہے، اس نے کہا میں نے ان کو قتل نہیں کیا۔ میں نے کہا کیا تجھے اللہ نے بخش دیا ہے اس نے کہا ہاں اور مجھے جنت میں داخل کر دیا ہے (قید الشریر ص ۵۱)۔

یاد رہے کہ یہ ایک خواب ہے جو کسی کے جنتی اور دوزخی ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

بعض لوگ ایک حدیث کی روشنی میں یزید کو جنتی ثابت کرتے ہیں۔

اَوَّلُ جَیْشٍ یَغْزُوْا مَدِیْنَۃَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ (بخاری) کہ اللہ کی طرف سے اس لشکر کے لئے مغفرت ہے اور وہ پہلا لشکر مغفور ہے جو سب سے پہلے قسطنطنیہ پر چڑھائی کرے گا۔

اور یہ پہلا لشکر تو حضرت امیر معاویہؓ کے زیر کمان گیا تھا اور یزید اس سے پہلے لشکر میں شامل نہیں تھا جیسا کہ علامہ حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے،:ثُمَّ کَانَ اَمِیْرُ الثَّانِیْ اِبْنَہٗ یَزِیْد (البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۲۲۹)۔ پھر حضرت امیر معاویہ کا لڑکا یزید دوسرے لشکر کا امیر ہوا تھا۔

حضرت ام حرامؓ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ لشکر کے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت ہے مجھے بھی اس لشکر میں شامل کرلیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ ، کہ تم پہلے لشکر میں سے ہو۔ اس حدیث میں یزید کا ذکر نہیں ہے، بخشش اسکے لئے ہے جس کے لئے مغفرت کی شرط اور سبب پایا جائے۔ بالفرض ہو بھی تو تب بھی وہ اس عموم سے خارج ہوگا۔

جنتی وہ حضرات ہیں جن کے جنتی ہونے کی نبی ﷺ نے بشارت دی ہے۔ مثلاً عشرہ مبشرہ حضرت فاطمہؓ اور حسنین کریمینؓ کے بارے میں جنتی ہونے کی بشارت دی گئی ہے ان کے علاوہ ہر مسلمان کے بارے میں حسن ظن رکھنا چاہئے کسی کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں دیا جاسکتا ہے کہ فلاں جنتی ہے یا فلاں دوزخی ہے کیونکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے پیاروں کے پیاروں سے محبت و دوستی رکھنا جزو ایمان ہے۔ اللہ اور رسول کے پیاروں کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔ اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوگا۔ حضرت مجدد الف ثانی ایک مصرہ نقل فرماتے ہیں، تولی بے تبری نیست ممکن، یعنی دوستی دشمنوں سے بے زاری کے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت حسینؓ کے دشمنوں سے دشمنی ہی ہونی چاہئے۔

یزید کو امیر المومنین کہنے پر سزا دی گئی:

بعض لوگ یزید کو امیر المومنین کہتے ہیں چنانچہ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں، نوفل بن ابوالفرات کہتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (اموی) کے پاس بیٹھا ہوا تھا یزید کا

کچھ ذکر آ گیا ایک شخص نے یزید کو امیر المومنین یزید بن معاویہ کہکر نام لیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس شخص سے کہا کہ تو اسے امیر المومنین کہتا ہے۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ یزید کو امیر المومنین کہنے والے اس شخص کو ۲۰ کوڑے لگائے جائیں (تاریخ الخلفاء اردو ص ۲۹ ۴، عربی ص ۱۶۶، تھذیب التھذیب ج ۶ ص ۱ ۳۶۱)۔

امام احمد رضا خان بریلویؒ ایک سوال کا جواب میں فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یزید پلید تھا اسے پلید کہنا اور لکھنا جائز ہے اور اسے رحمۃ اللہ تعالی نہ کہے گا مگر ناصبی کہ اہل بیت رسالت کا دشمن ہے **والعیاذ باللہ تعالی** (فتاوی رضویہ ج ۱۴ ص ۶۰۳)

علامہ عبد العزیز پڑھاروری لکھتے ہیں کہ امام ابن جوزی وغیرہ کا نصوص عامہ کے ذریعہ یزید پر لعنت کے جواز پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اور ان نصوص میں لعنت سے مراد فعل کی مذمت کرنا ہے اور وہ فعل کرنے والا شخص معین کے اوپر لعنت کو جائز قرار دینا نہیں ہے اس تحقیق کو یاد کرلو اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو قواعد شرع کی رعایت نہیں کرتے اور یزید پر لعنت کرنے سے روکنے والے کے بارمیں خارجیوں میں سے ہونے کا فیصلہ کر دیتے ہیں جی ہاں یزید کے افعال کی برائی مشہور ہے اور اہل بیت سے محبت واجب ہے اور یزید پر لعنت کرنے سے روکنا اہل بیت کی محبت کی کمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ قواعد شرع کی وجہ سے ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)۔ (نبراس ص ۵۵۵)۔

ظلم کا انجام ساری نسل کا اختتام:

یزید نے حضرت حسینؓ کی نسل پاک کو ختم کرنا چاہا تھا مگر حق تعالی کو کچھ اور ہی منظور تھا کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت حسینؓ کی نسل چاروں دانگ عالم میں پھیل گئی۔ حسینی سادات اقالیم کے گوشے گوشے میں پہنچ گئے اور ہر جگہ موجود ہیں لیکن یزید کی نسل اسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ آج دنیا سے اسکا وجود ہی اٹھ گیا۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنھایہ میں یزید بن معاویہ کی بیس

اولاد کو نام بنام گنا کہ جن میں ۱۵ لڑکے اور ۸ لڑکیاں تھیں : وَقَدِ انْقَرَضُوْا كَافَّةً فَلَمْ يَبْقَ لِيَزِيْدَ عِقَبٌ (شہداء کربلا پر افتراء بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۴۵)۔ سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے کوئی ایک باقی نہ بچا۔

اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ بیشک آپ کا دشمن منقطع النسل ہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے ☆ نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچہ تیرا

شیخ عبداللہ بن محمد لکھتے ہیں کہ جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شہید کردئے گئے اور بنی امیہ خلافت پر قابض ہوگئے وَفَفَرَّقُوْا آلَ بَيْتَ رَسُوْلَ اللهِ شَرْقًا وَغَرْبًا اور پھر اہل بیت رسول مشرق ومغرب میں متفرق ہوگئے۔ اور ابن زیاد نے حکم دیا کہ عراق وکوفہ میں اعلان کیا جائے اور یہ ندا دی جائے اَنَّ مَنْ ذَكَرَ عَلِيِّ ابْنِ طَالِبٍ وَاَوْلَادُهٗ وَشِيْعَتُهٗ ضُرِبَ عُنُقُهٗ (قرۃ العین فی اخذ ثار الحسین ص ۳۵ مع نور العین فی مشہد الحسین مطبوعہ قاہرہ)، بیشک جو علی ابن ابی طالب ان کی اولاد ان کی حمایت کرنے والوں کا ذکر کرے اس کی گردن کو ماردیا جائے۔ اس حوالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی وجہ ہے سادات کرام دنیا کے مختلف جگہوں میں آباد ہیں۔ اور مختلف نسبتوں سے آپ کو ظاہر کرتے ہیں مثلاً مشہدی بخاری سبزاواری ہے۔

یزید کی حمایت میں تحریر شدہ کتب:

چنانچہ عبدالمغیث بن زہیر علوی حربی بغدادیؒ (متوفی ۵۸۳ھ) نے فضائل اور حمایت یزید میں کتاب لکھی تھی، بہت سی من گھڑت روایات کو جمع کیا تھا۔ علامہ ابن جوزیؒ یزید پر لعنت بھیجا کرتے تھے اور اس کے رد میں بھی کتاب لکھی جس کا نام: اَلرَّدُّ عَلَى الْمُتَعَصِّبِ الْعَنِيْدِ الْمَانِعِ مِنَ الْيَزِيْدِ ہے اور یہ دونوں ساری زندگی ایک دوسرے کا رد کرتے رہے اور ناراض رہے (قید الشدید من اخبار یزید)۔

یزید کو امیر المومنین ثابت کرنے کے لئے آج سے کئی سال قبل متعدد کتابیں تحریر کی گئی تھیں جن میں رنگ خارجیت ہی نہیں تھا بلکہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا انکار بھی کیا گیا تھا۔ خلافت معاویہؓ و یزید، تحقیق مزید، سادات بنو امیہ، رشید ابن رشید، تحقیق سید و سادات، وغیرہ ان میں عداوت اہل بیت کے متعلق بے سند، غیر تحقیقی مواد جمع کیا گیا تھا۔ اور بعض علماء نے ان کتب کی تائید و توثیق بھی کی تھی جیسا کہ رشید ابن شید کے ص ۳۴۹ پر لکھا ہوا ہے۔ پھر جب ہنگامہ برپا ہوا تو بعض علماء نے حضرت امام حسینؓ کے خلاف تحریر شدہ کتابوں کا رد کیا اور ان سے برأت کا بھی اظہار کیا ہے مثلاً (کتاب) شہید کربلا اور یزید، میں (کتابِ) خلافت معاویہ و یزید کا رد کیا۔ اسی طرح کتاب حادثہ کربلا کا پس منظر میں یزید اور اس کی حمایت کرنے والی (خارجی، ناصبی) پارٹی کا رد کیا ہے اور بعض علماء اہل سنت نے بھی خارجی و ناصبی لوگوں کی کتابوں کا خوب رد کیا ہے۔ مثلاً امام پاک اور یزید پلید، کربلا کا مسافر، شہید ابن شہید حصہ دوم۔ ان کے علاوہ بہت سی کتب پیش نظر ہیں مگر ان میں لعن وطعن اور داستان سرائی کے سواء اور کچھ بھی نہیں۔ اب ضرورت ہے کہ خارجیت، رافضیت اور تفضیلیت کے سیلاب کو روکنے کے لئے مدلل کتابیں لکھیں جائیں، تاکہ مسلمانوں کے عقائد خراب نہ ہوں۔

یزید کے بارے میں تین مذہب

یزید کو بعض بہت پسند کرتے ہیں اور بعض کافر کہتے ہیں اور بعض یزید کو فاسق فاجر مسلمان بادشاہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن عماد حنبلیؒ لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ الصَّلَاحِ وَالنَّاسُ فِیْ یَزِیْدَ ثَلَاثُ فِرَقٍ فِرْقَةٌ تُحِبُّهٗ وَ تَتَوَلَّاهُ، وَ فِرْقَةٌ تَسُبُّهٗ وَ تَلْعَنُهٗ، وَفِرْقَةٌ مُتَوَسِّطٌ فِیْ ذٰلِكَ لَا تَتَوَلَّاهُ وَلَا تَلْعَنُهٗ قَالَ وَ هٰذِهِ الْفِرْقَةُ هِیَ الْمُصِیْبَةُ وَ مَذْهَبُهَا هُوَ اَلْیَقُ لِمَنْ یَّعْرِفُ بِسِیَرِ الْمَاضِیْنَ وَ یَعْلَمُ قَوَاعِدَ

الشَّرِيْعَةِ الطَّاهِرَةِ (شذرات الذهب ج ۱)، ابن صلاح نے کہا کہ یزید کے بارہ میں لوگوں کے تین گروہ ہیں۔ایک گروہ یزید سے محبت کرتا ہے اور اسکو دوست رکھتا ہے اور ایک فرقہ اس کو بُرا کہتا ہے اور لعنت کرتا ہے اور ایک گروہ درمیانی اور متوسط نظریہ رکھتا ہے۔نہ تو یزید کو پسند کرتا ہے اور نہ لعنت کرتا ہے یہی گروہ درست ہے یہ اُس کے لئے ہے جو گزشتہ لوگوں کی سیرت سے واقف ہو اور شریعت پاک کے قواعد کو جانتا ہو۔

حضرت امام احمد رضا خان بریلوی فرماتے ہے کہ یذید پلید کے بارے میں ائمہ اہل سنت کے تین قول ہیں:

(۱) امام احمد وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں تو ہر گز بخشش نہ ہوگی۔

(۲) امام غزالی وغیرہ مسلمان تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالاخر بخشش ضرور ہوگی۔

(۳) اور ہمارے امام سکوت فرماتے ہیں کہ نہ مسلمان کہیں نہ کافر لھذا ہم سکوت کریں گے۔

(فتاوی رضویہ ج ۱۴ ص ۶۸۲) نیز لکھا ہے مثلا یزید پلید علیہ ما علیہ ہے کہ محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا (فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۲۳۶) ۔

بعض یزید پر لعنت کرنے کے قائل ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔(سورہ نساء ۹۳) ترجمہ: اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں اور غضبناک ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر اور اپنی رحمت سے دور کردے گا اسے اور تیار کیا کر رکھا ہے اس نے اس کے لئے عذاب عظیم۔

قران کریم میں ارشاد ہوتا ہے: {اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا} (سورہ احزاب ۳۳: ۵۷)، بے شک جولوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ۔ (سورہ ھود ا) اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں وَبَعۡضُہُمۡ اَطۡلَقَ اللَّعۡنَ عَلَیۡہِ لِمَا اَنَّہٗ کَفَرَ حِیۡنَ اَمَرَ بِقَتۡلِ الۡحُسَیۡنِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ وَاتَّفَقُوۡا عَلٰی جَوَازِ اللَّعۡنِ عَلٰی مَنۡ قَتَلَہٗ وَاَمَرَ بِہٖ وَاَجَازَہٗ وَرَضِیَ بِہٖ۔ وَالۡحَقُّ اِنَّ رَضَا یَزِیۡدَ بِقَتۡلِ الۡحُسَیۡنِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُ وَاسۡتِبۡشَارَہٗ بِذٰلِکَ وَاِھَانَتَہٗ اَھۡلَ بَیۡتِ النَّبِیِّ ﷺ مِمَّا تَوَاتَرَ مَعۡنَاہُ وَاِنۡ کَانَ تَفَاصِیۡلَہٗ اٰحَادًا۔ فَنَحۡنُ لَا نَتَوَقَّفُ فِیۡ شَانِہٖ بَلۡ فِیۡ اِیۡمَانِہٖ لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اَنۡصَارِہٖ وَاَعۡوَانِہٖ۔ (شرح عقائد نسفی مع نبراس ۵۵۳) اور بعض علماء نے یزید پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے (جیسا کہ محدث ابن جوزی، امام احمد بن حنبل) اس لئے کہ وہ کافر ہو گیا تھا جبکہ اس نے حسین (رضی اللہ عنہ) کے قتل کا حکم کیا (قتل کا حکم کرنا گناہ ہے قواعد اہل سنت کے مطابق کفر نہیں ہے) اور علماء نے اتفاق کیا ہے لعنت کے جواز پر اس شخص پر جس نے حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل یا ان کے قتل کا حکم کیا یا اس کی اجازت دی اور اس سے راضی ہوا اور حق بات یہ ہے کہ یزید کا راضی ہونا حسین (رضی اللہ عنہ) کے قتل سے اور اس سے اس کا مسرور ہونا اور اہل بیت کی اہانت کرنا ان چیزوں میں سے ہے جس کے معنی متواتر ہیں اگر چہ اس کی تفاصیل آحاد ہیں تو ہم توقف نہیں کرینگے اس کی شان میں (اس کے برے فعل میں بیشک ہم یقین کرتے ہیں کہ اس کا برا فعل ہے یا ہم نہیں توقف کریں گے اس کے حق میں لعنت کرنے میں ہم اس پر لعنت کے جواز میں یقین کرتے ہیں) بلکہ ایمان میں (ہم توقف

کرتے ہیں اس کے ایمان میں کہ وہ رضا اور خوش ہونے سے کافر ہوا، اس میں نظر ہے اس لئے کہ راضی ہونا اور خوش ہونا اس وقت کفر ہوتا ہے جب کہ کسی گناہ پر ہو اس اعتبار سے کہ وہ گناہ ہے لیکن دنیاوی عداوت کی بنا پر ایسا نہیں ہے جیسا کہ محققین نے ثابت کیا ہے) اللہ کی لعنت ہو اس پر اور اس کے مددگاروں اور اس کے معاونین پر۔

یعنی ہم اس کے لعنت کے بارے میں تردد (شک) نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان کے بارے میں (شک) تردد کرتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ نے لعنت اللہ علیہ کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لی اور محبت اہل بیت کا ثبوت دیا۔ علامہ تفتازانی نے ممکن ہے حضرت معاویہؓ کے بارے میں **تعریضًا** بھی دل کی بھڑاس نکالی ہو۔ چنانچہ مختصر المعانی میں تعظیم و اہانت کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں **رَکِبَ عَلِیٌّ وَ هَرَبَ مُعَاوِیَةُ** (ص ۱۷)۔ علی سوار ہوا اور معاویہ بھاگ گیا۔

محشی لکھتے ہیں: **وَالْمُتَبَادِرُ اَنَّ الْمُرَادَ بِعَلِیٍّ وَ مُعَاوِیَةَ صَاحِبَا رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا یَخْفٰی مَا فِیْهِ مِنْ سُوْءِ الْاَدَبِ فِیْ حَقِّ سَیِّدِنَا مُعَاوِیَةَ** رضی اللہ عنہ **وَالْجُرْءَ ة عَلَیْهِ بِمَا لَا یَلِیْقُ بِمَنْصَبِهٖ** (حاشیہ مختصر المعانی ص ۱۷) حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے ناموں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں صحابی مراد لئے جاتے ہیں اور (اگر یہی مراد ہوں) تو اس میں بے ادبی پائی جاتی ہے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں جو کسی پر پوشیدہ نہیں اور اس پر جرأت کرنا ان کے منصب کے لائق نہیں۔

نیز مطول کے حاشیہ میں ہے: **وَ فِیْهِ سُوْءُ الْاَدَبِ بِالنِّسْبَةِ اِلَی الصَّحَابِیِّ** (حاشیہ مطول ص ۱۲۲) اور اس مثال میں صحابی کی نسبت بے ادبی ہے۔

حضرت علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ کے بارے میں یہ ہرگز گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے اُن کا دل صاف نہیں تھا۔ لیکن یہاں کوئی اور بھی مثال دی جاتی تا کہ کسی کے دل میں

شبہ نہ ہو کہ علامہ کے دل میں حضرت معاویہؓ کی محبت نہیں ہے جیسا کی محشی نے سمجھا ہے۔
علامہ علی قاری، علامہ سعد الدین کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بطریق احاد ثابت نہیں ہے کہ یزید نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے کا حکم دیا ہو تو پھر مقام مراد میں متواتر معنوی کا دعوی کیسا ہے اس کے باوجود کہ تمہید میں بعض سے نقل کیا گیا ہے کہ یزید نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا تھا اس نے حکم دیا تھا ان سے بیعت لینے کے لئے یا ان کو گرفتار کرنے کا حکم دیا اور یزید کے پاس لانے کا۔(ضوء المعالی ص ۸۹)۔اور جو شخص کسی مسلمان کو حلال جان کر قتل نہیں کرتا ہے ایسا کرنا کفر نہیں ہے گناہ کبیرہ ہے اس لئے کہ انبیاء کے قتل کے سوا کسی اور کا قتل کر دینا اہل سنت و جماعت کے نزدیک کفر نہیں ہے بخلاف خوارج معتزلہ اور اہل بدعت کے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سکوت زیادہ ہی مناسب ہے۔(ضوء المعالی مختصر ص ۱۰۰)
بعض لوگ کہتے ہیں کہ یزید کا تو کوئی قصور نہیں۔اس لئے کہ یزید نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کو شہید کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ وہ بہت دور تھا یعنی اس زمانہ میں دمشق سے کوفہ تک جانے آنے میں ایک ماہ کا سفر تھا تو یہ ناممکن تھا کہ تھوڑے سے وقت میں اس کا پیغام اہل کوفہ کو ملتا۔ چنانچہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں

وَكَانَ يَزِيْدُ عَلَى مَسَافَةِ شَهْرٍ ذَهَابًا وَّرُجُوْعًا فَلَا يُمْكِنُ اَنْ يَأْتِيَ اَمْرُهٗ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَنِ الْقَلِيْلِ۔ (نبراس شرح شرح العقائد ۵۵۱)۔اور یزید ایک ماہ کی مسافت دور تھا تو اس بنا پر ممکن نہیں ہے کہ اس کا حکم پہنچ سکتا تھوڑے زمانہ میں۔
شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں تو اس (یزید نے) قتل حسین کا حکم نہیں دیا اور نہ اس پر خوشی ظاہر کی نہ ہی اس نے ان کے (کٹے ہوئے سر کے) دانتوں پر چھڑی لگائی اور نہ ہی حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا سر پاک شام بھیجا گیا البتہ اس نے حسین (رضی اللہ عنہ) کو کوفہ میں داخلہ سے روکنے کا حکم دیا تھا چاہے

اس کے لئے ان سے لڑنا ہی پڑے (الوصیۃ الکبری)۔اور ابن زیاد کے حکم سے عمر بن سعد اور شمر وغیرہ نے مل کر سب کو شہید کر دیا تھا۔

حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں، یزید کے سلسلے میں لوگوں کے تین گروہ ہیں، ایک کا اعتقاد ہے کہ یزید صحابی ، بلکہ خلفاء راشدین میں سے ہے یا بلکہ انبیاء کرام کے قبیل سے تھا۔اسکے برعکس ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ وہ کافر اور بد باطن منافق تھا ۔ اسکے دل میں بنو ہاشم اور اہل مدینہ سے اپنے ان کافر اعزا و اقارب کے بدلہ لینے کا جزبہ تھا کہ جو جنگ بدر وغیرہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے گئے تھے ۔ چنانچہ یہ لوگ کچھ اشعار اسکی دلیل میں اسکی طرف منسوب کرتے ہیں ۔لیکن یہ دونوں قول ایسے غلط اور بے بنیاد ہیں کہ ہر سمجھدار اسکا بخوبی اندازہ کرسکتا ہے۔ یزید حقیقت میں ایک مسلمان فرمانروا اور بادشاہ تھا نہ خلافت والے خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا، نہ وہ صحابی یا نبی تھا اور نہ ہی کافر و منافق ۔(واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر، بحوالہ منہاج السنۃ)

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ باتفاق اہل نقل کے کہ یزید نے حضرت حسین کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا اور لیکن ابن زیاد کو لکھا تھا کہ حضرت حسین کو ولایت عراق میں جانے سے روکے۔ اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کا خیال تھا کہ اہل عراق ان کی مدد کریں گے اور (آپ کو خطوط لکھے تھے اور ان میں جو وعدے کئے تھے وہ پورا کریں گے)اس لئے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو اعراق بھیجا تو جب مسلم بن عقیل کو اہل عراق نے قتل کر دیا اور ان کے ساتھ بدعہدی اعراق اور غداری کی اور اہل عراق نے ابن زیاد کی بیعت کر لی۔ حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نے واپس جانا چاہا ظلم کرنیوالے لشکر نے آپ (رضی اللہ عنہ) کو پا لیا اور گھیڑ لیا اور مطالبہ کیا کہ یزید کے پاس جائیں یا کسی سرحد کی طرف چلے جائیں اور یا اپنے ملک میں چلے جائیں، لیکن یزیدوں نے کوئی موقع آپ (رضی اللہ عنہ) کو نہ دیا ان کے ساتھ چلنے لگے اور اطاعت سے انکار کیا، تو وہ آپ (رضی اللہ عنہ) سے لڑے

یہاں تک کہ آپ (رضی اللہ عنہ) کو ظلما شہید کر دیا گیا۔ جب اس بات کی خبر یزید کو ملی تو اس نے اس پر رنج وغم کا اظہار کیا۔ اور اس کے گھر میں رونا شروع ہو گیا۔ اور کسی حرم کو بالکل قید نہیں کیا بلکہ اس نے اہل بیت کی عزت کی اور ان کے لئے سامان تیار کیا یہاں تک کہ ان کو ان کے شہروں کی طرف روانہ کر دیا۔ اور اگر بالفرض یزید کے حکم حضرت حسین کو قتل کیا جیسا کہ گناہوں میں بیان کیا جاتا ہے تو وہ حضرت امیر معاویہ کے بیٹے کا گناہ ہے، اس کے باپ حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کا گناہ نہیں ہے۔ اللہ فرماتا ہے **لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی** (سورہ فاطر ۱۸) (نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ دوسرے کے گناہ کا) عمر حضرت سعد بن وقاص بلند مرتبہ صحابی کا بیٹا تھا۔ محمد بن ابی بکر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کو شہید کرنے میں مدد کی تھی اور اس کے والد ابوبکر صدیق، عثمان غنی کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے تو عمر کی وجہ سے حضرت سعد بن وقاص اور محمد کی وجہ سے حضرت ابوبکر پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ (منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۲۷)۔ تو اسی طرح یزید کی غلطی جو ہے وہ حضرت امیر معاویہ کی غلطی نہیں ہو گی۔

(۱) امام جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: **لَعَنَ اللّٰهُ قَاتِلَهٗ وَابْنَ زِيَادٍ مَعَهٗ وَيَزِيْدَ اَيْضًا** (تاریخ الخلفاء ص ۱۶۵) ابن زیاد اور امام حسینؓ کے قاتل اور یزید ان تینوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

علامہ سید محمود الوسی (متوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں اور میں ایسے شخص (یزید) پر علی التعیین لعنت کو جائز قرار دیتا ہوں اگر چہ ایسے فاسق کی کوئی اور مثال نہیں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس نے توبہ نہیں کی اور توبہ کا احتمال اس کے ایمان سے زیادہ ضعیف ہے اور اسی کے ساتھ ابن زیاد، ابن سعد اور ان کی جماعت لاحق ہے۔ اللہ عزوجل کی لعنت ہو ان پر اور ان کے یاروں اور مددگاروں پر اور ان کے گروہ پر اور ان کی طرف میلان رکھنے والوں پر۔ یہ لعنت قیامت تک ہوتی رہے جب تک حضرت

حسینؓ پر آنکھیں روتی رہیں گی یزید پر لعنت ہوتی رہے گی (شرح مسلم ج ۳ بحوالہ روح المعانی ج ۲۶ ص ۳۱۸، تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۱۶۰)۔

(۳) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں، کہ بعض نے کہا یزید نے حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا اور نہ ان کے قتل سے راضی تھا اور نہ ان کے قتل کے بعد ان کے اور ان کے عزیزوں کے قتل سے خوش و مسرور ہوا۔ یہ بات مردود اور باطل ہے۔ اس لئے کہ اس شقی کا اہل بیت نبوت سے عداوت رکھنا اور ان کے قتل سے خوش ہونا اور ان کی اہانت کرنا معنوی طور پر درجہ تواتر تک کو پہنچ چکا ہے اور اس کا انکار تکلف و مقابرہ یعنی خواہ مخواہ کا جھگڑا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا قتل گناہ کبیرہ ہے کیونکہ کسی مومن کو ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے نہ کہ کفر اور لعنت کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ ذرا ان باتوں کا حدیث نبوی سے جو ناطق ہے، موازنہ کیا جائے جس کی رو سے حضرت فاطمہ زہراء (رضی اللہ عنہا) اور اولاد فاطمہ (رضی اللہ عنہا) سے بغض رکھنا، ان کو ایذا پہنچانا اور ان کی اہانت کرنا گویا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت، ایذا رسائی اور بغض کا موجب ہے جو کہ کفر کا سبب اور موجب لعن ہے۔ اور بے شک ان کے لئے خلود نار جہنم کی سزا ہے۔ قران کریم میں ارشاد ہوتا ہے: {اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا} (سورہ احزاب ۳۳: ۵۷)، بے شک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے رسوا کن عذاب۔ (تکمیل الایمان)

(۵) مولانا ابو سعید خادمی قونویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں: اَمَّا يَزِيْدُ وَالْحَجَّاجُ وَاَعْوَانُهُمَا ... فَمِنْ فَتَاوَى الْكَرْدَرِيِّ اَللَّعْنُ عَلٰى يَزِيْدَ يَجُوْزُ وَلٰكِنْ يَنْبَغِيْ اَنْ لَّا

يُفْعَلَ وَ عَنِ الْاِمَامِ الصَّفَّارِ لَا بَأْسَ بِاللَّعْنِ عَلٰى يَزِيْدَ وَلَا يَجُوْزُ عَلٰى مُعَاوِيَةَ وَ عَنِ ابْنِ الْجَوْزِيْ وَ كَذَا عَنْ اَحْمَدَ وَ عَنْ جَمَاعَةٍ تَجْوِيْزُهٗ عَلٰى يَزِيْدَ (البریقہ شرح الطریقۃ ج ۲ ص ۱۰۱۰) لیکن یزید اور حجاج اور ان کے مددگار تو فتاویٰ کردری میں ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے لیکن مناسب ہے کہ نہ کی جائے۔ امام صفار سے مروی ہے کہ یزید پر لعنت کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن حضرت امیر معاویہؓ پر جائز نہیں اور ابن جوزی، امام احمد اور ایک علماء کی جماعت سے ہے کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے۔

وَ عِنْدَ اٰخَرِيْنَ لَا تَجُوْزُ لَعْنُهٗ وَ عَلَيْهِ الْغَزَالِيُّ وَ هُوَ الْمُوَافِقُ لِلْقَوَاعِدِ وَالْاُصُوْلِ لِجَوَازِ تَوْبَتِهٖ وَ اِيْمَانِهٖ فِي الْخَاتِمَةِ وَاَمَّا نَفْسُ قَاتِلِ الْحُسَيْنِ رضی اللہ عنہ وَ مَنْ اَجَازَهٗ وَرَضِيَ بِهٖ فَيَجُوْزُ عَلَى الْعُمُوْمِ كَمَا نُقِلَ عَنِ الصَّوَاعِقِ الْمُحْرِقَةِ وَ بِالْجُمْلَةِ الْاَكْثَرُ وَالْمُخْتَارُ عَلٰى عَدَمِ لَعْنِهٖ كَمَا سَبَقَ تَفْصِيْلُهٗ (البریقۃ ج ۲ ص ۱۰۱۰)۔ اور دوسرے علماء کے نزدیک لعنت کرنا جائز نہیں اور اسی پر ہیں امام غزالی اور یہی قواعد اور اصول کے مطابق ہے کیونکہ اس کا توبہ کرنا اور خاتمہ سے پہلے ایمان لانا جائز ہے۔ لیکن جو امام حسینؓ کا قاتل ہے اور جس نے حکم دیا تھا اور جو راضی تھا اس سے تو ان پر بالعموم لعنت کرنا جائز ہے جیسا کے صواعق المحرقہ میں ہے۔ الغرض اکثر علماء اس پر ہیں، اور یہی پسندیدہ قول ہے کہ اس پر لعنت نہ کرے جیسے تفصیل سے گزرا ہے۔

(۱۰) نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں: وے تارک صلوۃ وشارب خمر وزانی وفاسق و مستحل محارم بود وبعضے بروے اطلاق لعن کردہ مثل امام احمد وامثال ایشاں وابن جوزی لعن وے از سلف نقل نمودہ زیرا کہ وے وقت امر بقتل کا فرشد وکیسے کہ قتل وکرد یا امر بقتل کا فرشد وکیسے قتل کرد یا امر بدان نمود برجواز لعن وے اتفاق کردہ اند (بغیۃ الرائد شرح العقائد)۔ اور (وہ) یزید تارک صلوۃ، شراب خور،

زانی، فاسق اور محرمات کا حلال کرنیوالا تھا اور بعض علماء جیسے کہ امام احمد اوران جیسے دوسرے بزرگ ہیں اس پرلعنت کرنے کونقل کیا ہے کیونکہ جس وقت اس نے (حلال جانتے ہوئے) حضرت حسینؓ کے قتل کا حکم دیا وہ کافر ہوگیا اور جس نے بھی حضرت ممدوح کوقتل کیا یا آپ (رضی اللہ عنہ) کے قتل کرنے کا حکم دیا اس پرلعنت کے جواز پر اتفاق ہے۔راقم الحروف کہتا ہے کہ بعض علماء کا اتفاق عالم اسلام کے سارے علماء کا اتفاق نہیں ہے جیسے شذارات الزھب کے حوالہ سے ظاہر ہے۔امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ فرماتے ہیں لَا يَنْبَغِي اَنْ يُرْوٰى عَنْهُ (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۰ ۲، رقم الترجمہ ۹۷۵۴) کہ یزید سے روایت نہ کی جائے۔امام ابوبکر جصاص حنفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں كَانَ اَصْحَابُ النَّبِي ﷺ يَغْزُوْنَ بَعْدَ الْخُلَفَاءِ الْاَرْبَعَةِ مَعَ الْاُمَرَاءِ الْفُسَّاقِ وَغَذَا اَبُوْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيُّ مَعَ يَزِيْدِ اللَّعِيْنِ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۷۵) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ خلفاء اربعہ کے بعد فساق امراء کے ساتھ مل کر جہاد کرتے رہے ابوایوب انصاری نے یزید لعین کے ساتھ مل کر جہاد کیا۔

خارجیوں اور ناصبیوں کے سواء کوئی بھی یزید کو اچھا نہیں کہتا ہے۔بعض علماء لعنت میں توقف کرتے ہیں اور بعض علماء اسکے جرائم کے پیش نظر لعنت کرنا جائز لکھتے ہیں جیسا کے گذرا ان کی رائے ملاحظہ کریں۔

بعض یزید پرلعنت بھیجنے کے قائل نہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے علی لعنة الله علی الظالمین (سورہ ھود ۱۱) خبردار اللہ کی لعنت ہو ظالموں پر جن ظالمین کا کفر پر خاتمہ ہوا یا جو فاسق قسم کے لوگ ایمان توبہ کئے بغیر دنیا سے چلے گئے ایسے ظالموں پرلعنت کرنے کا جواز ہے لیکن ضروری پھر بھی نہیں۔بعض حضرات یزید کو (رضی اللہ عنہ) یا رحمہ اللہ کہنا پسند نہیں کرتے مگر وہ اس پرلعنتوں کی گردانیں نہیں پڑھتے۔بعض لوگ حضرت حسین

کے فضائل اور مناقب کم سناتے ہیں، اور یزید کو لعنتی زیادہ کہتے ہیں۔

بعض علماء نے یزید پر لعنت کرنے سے منع کیا ہے۔ اور یہ امام غزالی کی رائے سے متاثر ہیں۔ امام غزالیؒ نے یہ نہیں لکھا کہ یزید نیک صالح آدمی تھا اور نہ صرف یزید پر لعنت کرنے سے روکا ہے بلکہ کسی پر بھی خاص لعنت کرنا درست نہیں اس میں یزید کی کوئی تخصیص نہیں یہ ہر فاسق و کافر کے بارے میں ان کی رائے ہے اور یزید پر لعنت نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ایک متقی اور صالح شخص تھا اور نہ اسکی مدح سرائی کرے کیونکہ ایسا کرنے سے محبان اہل بیت یعنی اہل سنت و جماعت کو دکھ پہنچتا ہے

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں: وانما اختلفوا فی یزید بن معاویة حتی ذکر فی الخلاصة وغیرھا انه لا ینبغی اللعن ولاعلی الحجاج لان النبی ﷺ نهی عن لعن المصلین ومن کان من اھل القبلة (شرح عقائد نسفی) علماء نے یزید کے بارے میں اختلاف کیا ہے حتی کہ خلاصہ وغیرہ (جیسے احیاء علوم) میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس پر لعنت مناسب نہیں نہ حجاج بن یوسف پر اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے نمازیوں اور ان لوگوں پر لعنت سے منع کیا ہے۔ جو قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھنے والے ہوں اور یزید نے خواہ کتنا بڑا گناہ کیا ہو گناہ کی وجہ سے وہ ایمان سے حارج نہیں ہوا لہٰذا اس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے بعض لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لعنت فرمائی سود خوار شراب نوشی کرنے والا وحی کے ذریعہ سے۔ اور یہ لعنت کرنا اس پر جائز (ضروری نہیں) ہے جس کا موت پر مرنا شارح کی خبر سے ثابت ہو جیسے فرعون اور ابوجہل اور ابلیس وغیرہ پر لعنت کرنا تو یہ جائز ہے۔ جس کا خاتم کفر پر معلوم نہ ہو اس کو لعنت کرنا درست نہیں۔ یزید پر لعنت کرنے سے روکنا اس بناء پر نہیں کہ اہل بیت کی محبت میں کمی ہے۔ نہیں نہیں بلکہ قواعد شرعیہ کی بنا پر ہے (نبراس ص ۵۵۵) نہ خوارج ونواصب کی وجہ سے۔

لعنت سے منع کرنے کی وجہ خوارج ونواصب سے ہونا مراد ہے(نبراس)۔

امام سراج الدین علی فرغانی حنفیؒ (متوفی ۵۷۵ھ)،صاحب قصیدہ بدء الامالی فرماتے ہیں:

وَلَمْ یَلْعَنْ یَزِیْدًا بَعْدَ مَوْتٍ　　سِوَی الْمِکْثَارِ فِی الْاِغْرَاءِ غَالٍ

اور لعنت نہیں کی یزید پر موت کے بعد فساد میں حد سے بڑھنے والے باتونی کے سواء۔

یعنی یزید کو مرنے کے بعد لعنت نہ بھیجو یا وہگو اور بڑے فسادیوں کے سوا کسی اور نے لعنت نہیں کی ہے۔تو اس میں بتایا گیا ہے لعنت کرنا کوئی نیکی اور ثواب کا کام نہیں ہے۔

علامہ محمد بن ابی بکر حنفی رازی کہ یزید کو لعنت نہ کی جائے اور مرنے کے بعد اور نہ اسکے سواء کسی فاسق پر جائز ہے کہ وہ بخشا گیا ہو اور مغفور پر لعنت نہیں کی جاتی: وَمَنْ لَعَنَهُمَا بَعْدَ مَوْتِهِمَا کَانَ رَافِضِیًّا وَّ مُعْتَزِلِیًّا (شرح بدء الامالی مخطوط) ترجمہ: اور جوان پر لعنت کرتا ہے وہ رافضی (روافض) اور معتزلی ہوگا۔

علامہ محمد بن سلیمان حلبی ریحاویؒ (متوفی ۱۲۲۸ھ) فرماتے ہیں: فَاحْتَرِزْ اَیُّهَا الْعَاقِلُ عَنْ شَتْمِهٖ وَاکْفُفْ عَنْ لَعْنِهٖ فَاِنَّكَ لَسْتَ مُکَلَّفًا بِذٰلِكَ وَلَا مَسْئُوْلًا عَنْهُ فِی الْاٰخِرَةِ (نخبۃ الاالی شرح بدء الامالی ص ۸۶)، اے عقلمند برا بھلا کہنے سے بچ اور اس پر لعنت کرنے سے رک بے شک تو اس بات کا مکلف نہیں ہے اور نہ ہی اسکے بارہ میں قیامت میں پوچھا جائے گا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یزید بیدولت از زمرہ فَسَقَہ است توقف در لعنت او بنا بر اصل مقرر اہل سنت است کہ شخص معین را اگر چہ کافر باشد تجویز لعنت نکردہ اند مگر آنکہ بیقین معلوم کنذ کہ ختم او بر کفر بودہ کابی لہب الجہنمی وامراتہ نہ انکہ شیان لعنت نیست ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا و الاخرۃ (دفتر اول ص ۴۱۷ مکتوب ۲۵۱) کہ یزید بدنصیب فاسقوں کے گروہ میں شامل ہے اس پر لعنت

کرنے میں توقف اہل سنت کے اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ کسی شخص معین پر اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت تجویز نہیں کیا کرتے اِلَّا یہ کہ بالیقین یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے جیسا کہ ابولہب جہنمی اور اس کی بیوی تھی، یزید پر لعنت کرنے سے توقف کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مستحق لعنت نہیں ارشاد باری ہے کہ بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا میں بھی لعنت کی اور آخرت میں بھی۔

نیز دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ میں فرماتے ہیں: وایں منکر قرین یزید بیدولت است کہ بواسطہ احتیاط درلعن اوتوقف کردہ اند ایذائیکہ بحضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از راہ ایذا خلفائے راشدین اومیرسد درنگ ایذائے است کہ از راہ ایذائے امامین باورسد علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات (دفتر اول ص ۴۸۷)

یہ (افضیلت شیخین) کا منکر یزید بدنصیب کا ساتھی اور بھائی ہے کہ احتیاط کے خیال سے اس پر لعنت کرنے سے رکتے ہیں حضرت پیغمبر کو جو ایذا آپ کے خلفائے راشدین کی ایذا رسانی کے سبب ہوتی ہے وہ اسی رنگ (قسم) کی ایذا ہے کہ جو حضرات امامین حسنین کی ایذا رسانی کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوتی ہے علیہ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات۔ معلوم ہوا کہ اَہل السنۃ والجماعت کا یہ قاعدہ مقررہ ہے کہ شخص معین پر لعنت نہیں کرنی چاہیئے سکوت اور توقف زیادہ بہتر ہے۔

(۴) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی (متوفی ۱۰۰۷ھ) فرماتے ہیں، یزید بے دولت از اصحاب نیست در بدبختی او کرا سخن است کارے آں بدبخت کردہ ہیچ کافر فرنگ نہ کند۔ بعضے از علماء اہل سنت کہ درلعن اوتوقف کردہ اند نہ آنکر از وے راضی اند بلکہ رعایت احتمال رجوع وتوبہ کردہ اند۔ (مکتوب شریف ۵۴، دفتر اول)۔ اور یزید بدبخت (بدقسمت) صحابہ کرام میں سے نہیں تھا اس کی بدبختی میں کیسے کلام ہو سکتا ہے اس بدبخت نے جو کام کیا وہ کوئی کافر فرنگ نہیں کر سکتا، بعض علماء اہل سنت جو اس کے لعن میں توقف کرتے ہیں وہ اس

سبب سے نہیں کہ وہ اس سے راضی ہیں بلکہ اس رعایت سے کہ رجوع وتوبہ کا احتمال ہوسکتا ہے۔ ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں اگر ایں سخن در باب یزید میگفت گنجائش دایست مکتوب ۲۵۱ دفتر اول ۴۱۵۔ اگر یہ بات (مستحق لعنت) یزید کے بارے میں کہی جائے تو گنجائش ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ توقف کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں توقف اس وجہ سے کہ یزید پلید کے بارہ میں معاملہ شہادت حضرت امام حسینؓ میں روایات متعارضہ و متخالفہ وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسین کی شہادت پر یزید پلید راضی ہوا۔ اور آپ کی شہادت پر خوش ہوا۔ اور اس نے اہل بیت اور خاندان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کی تو جن علماء کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ یہ روایات مرجح ہیں تو ان علماء نے یزید پلید پر لعن کیا۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو فقہاء شافعی سے ہوئے ہیں اور دیگر علماء کثیر نے یزید پلید پر لعن کی ہے۔ اور بعض روایات سے مفہوم ہوتا ہے کہ یزید کو شہادت امام حسینؓ کا رنج تھا اور شہادت کی وجہ سے یزید نے ابن زیاد اور اسکے اعوان پر عتاب کیا اور یزید کو اس کام سے ندامت ہوئی کہ اس کے نائب کے ہاتھ سے یہ واقعہ وقوع میں آیا۔ تو جن علماء کے نزدیک یہ ثابت ہوا کہ یہ روایات مرجح ہیں تو ان علماء کرام نے یزید کے لعن سے منع کیا۔

چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمہ اور دیگر علماء شافعیہ اور اکثر علماء حنفیہ نے یزید کے لعن سے منع کیا ہے اور بعض علماء کے نزدیک ثابت ہوا ہے کہ دونوں طرح کی روایات میں تعارض ہے اور کوئی ایسی وجہ ثابت نہ ہوئی کہ اس کے اعتبار سے ایک جانب کی روایات کی ترجیح ہوسکے تو ان علماء نے احتیاطا اس مسئلہ میں توقف کیا اور جب روایات میں تعارض ہو اور کوئی وجہ کسی روایت کی ترجیح کے لئے نہ ہو تو علماء پر یہی واجب ہے یعنی حکم دینے میں توقف کرنا واجب ہے اور امام ابوحنیفہ کا یہی قول

ہے۔

شمر اور ابن زیاد پر لعن کرنا قطعی طور پر جائز ہے اس واسطے کہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ شمر اور ابن زیاد حضرت امام حسینؓ کی شہادت پر راضی تھے۔ اور آپ کی شہادت سے وہ دونوں خوش ہوئے اور اس بارے میں روایات میں تعارض نہیں۔ اس لئے شمر اور ابن زیاد پر لعن کرنے میں علماء سے کسی نے توقف نہیں کیا بلکہ بالتفاق سب علماء کے نزدیک قطعی طور پر ثابت ہے کہ شمر اور ابن زیاد بدنہاد پر لعن وطعن کرنا جائز ہے (فتاوی عزیزی اردو ص ۲۴۸) (فتاوی عزیزی فارسی ۱۰۰)۔

امام احمد رضا خان بریلوی (متوفی ۱۳۴۰ھ) لکھتے ہیں، یزید پلید عَلَيْهِ مَا يَسْتَحِقُّهُ مِنَ الْعَزِيْزِ الْمَجِيْدِ قَطْعًا يَقِيْنًا بِاِجْمَاعِ اَهْلِ السُّنَّةِ فَاسِقٌ وَّفَاجِرٌ وَجَرِى عَلَى الْكَبَائِرِ یزید پلید فاسق اور فاجر تھا اس قدر پر ائمہ اہل سنت کا اطباق واتفاق ہے صرف اس کی تکفیر ولعن میں اختلاف فرمایا۔

امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے اتباع وموافقین اسے کافر کہتے ہیں اور تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں اور اس آیہ کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں: {فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ اُوْلٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ} (سورہ محمد ۴۷: ۲۲)، کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ نے لعنت فرمائی تو انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا، حرمین طیبین وخود کعبہ معظّمہ و روضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بے اذان ونماز رہی، مکہ ومدینہ وحجاز میں ہزاروں صحابہ وتابعین نے گناہ شہید کئے، کعبہ معظّمہ پر پتھر پھینکے، غلاف شریف پھاڑا اور جلایا، مدینہ طیبہ کی پاکدامن پار

سائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کردیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب ودانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا، مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گود کے پالے ہوئے تن نازنیں پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوان مبارک چور ہوگئے، سر انور کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا، حرم محترم مخدرات مشکوئے رسالت قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے، اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا، ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق وفجور نہ جانے، قرآن عظیم میں صراحۃً اس پر لعنہم اللہ (ان پر لعنت ہے) فرمایا، لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین ان پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لعن وتکفیر سے احتیاطاً سکوت فرمایا ہے کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں کفر متواتر نہیں اور بحال احتمال نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر اور امثال وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں۔ قولہ تعالیٰ: {فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا ۙ اِلَّا مَنۡ تَابَ ...} (سورہ مریم ۱۹:۵۹) ترجمہ: عنقریب وہ ہلاکت سے ملیں گے مگر جس نے توبہ کی۔

اور توبہ تادم غرغرہ مقبول ہے اور اس کا عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط واسلم ہے مگر اس کے فسق وفجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہل سنت کے خلاف ہے اور ضلالت وبد مذہبی صاف ہے بلکہ یہ اس قلب سے متصور نہیں ہوسکتا جس میں محبت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع ہو۔

{وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ} (سورہ شعرا ۲۶:۲۲۷)، اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

شک نہیں کہ اس کا فاعل ناصبی مردود اور اہل سنت کا دشمن وعنود ہے ایسے گمراہ بددین سے مسئلہ مصافحہ کی شکایت بے سود ہے اس کی غایت اسی قدر تو کہ اسنے قول صحیح کا خلافت کیا اور بالوجہ شرعی دست کشی کر کے ایک مسلمان کا دل دکھایا مگر وہ تو ان کلمات ملعونہ سے حضرت بتول زہرا و علی مرتضی اور خود

حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دل دکھا چکا ہے۔ اللہ واحد قہار کو ایذا دے چکا ہے: {وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ} (سورہ احزاب ۵۸) اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان کیلیئے دردناک عذاب ہے۔

{اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا}۔ (سورہ احزاب ۳۳:۵۷) (فتاوی رضویہ جلد ۱۴ ص ۵۹۱)۔ بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں، ہر چند کہ محققین اور محتاط علماء نے یزید پر شخصی لعنت کرنے سے منع کیا ہے اور اسی میں سلامتی سمجھی ہے کہ یزید کے معاملے کو اللہ تعالی پر چھوڑ دیا جائے نیز لکھتے ہین یہ شخص (یزید) بہت بڑا ظالم اور فاسق و فاجر تھا اگر ہمیں شرعی حدود قیود اور قواعد شرعیہ کا پاس نہ ہوتا تو ہم یزید پر کفر کا حکم لگا دیتے اور شخصی لعنت کرنے میں ہمیں کوئی تامل نہ ہوتا (شرح مسلم ج ۳ ص ۶۳۴ اور ص ۶۳۸)۔

بعض نے یزید پر لعنت کرنے سے روکا ہے اور اس بارے میں کتابیں بھی تصنیف ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے، وَمَنَعَ ذٰلِكَ اٰخِرُوْنَ وَ صَنَّفُوْا فِيْهِ اِيْضًا لِئَلَّا يَجْعَلَ لَعْنَهُ وَسِيْلَةً اِلَى اَبِيْهِ اَوْ اَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ (البدایہ والنھایہ ج ۸ ص ۲۳۲) تا کہ اس پر لعنت اسکے باپ یا کسی صحابی کی لعنت کا ذریعہ نہ بن جائے (اس لئے لعن وطعن کے دروازہ ہی کو بند کر دیا جائے تو مناسب ہے)۔

شیخ ابن تیمیہ لکھتے ہیں وَلَعَنَ مَنْ قَتَلَهٗ وَرَضِيَ بِقَتْلِهٖ قُتِلَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءِ عَامَ وَاحِدٍ وَسِتِّيْنَ (مجموعۃ الدراوی ج ۱ ص ۳۰۷)۔ اور اس پر لعنت ہو جس نے حضرت حسین کو قتل کیا اور

وہ ان کے قتل پر راضی ہوا آپ ۶۱ھ میں دسویں محرم کو شہید کیئے گے تھے۔ علامہ سید محمود الوسیؒ (متوفی ۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں اور میں ایسے شخص (یزید) پر علی التعیین لعنت کو جائز قرار دیتا ہوں اگرچہ ایسے فاسق کی کوئی اور مثال نہیں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس نے توبہ نہیں کی اور توبہ کا احتمال اس کے ایمان سے زیادہ ضعیف ہے اور اسی کے ساتھ ابن زیاد، ابن سعد اور ان کی جماعت لاحق ہے۔ اللہ عزوجل کی لعنت ہو ان پر اور ان کے یاروں اور مددگاروں پر اور ان کے گروہ پر اور ان کی طرف میلان رکھنے والوں پر۔ یہ لعنت قیامت تک ہوتی رہے جب تک حضرت حسینؓ پر آنکھیں روتی رہیں گی یزید پر لعنت ہوتی رہے گی (شرح مسلم ج ۳ بحوالہ روح المعانی ج ۲۶ ص ۳۱۸، تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۱۶۰)۔

علامہ سید محمود الوسی بغدادیؒ (متوفی ۱۲۷۰ھ) لعنت یزید پر تفصیلی تبصرہ کے بعد لکھتے ہیں: جو ان پر شخصی لعنت کرنے سے احتیاط کی وجہ سے گریز کرتا ہو اسکو یوں کہنا چاہئے کہ جو شخص قتل حسینؓ سے راضی ہوا اور جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت ظاہر کو ناحق اذیت پہنچائی اور جس شخص نے ان کا حق غضب کیا ان سب پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو اور اب وہ یزید اور اسکے موافقین پر صراحت کے ساتھ لعنت کرنیوالا نہیں ہوگا اور ان کے الفاظ کے ساتھ لعنت کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہوگا (روح المعانی ج ۲۶ ص ۳۱۸، تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۱۶۰)۔

علامہ عبد العزیز پرہارویؒ (متوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں، وَلَا تَكُنْ مِّنَ الَّذِيْنَ لَا يَرَاعُوْنَ قَوَاعِدِ الشَّرْعِ وَيَحْكُمُوْنَ بِاَنَّ مَنْ نَهٰى عَنْ لَعْنِ يَزِيْدَ فَهُوَ مِنَ الْخَوَارِجِ نَعَمْ قُبْحُ اَفْعَالِهٖ مَشْهُوْرٌ۔ وَحُبُّ اَهْلِ الْبَيْتِ وَاجِبٌ لٰكِنِ النَّهْىَ عَنْ لَعْنِهٖ لَيْسَ لِلْقُصُوْرِ فِيْ حُبِّهِمْ بَلْ لِقَوَاعِدِ الشَّرْعِ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (نبراس ص ۵۵۵) تم ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو قواعد شرع کی رعایت نہیں کرتے اور جو شخص لعن یزید سے منع کرے اس کو خوارج قرار دیتے

ہیں۔ ہاں اسکے افعال کا قبح (براہونا) مشہور ہے اور اہل بیت کی محبت واجب ہے لیکن اس پر لعنت سے منع کرنا اہل بیت کی محبت میں کمی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ قواعد شرع کی رعایت کی وجہ سے ہے۔ اور اللہ ہی سب سے بہتر جانتا ہے۔

مختار بن ابی عبید ثقفی:

جب حضرت امام حسینؓ نے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو اپنا نمائندہ اور نائب بنا کر کوفے بھیجا تو یہ مختار کے گھر میں اترے تھے۔ راوی کہتا ہے وہی گھر اب مسلم بن مسیب کا ہے۔ مختار نے اہل کوفہ کے ساتھ مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ان کے ساتھ خیر خواہوں کی طرح پیش آیا جو لوگ اس کے کہنے میں تھے ان کو مسلم کی طرف دعوت دی جب مسلم نے خروج کیا تو مختار اپنے گاؤں میں تھا۔

(طبری اردو ج ۴ ص ۳۸۹)۔ مختار کو ابن زیاد کے پاس پیش کیا گیا بعض کی سفارش وامان کی وجہ سے ابن زیاد نے کہا تم مسلم کی نصرت کرتے ہو اس نے نفی میں جواب دیا تو ابن زیاد نے عصا اٹھا کر مختار کے منہ پر مارا اس کی آنکھ کا پپوٹا پھٹ گیا اور کہا اچھا ہوا اگر تیری ابن حریث شہادت نہ دیتا تو واللہ میں تیری گردن مارتا اسکے بعد اسکو قید خانہ میں ڈال دیا۔ حضرت حسینؓ کی شہادت تک یہ قیدی رہا اس کے بعد ایک زائدہ نامی شخص سے کہلا بھیجا کہ عبداللہ بن عمرؓ کے پاس مدینہ میں جا کر ان سے ایک رقعہ لیکر یزید کے نام لکھا جائے تاکہ وہ ابن زیاد سے کہے کہ مختار کو رہا کیا جائے پھر ایسا کیا گیا اور اس کو ابن زیاد نے رہا کر دیا۔ چونکہ صفیہ زوجہ عبداللہ بن عمرؓ مختار کی بہن تھی۔ پھر یہ ادھر ادھر پھرتا رہا۔ قاتلان حسینؓ سے بدلہ لینے کی تحریک چلائی تو اس میں یہ کامیاب رہا عبداللہ بن زبیرؓ کا دور تھا مگر ان سے اسکو فائدہ نہ ہوا۔ توابین کی تحریک میں شامل ہو گیا تھا اور اس نے چالا کی ہوشیاری اور مکاری کی وجہ سے بڑی کامیابی حاصل کی مگر اس نے سب کچھ حصول دنیا کی خاطر کیا تھا۔ صاحب العقد الفرید نے لکھا ہے کہ مختار ثقفی جس وقت قاتلان حسینؓ اور شرفاء عرب کو نیست و نابود کر چکا تو

اس نے دیگر صلحاء امت کے استیصال کی فکر کی لوگوں پر اس کا قصد وخبث نفس ظاہر ہوگیا اس نے نبوت کا دعوی بھی کیا تھا کہتا تھا کہ میرے پاس جبریل امین وحی لے کر آتے ہیں اہل کوفہ نے مجبور ہو کر عبداللہ بن زبیر کو لکھا انہوں نے اس کی سرکوبی کے لئے۔ ایک لشکر زیر قیادت مصعب بن زبیر روانہ کیا ابراھیم الشر اور سرداران کوفہ نے اس کو گرفتار کر کے مصعب کے ساتھ سپرد کیا مصعب بن زبیر نے اسکو قتل کر ڈالا (عقد الفرید ج ۲ ص ۳۱۹۔ مطبوعہ مصر حاشیہ تاریخ ابن خلدون وغیرہ) ۔۶۷ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

شمر کا انجام بد:

حضرت امام حسینؓ کے قاتلوں میں شمر بھی تھا اور اس کے دل میں نہ تو خوف خدا تھا اور نہ احترام آل بیت تھا۔ ابن عساکر نے شمر بن ذی الجوشن کے حالات میں لکھا ہے ذوالجوشن ایک جلیل القدر صحابی ہیں جن کا نام شرحبیل ہے۔(البدایۃ والنہایۃ ج ۸:۱۸۸)۔

اور شمر نے سب سے زیادہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ زیادتی کی تھی۔ اور سب سے زیادہ میدان کربلا میں حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کرتا تھا اور لوگوں کو ابھارتا تھا کہ حضرت حسین کو مَعَاذَ اللہ جلد شہید کرو۔ حالانکہ یہ حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کا رشتہ دار بھی تھا۔

یہ شمر برص کی بیماری والا تھا اور اہل بیت کی زیادہ دشمنی میں مشہور ومعروف اور بدنام تھا۔ شمر بن ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہیے کہ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حزام، امیر المؤمنین علی (رضی اللہ عنہ) کی زوجیت میں تھیں اور انہیں کے بطن سے چار صاحبزادے عباس (رضی اللہ عنہ)، عبداللہ (رضی اللہ عنہ)، جعفر (رضی اللہ عنہ) اور عثمان (رضی اللہ عنہ) پیدا ہوئے تھے جو اس معرکہ میں حسین (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ تھے۔ اس طرح شمر ان چاروں کا ان کے واسطہ سے حضرت امام

(رضی اللہ عنہ) کا پھوپھیرا بھائی تھا۔ اس نے ابن زیاد سے درخواست کی تھی کہ اس کے ان عزیزوں کو امان دے دی جائے اور اس نے منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نے میدان میں چاروں صاحبزادوں کو بلا کر کہا "تم میرے دادھیالی ہو۔ تمہارے لئے میں نے امان اور سلامتی کا سامان کر لیا ہے"۔ لیکن انہوں نے جواب دیا: افسوس تم پر، تم ہمیں تو امان دیتے ہو لیکن فرزندانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے امان نہیں ہے۔ (داستان کربلا ۵۶)

امام ابوالحسن علی ابن اثیرؒ فرماتے ہیں: کہ ان صاحبزادوں نے یوں جواب دیا: لَا حَاجَةَ لَنَا فِیْ اَمَانِکُمْ۔ اَمَانُ اللهِ خَیْرٌ مِّنْ اَمَانِ ابْنِ سُمَیَّةَ (الکامل فی التاریخ ۳: ۲۸۴) ہمیں تمارے امان کی حاجت نہیں اللہ کا امان ہمارے لئے ابن سمیة کے امان سے بہتر ہے۔

عمر بن سعد کا انجام بد:

عمر بن سعد ابن ابی وقاص کو بھی مختار کے حکم سے قتل کر دیا گیا تھا اور یہ یزیدی لشکر کا امیر تھا۔ چار ہزار یا بارہ ہزار کا لشکر لے کر حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے مقابلہ کے لئے میدان کربلا میں آ کر پانی بند کر دیا تھا کیونکہ اس کو حکومت کی طلب تھی اور اس کے حصول کی خاطر سب سے پہلے لشکر حسینی کی طرف تیر مار کر جنگ کا آغاز کیا تھا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ نرم گوشہ رکھتا تھا کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار تھا۔ **ولعل هذه المحاولة للاصلاح من قبل عمر بن سعد، سببها القرابة التی بین الحسین رضی الله عنه ومعر بن سعد۔ اذ ان نسب عمر بن سعد یتصل مع بنی هاشم فی کلاب بن مرة، فهو عمر بن سعد بن ابی وقاص بن اهیب بن عبد مناف بن زهرة بن کلاب۔** (حاشیہ موسوعة کربلاء ج ۱ ص ۵۳۶) ۔ مگر ابن زیاد کے حکم کا پابند تھا اور سلطنت کے حصول کی خواہش تھی اس لئے سعادت ونیک بختی سے محروم رہا۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ابن زیاد نے ابن سعد کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ رے کا شہر اس کی ملکیت میں دے دیا جائے گا چنانچہ شہر رے ملنے کی لالچ میں اس بدکردار نے ابن زیاد کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور رشد و ہدایت کو گمراہی کے عوض بیچ ڈالا اسی کے متعلق اس نے یہ شعر بھی اس موقع پر پڑھا تھا،

اَاَتْرُكُ مُلْكَ الرَّيِّ وَالرَّيُّ مُنْيَتِيْ ۞ وَاَرْجِعُ مَاثُوْمًا بِقَتْلِ حُسَيْن

کیا میں ملک رے کو چھوڑ دوں گا اور رے تو میری آرزو ہے۔ اور کیا میں قتل حسین (رضی اللہ عنہ) کا گناہ اپنے سر لے کر مفت لوٹ جاؤں (التذکرہ ج ۲ ص ۲۷۹)۔ فَضَيَّقَ عَلَيْهِ اللَّعِيْنُ اَشَدَّ تَضْيِيْقٍ وَسَدَّ بَيْنَ يَدَيْهِ الطَّرِيْقَ اِلٰى اَنْ قَتَلَهٗ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ت واس ملعون نے آپ پر بہت تنگی پیدا کی اور آپ کے سامنے ہر راستہ بند کر دیا یہاں تک جمعہ کے دن آپ کو شہید کر دیا گیا (تذکرہ)۔

عبید اللہ ابن زیاد کا تذکرہ:

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: اس حدیث میں عبید اللہ بن زیاد کا ذکر ہے، اس کا پورا نام عبید اللہ بن زیاد بن ابوسفیان ہے، یہ وہی زیاد ہے جس کے متعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعویٰ کیا تھا کہ یہ ان کا باپ شریک بھائی ہے یعنی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، اور انہوں نے اس کو اپنے والد کے نسب کے ساتھ ملا لیا تھا، اور اس کو زیاد ابن ابیہ کہا جاتا تھا، اور زیاد بن سمیہ بھی کہا جاتا تھا، اور سمیہ، حضرت ابو بکرہ نفیع کے والد حارث کی باندی تھی۔ ابن معین نے کہا: ابن زیاد کو ابن مرجانہ بھی کہا جاتا تھا، اور یہ زیاد کی والدہ تھی، اور دوسروں نے کہا: یہ مجوسیہ تھی، امام بخاری نے کہا: مرجانہ اصفہان سے قید کر کے لائی گئی تھی، زیاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھا، جب حضرت معاویہ نے اس کو اپنے نسب کے ساتھ ملایا تو یہ حضرت علی بن ابی

طالب اوران کی اولاد رضی اللہ عنہم سے شدید بغض رکھنے لگا، اور عبید اللہ اس کا بیٹا تھا یہ وہی ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے قتال کے لیے لشکر بھیجا تھا، اور اس وقت وہ یزید بن معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا، اس کے لشکر میں ایک ہزار گھوڑے سوار تھے اور ان کا سردار حر بن یزید تمیمی تھا اور مقدمۃ الجیش میں الحصین بن نمیر الکوفی تھا، پھر جو ہونا تھا وہ ہوا، اور آخرکار حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا۔ (نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری ج٦ ص ٨٦٨)

حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) کے دشمنوں میں بڑا دشمن ابن زیاد تھا۔ اس کو زیاد ابن ابیہ، ابن سمیہ اور ابن مرجانہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی والدہ کا نام مرجانہ تھا اور وہ مجوسیہ تھی۔ (البدایۃ و النہایۃ ٨: ٢٨٣)۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت اور اس کا فیصلہ دیکھئے کہ دسویں محرم ٦٧ھ کو ابراہیم بن مالک اشتر نخعی نے میدان جنگ میں قتل کیا تھا اور اس کے سر کو مختار کے پاس بھیجا اور مختار نے عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کے پاس روانہ کر دیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ (البدایۃ و النہایۃ ٨: ٢٨٦) اسی طرح سنان بن انس نخعی اور خولی وغیرہ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا ہی میں طرح طرح کی سزاؤں میں مبتلا کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: { وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ } (سورہ ابراھیم ١٤: ٤٢) اور تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔ نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے: {... وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ } (سورہ اٰل عمران ٣: ٤) اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے۔

{ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ } (سورہ بروج ٨٥: ١٢) بیشک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا مرتبہ شہادت مقدر ہو چکا تھا تقدیر الہی کا فیصلہ ہونا تھا وہ ہو گیا مگر سب سے بڑی بدبختی ابن زیاد کے حصہ آنی تھی وہ آ گئی اس سیاہ رو نے خاندان اہل بیت کے ساتھ ظلم کیا اور

بے انصافی کی اگر بالفرض حضرت حسینؓ نے واپس جانے کا ارادہ کرلیا تھا پھر اس (ابن زیاد) نے کیوں جانے نہ دیا اس نے سرکشی کی بنا پر واپس جانے سے انکار کردیا ابن زیاد نے امام حسینؓ کے ساتھ ظلم کر کے اپنی دنیا و آخرت کو برباد کردیا۔ مطبوعہ مصر حاشیہ تاریخ ابن خلدون وغیرہ)۔٦٧ھ میں اس کا خاتمہ ہوگیا۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابن زیاد کے پاس اپ (رضی اللہ عنہ) کی بیویاں، بیٹیاں اور اہل وعیال لائے گے تو اس نے ایک اچھا کام یہ کیا کہ انہیں علحدہ مکان میں ٹھہرایا اور ان کے نان ونفق کا بندوبست کیا ان میں سے عبداللہ بن جعفر یا ابن ابی جعفر کے بیٹے بھاگ گئے تھے انہوں نے طیں کے ایک شخص کے پاس اکر پناہ لی اس نے انہیں قتل کر کے ان کے سر ابن زیاد کے پاس لے گیا (انعام حاصل کرنے کی خاطر اس حرکت قبیح پر سزا کے طور پر) اس کی گردن اڑا دینے کا فیصلہ کیا۔ اور اس کے گھر کے بارے میں حکم دیا کہ گرادیا جائے (تاریخ ابن کثیر اردو ص ٧٦٥ ج ٨)۔

خولی بن یزید:

وہ بدبخت انسان تھا جس نے امامؓ کے سر انور کو جسم اقدس سے جدا کیا تھا اسکی بیوی واقعہ کربلا کے بعد سخت خلاف ہوگئی تھی جب مختار نے اس کی گرفتاری کے لئے معاذ بن ہانی اور اپنے محافظ خاص ابوعمرہ کو چند ساتھیوں کے ساتھ بھیجا تو یہ گھر کے اندر چھپ گیا اور بیوی سے کہہ دیا کہ تم لاعلمی کا اظہار کردینا جب تلاش کرتے ہوئے گھر کے دروازہ پر آکر آواز دی، بیوی باہر آئی زبان سے کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے اور ہاتھ کے اشارے سے اس کے چھپنے کی جگہ بتادی اس جگہ پہنچے اور گرفتار کرلیا اور اسے مختار کے سامنے پیش کیا گیا اس نے اس کے قتل کا حکم دیا اور پھر جلا دیا (فاتح کربلا ص ۲۵۸ بحوالہ طبری ج ۷ ص ۱۲۷، ابن اثیر ج ۴ ص ۹۴، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۷۲)۔ راقم الحروف کا اصلی مقصد ذکر سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کرنا تھا تا کہ ان لوگوں میں شامل ہوجائے جو

ذکر حسین (رضی اللہ عنہ) کرتے ہیں۔اس لئے شہادت کے بعد کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا۔جو چاہے وہ تاریخ طبری،ابن اثیر،البدایہ والنہایہ وغیرہ کا مطالعہ کرے۔

گیارواں باب: ابتلاء وازمائش اور شہداء کرامؓ کے فضائل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (سورہ شوری ۳۰)۔ترجمہ: اور تمہیں جو مصیبت پہونچی وہ اس کے سبب سے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔

ابتلاء و آزمائش اور اس کے اقسام

جو مصائب والام اور حادثات پیش آتے ہیں اور ان میں نقصان میں ہوتا ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں (۱) آزمائش و امتحان جیسے اللہ کے مقبول بندوں کا ہوتا ہے۔کہ اس میں درجات کی بلندی کے لئے اور دوسرا مکافات عمل کا نتیجہ ہے کہ بندے سے گناہ سرزد ہوتے ہیں تو ان کی تخفیف کے لئے مختلف تکلیفیں پیش آتی ہیں۔اور بہت سی خطاؤں کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ (سورہ شوری ۳۰)۔ترجمہ: اور تمہیں جو مصیبت پہونچی وہ اس کے سبب سے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن نَّبْرَأَهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۔ لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (سورہ حدید ایت ۲۲،۲۳)۔ترجمہ:

نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہے قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا کریں بیشک یہ اللہ کو آسان ہے۔اس لئے کہ غم نہ کھاؤ اس پر جو ہاتھ سے جائے اور خوش نہ ہو اس پر جو تم کو دیا اور اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اترانے، بڑائی مارنے والا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو پہلے ہی خبر دے دی تھی کہ تمہیں ضرور آزمایا جائے گا۔(فضائل شہداء ص ۴۸۱)

متعدد چیزوں سے آزمایا جاتا ہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ رشاد فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَّاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (سورہ بقرہ ۲:۱۵۷)۔ترجمہ:اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے (تمہارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور خوشخبری سنایئے ان صبر کرنے والوں کو، کہ جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بیشک ہم صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقینا ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے طرح طرح کی نوازشیں اور رحمت ہے اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں۔

اس اٰیت میں ارشاد ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ اور ہم تم کو ضرور آزمائیں گے بِشَيْءٍ (تھوڑی چیز کے ساتھ) فرما کر کسی قدر تسلی دی ہے کہ گھبراؤ مت تھوڑا سا خوف اور بھوک وغیرہ سے آزمایا جائے گا۔لفظ بشئ سب کے آغاز میں آتا ہے۔ مثلاً، بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَبِشَيْءٍ مِّنَ الْجُوْعِ وَبِشَيْءٍ مِّنْ نَقْصٍ الْاَمْوَالِ وَبِشَيْءٍ مِّنَ الْاَنْفُسِ وَبِشَيْءٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ (تاویلات اہل سنت، تفسیر

زاھدی) یعنی ان تمام صورتوں اور قسموں میں تمھیں تھوڑا سا آزمائیں گے بڑی بڑی آزمائشیں بڑے بڑے امتحان نہیں ہوں گے ۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ دنیا بلاوں کا گھر ہے اور اللہ تعالی نے بندوں کو اس میں ابتلاء و آزمائش کے لئے پیدا فرمایا ہے اور صبر کا حکم دیا۔ اور صابرین کو بشارت دی ہے (تفسیر زاہدی) ۔

(۱) خوف سے مراد جہاد وقتال کے وقت دشمنوں کا ڈر، اللہ کا خوف

(۲) جوع سے مراد روزہ، قحط ۔ سالی جیسے اہل مکہ کو پیش آئی (تاویلات اہل سنت) ۔ تنگدستی ، افلاس وغیرہ ۔

اللہ تعالیٰ فما تا ہے فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ (سورہ نحل ۱۱۲) ۔ ترجمہ: اللہ نے (ان کے اعمال کے سبب) ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔

(۳) نقص اموال سے زکوۃ وصدقات اور جانوروں کا ہلاک ہونا وغیرہ مراد ہے ۔ وَمِنْ نَقْصِ الْاَمْوَالِ اَیْ هَلَاكِ الْمَوَاشِیْ (روح المعانی) ۔ امراض کا ہونا، مال کا چوری ہوجانا ،جل جانا، بادشاہ کا ظلما چھین لینا (زاہدی) ۔

(۴) نَقْصِ الْاَنْفُسِ مختلف امراض کا ہونا ۔ کفار سے جہاد کرنا ، بھائیوں رشتہ داروں کی موتیں وغیرہ مراد ہیں ۔ اور قتل وموت کی وجہ سے جانوں کا ضائع ہونا ہے (روح) ۔ اَیْ بِالْمَرَضِ وَبِالْمَوْتِ وَالْقِتَالِ وَبِالْاٰفَاتِ مِنَ الْبَحْرِ وَالْبَرِّ وَالرِّیْحِ وَالْجَرَادِ (زاھدی) ۔

(۵) نقص ثمرات ۔ پھلوں کا نقصان ہونا، یَعْنِیْ مَوْتُ الْاَوْلَادِ لِاَنَّ الْاَوْلَادَ ثَمَرَةُ الْقَلْبِ لٰكِنَّ التَّاوِیْلَ الْاَوَّلَ اَصَحُّ (زاھدی ج ۱ ص ۱۳۲) ۔

یعنی اولاد کا مرجانا کیونکہ اولاد دل کا پھل ہے ۔ لیکن پہلی تفسیر وتاویل زیادہ صحیح ہے ۔ ثمرات کے متعلق تاویلات اہل السنۃ میں لکھا ہے کہ جہاد وحج کی خاطر وطنوں سے دوری، اولاد کا مرنا بھی ہے ۔ اسی کی

تائید نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب کسی بندے کا بیٹا فوت ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کر لی تو وہ جواباً عرض کرتے ہیں، نعم (ہاں)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم نے اس کے دل کا پھل قبض کر لیا۔ وہ نعم میں جواب دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں میرے بندے نے کیا کہا وہ عرض کرتے ہیں تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہا (بیشک ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اس کا نام بیت الحمد رکھو (بیضاوی وغیرہ)۔

معلوم ہوا کہ اولاد دل کا پھل ہے اس لئے ثمرات فرمایا، نیز اللہ فرماتا ہے ،وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ (سورہ حج ۳۵)۔ اور ہم آزماتے ہیں تم کو برائی اور بھلائی سے، یعنی نعمتیں چھین کر آزماتا ہے کہ بندہ صبر کرتا ہے یا نہیں اور نعمتیں دے کر بھی آزماتا ہے کہ بندہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے یا نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورہ کھف ۷)۔ ترجمہ: بیشک ہم نے کیا اس چیز کو جو زمین پر (معادن، نباتات، حیوانات) رونق وزینت زمین والوں کے لئے تاکہ ہم آزمائیں ان میں سے کون زیادہ اچھا عمل کے لحاظ سے ہے۔

چھٹی چیز جو آزمائش کا باعث ہے اور وہ مخالف لوگوں کی دلخراش باتیں ہیں

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لَتُبْلَوُنَّ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا (آل عمران ۱۸۶)۔ ترجمہ: بیشک تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مالوں اور تمہاری جانوں میں اور بیشک تم ضرور اگلے کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے۔

تم سے پہلوں کی بھی آزمائش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُاللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (سورۂ بقرہ ۲۱۴)۔ترجمہ: کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر اگلوں کی سیروداد نہ آئی۔ پہنچی انہیں سختی اور شدت اور ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اور اس کے ساتھ ایمان والے کب آئے گی اللہ کی مدد۔ سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔ اس آیت میں تین چیزوں سے آزمانے کا ذکر کیا گیا جو ظاہر ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا اَنْ يَّقُوْلُوْا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (سورہ عنکبوت ۲ تا ۳)۔ترجمہ: کیا لوگوں نے گمان کیا ہے یہ کہ چھوڑ دیئے جائیں گے اتنا کہہ کر ہم یقین لائے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے اور بے شک ہم نے آزمایا ان لوگوں کو جو اس سے پہلے تھے پس تا کہ اللہ تعالی ظاہر کردے ان لوگوں کو جو سچے ہیں۔ اور البتہ ظاہر کرلے گا جھوٹ بولنے والوں کو۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

درمحبت کہ او دعوی کنند	☆	صد ہزاراں امتحان بروے تند
گر بود صادق کشد بار جفا	☆	ار بود کاذب گریز داز بلا

موت اور حیات سے آزمائش کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (سورہ ملک ۲)۔ترجمہ: (اللہ وہ ہے) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔

انسان کی پوری زندگی کا نام ابتلاء وآزمائش ہے

انسان ہر قسم کے مصائب وآلام کا شکار ہوتا ہے۔ بچہ مادر شکم کی قید میں مقید ہوتا ہے پھر پیدائش کے

وقت تکلیفیں اٹھاتا ہے۔ پیدائش کے بعد کئیں سال تک دوسروں کا محتاج رہتا ہے۔ پھر پڑھائی کی تکلیفیں جھیلتا ہے۔ جوان ہوکر روزی کمانے کی مشقتیں برداشت کرتا ہے۔ پھر پیری کا زمانہ آجاتا ہے ،اپنی جان سے بیزار ہوجاتا ہے۔ اس اعتبار سے انسانی پوری زندگی کا نام ابتلاء وآزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ (سورہ بلد)۔ ترجمہ: بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مشقت میں۔ اور ہر کمال محنت ومشقت اور تکلیفیں اٹھانے کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ اسی لئے

میاں محمد بخش علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

جد تک عاجز کنگی وانگوں آری ہیٹھ نہ آویں ☆ یار سجن دیاں زلفاں تائیں کیونکر انگ لگاویں

کیہہ کجھ حال کمہار کریندے عاجز مٹی والا ☆ مر کے لباں سجن دیاں توڑی پہنچے تدھوں پیالا

سید درد علی شاہ مرحوم لکھتے ہیں:

باہج مصیبت کدی نہ ملدے سچ پیار جنہاندے ☆ غنچے ویکھ گلاندے کارن کتنی رنج اٹھاندے

کئیں خزاں جھلن سراتے آون جدوں بہاراں ☆ مہک دیون خوشبو ہزاراں جھل جھل خار ہزاراں

جدوں دنداسہ چھڈ کے ہاسہ پٹھی کھل لوہاندا ☆ ماسہ ماسہ تاں چڑھ دسدا وصل لباندا پاندا

مہندی کدی نہ رہندی اٹکی جیے ایہہ مار نہ کھاوے ☆ دوری ڈنڈا دی جھل سختی پھر تلیاں تے آوے

مشکل اول آوے اس منزل بعد آسانی تھیندی ☆ مشکل باہجوں عبدالرحماناں کدی نہ محفل ڈھیندی

جے آکھے کوئی ہسدے ہسدے ونج زیارت کریئے ☆ کدیں نہ حاصل وصل سجن دا جد تک آپ نہ مریئے

مر کے ملدا اہر کسے نوں وصل پیارے والا ☆ کون آکھے جو وصل سجن دا ہوندا بڑا اسکھلا

صبر ونماز کی اہمیت

آزمائش وامتحان اور ابتلاء کی جگہ ہے تو یہاں ہر وقت کوئی نہ کوئی تکلیف اور پریشانی لاحق ہوتی رہتی ہے۔ اس کو دور کرنے کے لئے بہترین نسخہ جو بتایا گیا ہے وہ صبر اور نماز ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے وَ اسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ۔ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ (البقرہ ۴۵)۔
ترجمہ: اور (رنج وتکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو اور بے شک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں ہے) جو عجز کرنے والے ہیں۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرۃ ۱۵۳)،
(۱) اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔
(۲) اے ایمان والو! مدد طلب کیا کرو صبر اور نماز (کے ذریعہ) سے، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔
حدیث شریف میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی سخت مہم پیش آتی نماز میں مشغول ہو جاتے اور نماز سے مدد چاہنے میں نماز استسقاء وصلوٰۃ حاجت داخل ہے۔ (حزائن العرفان) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ۔ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (عنکبوت ۴۵)۔
ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بڑا (اچھا کام) ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (البقرۃ ۱۵۳)۔ ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صبر کی فضیلت

صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) مصائب وآلام پر صبر کرنا (۲) اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا (۳) گناہوں سے بچنے پر صبر کرنا۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کی تعریف فرماتا ہے:
{وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ} (سورہ بقرہ ۲: ۱۵۷)، خوشخبری دیں ان صبر کرنیوالوں کو جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں بیشک ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اس کی طرف پلٹ کر جانیوالے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف

سے ان پر درود اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: { وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَأْسِ اُوْلٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ } (سورہ بقرہ ۲: ۱۷۷)، اور صبر کرنیوالے مصیبت میں اور سختی میں اور مصیبت (بیماری) میں اور جنگ کے وقت یہی لوگ سچے ہیں اور یہی پرہیز گار ہیں۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: {وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ اِنَّ ذَالِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْر} (سورہ لقمان ۱۷)، اور صبر کر ان مصیبتوں پر جو تجھ پر پڑیں، بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: {وَالَّذِيْنَ صَبَرُوْا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ} (سورہ رعد ۲۲)، اور جو لوگ اپنے رب کی رضا جوئی کے لئے صبر کرتے ہیں (ان کے لئے آخرت کا گھر ہے۔

{مَا اَصَابَ مِن مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيْرٌ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتَاكُمْ} (سورہ حدید ۲۲)، کوئی بھی مصیبت نہ تو زمین میں پہنچتی ہے اور نہ تمہاری زندگیوں میں مگر وہ کتاب (لوح محفوظ) اس سے قبل ہم اسے پیدا کریں (موجود) ہوتی ہے بیشک اللہ پر بہت ہی آسان ہے تا کہ تم اس پر غم نہ کرو جو تمہارے (ہاتھ) سے جاتی رہی اور اس چیز پر نہ اتراؤ جو اس نے تمھیں عطاء کی۔

اللہ تعالی فرماتا ہے {اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَاب} (سورہ زمر ۱۰)، بیشک صبر کرنیوالوں کو پورا پورا اجر دیا جائے گا بغیر حساب کے۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ھریرہ (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمُ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا اَذًى وَلَا غَمٍّ

حَتَّی الشَّوْ کَۃُ یُشَا کُھَا اِلاَّ کَفَّرَ اللہُ بِھَا مِنْ خَطَایَاہُ (متفق علیہ)۔کہ مسلمان کو جو کچھ تکان،مرض اور حزن وملال اور تکلیف وغم لاحق ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کانٹا لگ جانے سے بھی اسکو تکلیف ہوتی ہے تو اس کے بدلہ میں اللہ رب العزت اسکے گناہ (صغیرہ) معاف فرمادیتے ہیں (بخاری ومسلم)۔علامہ سید یوسف دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں،

رنج وبلا داں نعمتے بر دوستاں نازل شدہ ☆ دشمن نیابد این نعم جز مؤمن نیکوسیر

ہر تن کہ یابی بے علل ان تن یقین بے برکتست ☆ حق دوست داردآں تنے شب وروز داری دردسر

ملکیست زحمت جانِ من ہر کس کجا شایاں او ☆ ایوب داند قدر آں جز جیس ویونس نامور

دانند خاصاں قدر این محجوب عاماں شد ازو ☆ ماھی چہ داند قدر عشق پروانہ دارد خبر

حضرت ابن مسعود(رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ،دَخَلْتُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَھُوَ یُوْعَكُ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللہِ اِنَّكَ تُوْعَكُ وَعَکًا شَدِیْدًا قَالَ اَجَلْ اِنِّیْ اُوْعَكُ کَمَا یُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْکُمْ قُلْتُ ذٰلِكَ اَنَّ لَكَ اَجْرَیْنِ قَالَ اَجَلْ ذٰلِكَ کَذٰلِكَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُصِیْبُہٗ اَذًی شَوْکَۃٌ فَمَا فَوْقَھَا اِلَّا کَفَّرَ اللہُ بِھَا سَیِّاٰتِہٖ وَحُطَّتْ عَنْہُ ذُنُوْبُہٗ کَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَۃُ وَرَقَھَا (متفق علیہ)۔میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کو بخار کی شکایت تھی میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو بہت شدت کے ساتھ بخار چڑھتا ہے فرمایا ہاں مجھے تمہارے دو آدمیوں کے برابر بخار ہوتا ہے میں نے عرض کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے لئے دہرا ثواب ہے فرمایا ہاں پھر فرمایا جس تکلیف دہ چیز سے مسلمان کو اذیت پہنچتی ہے مثلاً کانٹا یا اس سے سخت چیز تو اللہ اسکے چھونے سے گناہوں کے لئے کفارہ کا سبب بنادیتا ہے اور اسکے گناہ اس طرح جھاڑ دیئے جاتے ہیں جیسا کہ درخت سے پتے گر جاتے ہیں (بخاری ومسلم)۔

شہدا کرام کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں پر انعام فرمایا ہے قرآن کریم نے ان کے چار درجے بیان فرمائے ہیں پہلا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام کا، دوسرا درجہ صدیقین کا، تیسرا درجہ شہداء کا، اور چوتھا درجہ صالحین کا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انعام یافتہ بندوں کا ذکر اس آیت شریفہ میں فرماتا ہے **وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا ۔ ذٰلِكَ الۡـفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا** (سورۃ النساء، ۶۹ تا ۷۰)۔

ترجمہ: اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول کی تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی۔ یہ (محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ کا، اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام اور صدیقین کے بعد سب سے اعلیٰ درجہ شہداء کا ہے۔

شہید کے معنی اور وجہ تسمیہ: شہید کے لفظی معنی حاضر یا گواہ کے ہیں مگر عرف میں شہید وہ مسلمان بالغ ہے جو ظلما مارا جائے اور قاتل پر اس کے قتل سے مال واجب نہ ہو۔ اس کو شہید کہنے کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ دیگر مسلمان قیامت کے حساب و کتاب سے فارغ ہو کر جنت میں پہنچتے ہیں اور اس سے پہلے ان کی قبروں میں جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے مگر شہید مرتے ہی جنت میں حاضر ہو جاتا ہے اور وہاں سیر بھی کرتا ہے اور رزق بھی کھاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے بارگاہ الٰہی میں حاضر کر کے فرمایا جاتا ہے۔ تمنا کر وہ عرض کرتا ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیجا جائے تاکہ پھر شہادت کی لذت پاؤں۔ حکم الٰہی ہوتا ہے کہ ہم ایک بار آزما کر پھر نہیں آزماتے (شہید بمعنی حاضر) تیسرے یہ کہ عام مسلمان قیامت میں گزشتہ انبیاء کے گواہ ہوں گے۔ مگر شہداء سرکاری گواہ۔ جیسے کہ اب بھی

بعض مقدمات میں خفیہ پولیس یا ڈاکٹر وغیرہ سرکاری گواہ ہوتے ہیں یا دنیا میں باقی مسلمان تو اپنی زبان، قلم وغیرہ سے حقانیت اسلام کی گواہی دیتے ہیں مگر شہید اپنے خون سے توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہے کہ اس کا ہر قطرۂ خون کہتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه (شہید بمعنی گواہ)

یوں تو جو بھی ظلماً مارا جائے شہید ہے یہاں تک کہ اپنے مال اولاد، آبرو کی حفاظت میں قتل ہونے والا بھی شہید۔ مگر شہید فی سبیل اللہ وہ ہے جو دین کی حفاظت میں جان کی قربانی دے۔

شہید دو قسم کے ہیں: (۱) شہید فقہی (۲) شہید حکمی۔ شہید فقہی وہ ہے جو مسلمان عاقل بالغ اور طاہر ہو پھر ظلماً، ہتھیار سے مارا جائے یا زخمی ہو کر بغیر دنیوی آرام لئے مر جائے اس کو نہ غسل دیں گے نہ کفن بلکہ انہی خون آلودہ کپڑوں مس نماز پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا شہید حکمی وہ جن پر اگر چہ فقہہ کے یہ احکام جاری نہیں مگر آخرت میں ان کو درجہ شہادت ملے گا جیسے جل کر ڈوب کر طلب علم وغیرہ میں مرنے والا۔ (تفسیر نعیمی)

اقسامِ شہادت: چونکہ شہادت دو قسموں کی ہے ایک شہادت سری یعنی پوشیدہ اور دوسری شہادت جہری یعنی ظاہری شہادت لہٰذا ان ہر دو اقسام شہادت کو دونوں شہزادوں کے مابین تقسیم کر دیا گیا۔ (سر الشہادتین ص ۱۶)

شہادت سری کا درجہ حضرت حسن نے پایا کہ ان کی شہادت کی چرچا نہیں ہوئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہادت جھری کا مرتبہ حاصل ہوا کہ ان کی شہادت کی بہت چرچا اور شہرت ہوئی کہ پیدائش ہی کے وقت بتا دیا گیا کہ ان کو شہید کر دیا گیا۔ شہید ہونے سے پہلے بھی چرچا ہوئی اور شہادت عظمہ کا درجہ پانے کے بعد بھی ۶۱ھ سے لے کر آج تک ۱۴۴۰ھ ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ معلوم نہیں کب تک ہوتا رہے۔

چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ

اَحۡيَآءٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ (سورہ بقرہ ۲: ۱۵۴)۔ترجمہ: اور نہ کہا کرو انہیں جو قتل کئے جاتے ہیں اللہ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم (اسے) سمجھ نہیں سکتے۔

اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شہدا کو عام مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے۔ بلکہ ان کے زندہ ہونے کی خبر دی ہے۔

اور اسی طرح دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے انہیں مردہ گمان کرنے سے بھی منع فرمایا ہے: وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِيۡنَ قُتِلُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتًا ۔ بَلۡ اَحۡيَآءٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ يُرۡزَقُوۡنَ (سورہ ال عمران ۳: ۱۶۹)۔ترجمہ: اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ جو قتل کئے گے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (اور) رزق دیئے جاتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

شہدا کی کتنی بلند شان ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زبان کے ساتھ مردہ کہنے سے اور دل میں مردہ گمان کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حَيَاةُ الشُّهَدَآءِ مُحَقَّقَةٌ ۔ (تفسیر القرطبی ج ۲ ص ۲۱۴) شہداء کا زندہ ہونا ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ وَاَنَّ الۡاَرۡضَ لَا تَاكُلُ اَجۡسَادَ الۡاَنۡبِيَاءِ وَالشُّهَدَآءِ وَالۡعُلَمَاءِ وَالۡمُؤَذِّنِيۡنَ الۡمُحۡتَسِبِيۡنَ وَحَمَلَةَ الۡقُرۡاٰنِ ۔ (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۶۱۵) یعنی زمین انبیاء کرام شہیدوں علمائے ربانیین ثواب کے لیے اذان دینے والوں اور قرآن کے حافظوں کے جسم نہیں کھاتی۔

قرآن مجید میں انعام یافتہ لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے شہداء کا تیسرا درجہ بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ (سورہ نساء ۴: ۶۹)، انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيۡقُوۡنَ وَالشُّهَدَآءُ

عِنۡدَ رَبِّهِمۡ لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ وَ نُوۡرُهُمۡ (سورہ حدید ۱۹)۔ترجمہ: اور جولوگ ایمان لائے اللہ اورس کے رسولوں پرتو وہی لوگ اپنے رب کے ہاں سچے ہیں اورشہداء ہیں۔ان کے لئے ان کا اجر اورنور ہے۔

اور حضرت سیدنا امام حسین (رضی اللہ عنہ) اپنے وقت اور زمانہ کے اعتبار سے سید الشہداء ہیں۔جو ان کی شہادت میں شک کرے وہ بڑا بدبخت انسان ہے۔اورشہیدوں کے جوفضائل ہیں وہ سب حضرت سیدنا حسین (رضی اللہ عنہ) کے لئے ثابت ہیں۔

شہیدوں کی امتیازی شان

احادیث مبارکہ میں شہداء کرام کے بہت سے فضائل بیان کئے گئے ہیں یہاں صرف ایک حدیث درج کی جاتی ہے جس میں متعدد فضیلتیں بیان ہوئی ہیں۔

چنانچہ حضرت مقدام بن معدیکرب (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لِلشَّهِيدِ عِنۡدَ اللهِ سِتُّ خِصَالٍ: يُغۡفَرُلَهُ فِي اَوَّلِ دُفۡعَةٍ وَيُرَى مَقۡعَدَهُ مِنَ الۡجَنَّةِ ،وَيُجَارُ مِنۡ عَذَابِ الۡقَبۡرِ ،وَيَأۡمَنُ مِنَ الۡفَزَعِ الۡاَكۡبَرِ وَيُوۡضَعُ عَلٰى رَأۡسِهٖ تَاجُ الۡوَقَارِ ،اَلۡيَاقُوۡتَةُ مِنۡهَا خَيۡرٌ مِّنَ الدُّنۡيَا وَمَا فِيۡهَا وَيُزَوَّجُ اثۡنَتَيۡنِ وَسَبۡعِيۡنَ زَوۡجَةً مِّنَ الۡحُوۡرِ الۡعِيۡنِ وَيُشَفَّعُ فِيۡ سَبۡعِيۡنَ مِنۡ اَقَارِبِهٖ۔(سنن الترمذی ، فضائل الجہاد: ۱۷۱۲)(سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد:۲۷۹۹)،شہید کے لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ۶ فضیلتیں ہیں۔

(۱) اسے پہلی دفعہ(روح نکلنے کے وقت) ہی بخش دیا جاتا ہے۔اسے جنت میں اس کا مقام دکھایا جاتا ہے۔(۲) اسے عذاب قبر سے پناہ دی جاتی ہے۔(۳) بڑے خوف سے مامون رہتا ہے۔(۴) اس کے سر پر عزت کا ایسا تاج رکھا جائے گا کہ اس کا ایک یاقوت دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔

(۵) ۷۲ جنتی حوروں کے ساتھ اس کا نکاح کیا جائے گا۔ (٦) اس کے لئے ستر رشتہ داروں میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

شاعر اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری لکھتے ہیں:

شہید اک مقصد اعلیٰ کی خاطر دے کے قربانی ❁ نوید زندگی لاتے ہیں بہر نوع انسانی

شہید احسان فرماتے ہیں فرزندانِ آدم پر ❁ لہوان کا نوید امن برساتا ہے عالم پر

بظاہر خاک میں ملتی نظر آتی ہے خاک ان کی ❁ مگر ہے زندہ و پائندہ ہر دم جان پاک ان کی

ہمیشہ احترام ان کا فروغ آدمیت ہے ❁ مگر یہ پیٹنا رونا تو رسم جاہلیت ہے

دسویں محرم شہداء کربلا کی ارواح کو ایصال ثواب کرے۔ اور فضائل صحابہ و اہل بیت بھی بیان کرے۔ بعض لوگ ذکر حسین رضی اللہ عنہ کی مجلس وجلسہ کو بدعت کہتے ہیں۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ اس میں روافض سے مشابہت ہے اور مشابہت سے منع کیا گیا ہے لیکن یہ استدلال غلط ہے مشابہت برے کاموں میں بری ہے نہ کہ اچھے کاموں میں ذکر حسین (رضی اللہ عنہ) تو اچھا کام ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ فضائل ومناقب بیان کئے ہیں۔ ہاں ان کی جانب غلط روایات کا انتساب درست نہیں۔ حق بات یہ ہے کہ ذکر حسین رضی اللہ عنہ روایات صحیحہ کی روشنی میں بیان کرنا کار ثواب اور نزول رحمت کا موجب ہے۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے: {اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ} (سورہ رعد ۲۸)، دیکھو اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر حضرت مجاہد بن جبیر تابعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۳ھ) سے مروی کہ ذکر اللہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب ہیں۔ علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَاِنَّ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَتَنَزَّلُ الرَّحْمَةُ وَيَحْصُلُ لِلْقُلُوْبِ الْاِطْمِيْنَانُ وَالسَّكِيْنَةُ (شرح الشفاء

ج ا ص ٦٠)، تو بیشک نیکوں کے ذکر کے وقت دلوں کو چین اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

عِنۡدَ ذِكۡرِ الصَّالِحِیۡنَ تَتَنَزَّلُ الرَّحۡمَةُ نیکوں کے ذکر کے وقت اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس شہادت حسین رضی اللہ عنہ پڑھنے کا جواز لکھا ہے اور اپنے معمولات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ (فتاوی عزیزی اردو ص ۱۹۹)

فارسی میں ہے: درتمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد شوند مجلس ذکر وفات و مجلس شہادت حسین (فتاوی عزیزی فارسی ص ۱۰۵)، سال میں فقیر کے مکان میں دو مجلسیں منعقد ہوا کرتی ہیں مجلس ذکر وفات اور مجلس شہادت حسین۔

یوم عاشورہ کے دن کے روزے کی فضیلت:

دسویں محرم کا روزہ رکھنا سنت ہے۔ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو یہودیوں کو پایا کہ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کیسا دن ہے جس میں تم لوگ روزہ رکھتے ہو۔ انہوں نے کہا یہ ایک عظیم دن ہے اسی دن میں اللہ تعالی نے حضرت موسی اور ان کی قوم کو نجات دی اور اسی دن فرعون اور اسکی قوم کو اللہ تعالی نے غرق کیا تو شکرانہ کے طور پر حضرت موسی علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا اور ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہم تم سے حضرت موسی کے زیادہ حقدار اور ان کے زیادہ قریب ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو روزہ رکھنے کا حکم دیا (مشکوۃ بحوالہ بخاری و مسلم)۔

حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) بیان کرتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس دن کا روزہ رکھتے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا اور جب ماہ

رمضان کے روزے فرض ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو چاہے نہ رکھے (مسلم باب صوم یوم عاشورہ)۔ یہ اختیار اس لئے دیا کہ کوئی فرض نہ سمجھے۔ یہ عاشورہ کا روزہ سنت ہے اور بہتر یہ ہے کہ نویں کو بھی روزہ رکھے۔

حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس روزے کا حکم دیا تو صحابہ نے عرض کیا اس دن کی تو یہود اور نصاری تعظیم کرتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا جب اگلا سال آئے گا تو ہم بھی انشاء اللہ نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے راوی کہتے ہیں کہ ابھی سال آنے نہ پایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات پا گئے۔ (مسلم)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نویں محرم کا روزہ نہ رکھ سکے مگر رکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی اس لئے نویں کا روزہ بھی رکھنا چاہئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **صُوْمُوْا يَوْمَ عَاشُوْرَةَ وَ خَالِفُوْا فِيْهِ الْيَهُوْدَ صُوْمُوْا قَبْلَهٗ وَ بَعْدَهٗ يَوْمًا** (معاویہ بن ابی سفیان ص ۵۰۰ بحوالہ سنن بیہقی کتاب الصیام)، تم عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت کرو اور اس سے قبل روزہ رکھو اور اس کے بعد کے دن کا بھی روزہ رکھو یعنی نویں، دسویں اور گیارہویں محرم کا۔

اگر کوئی نویں اور دسویں کا روزہ رکھے اور یا صرف دسویں کا روزہ رکھے تب بھی درست ہے مگر بہتر یہ ہے نویں، دسویں کا روزہ رکھے۔ یا دسویں اور گیارہویں کا روزہ رکھیں تا کہ بیسویں کے ساتھ مشابہت نہ ہو وہ روزہ رکھتے تم دو روزہ رکھو۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مجھے کامل امید ہے کہ اللہ تعالی دسویں محرم کا روزہ رکھنے کے صلہ میں سال بھر کے پہلے گناہ (صغیرہ) معاف کر دے گا (مسلم)۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ماہ رمضان کے بعد افضل روزہ اللہ کے مہینے محرم کا ہے اور فرض نماز کے بعد افضل نماز رات کی نماز (نفل) ہے (مسلم)۔

دوسری روایت میں فرائض کے بعد نفل نمازوں میں سب سے افضل نماز تہجد ہے۔

دسویں محرم کی بدعات

کوفہ میں شیعان حسین رضی اللہ عنہ کی ایک قوم آباد تھی؛ جو آپ کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ ان کا بڑا سردار مختار بن عبید ثقفی کذاب تھا۔ اور ایک قوم نواصب کی تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے بغض رکھتے تھے۔ ان میں سے حجاج بن یوسف ثقفی تھا۔

صحیح مسلم میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: قبیلہ ثقیف میں ایک کذاب اور ایک سفاک (ناحق خون بہانے والا) ہوگا۔ (مسلم ۴، ۱۹۷۱)۔

آپ کے ارشاد گرامی کے مطابق ثقیف کا کذاب مختار بن ابی عبید شیعہ تھا اور سفاک حجاج بن یوسف ثقفی ناصبی تھی۔

شیعہ نے غم واندوہ کی مجلسیں لگانی شروع کیں تو ناصبیوں نے خوشی اور مسرت کی مجالیس۔ اور انہوں نے روایات گھڑ لیں کہ جو کوئی عاشوراء کے دن اپنے اہل خانہ کے کھانے میں وسعت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سارے سال کے لیے اس کے رزق میں وسعت پیدا کر دیتا ہے۔ [یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ اور الزام تراشی ہے۔ دس محرم کے روازے کے علاوہ کسی چیز کی کوئی فضیلت ثابت نہیں]۔

امام حرب الکرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس روایت کے متعلق پوچھا: تو آپ نے فرمایا: اس روایت کی کوئی اصل [بنیاد] ہی نہیں ہے۔

سوائے اس روایت کے جو سفیان بن عیینہ نے ابراہیم بن محمد بن منتشر کوفی سے روایت کیا ہے؛ وہ اپنے والد سے نقل کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے: ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ: جو کوئی عاشوراء کے دن اپنے اہل خانہ کے کھانے میں وسعت کرتا ہے۔۔۔

ابن منتشر کوفی نے ایسے لوگوں سے سنا ہے اور روایت کیا ہے جنہیں وہ جانتا نہیں ہے۔

ایسے ہی انہوں نے ایک اور روایت گھڑ لی ہے کہ: جس نے عاشوراء کے دن سرمہ لگایا؛ اسے پورا سال

آنکھ میں تکلیف نہیں ہوگی۔اور جس نے عاشوراء کے دن غسل کیا وہ اس سال میں بیمار نہیں ہوگا۔اس وجہ سے کچھ لوگ عاشوراء کے دن غسل کرنے اور سرمہ لگانے؛ اپنے اہل وعیال کے خرچ میں وسعت کرنے اور نئے نئے کھانے بنانے کو مستحب سمجھنے لگ گئے۔

یہ حقیقت میں بدعات ہیں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر تعصب رکھنے والے نے گھڑ لی ہیں۔اور دوسری طرف وہ بدعات ہیں جو آپ کی ذات کے لیے تعصب کرنے والوں نے گھڑ لی ہیں۔[حقیقت میں یہ سب بدعات اور باطل امور ہیں] ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے۔

ائمہ اربعہ ان کے علاوہ دیگر ائمہ میں سے کسی ایک نے بھی اسے مستحب نہیں کہا۔نہ ہی یہ امور اور نہ ہی وہ امور۔اور نہ ہی ان چیزوں میں سے کسی ایک کو بھی مستحب ماننے کی کوئی شرعی حجت موجود ہے۔بلکہ جمہور علماء کرام کے نزدیک یوم عاشورا کا مستحب عمل روزہ رکھنا ہے۔اس کے ساتھ نویں محرم کا روزہ رکھنا بھی مستحب ہے۔اور بعض نے صرف دس تاریخ کے روازہ کو مکروہ جانا ہے۔یہ ایک لمبی تفصیل ےہ جس کے بیان کو یہ موقع نہیں۔

جن لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ نقل کیا ہے؛ انہوں نے اس میں بہت کچھ جھوٹ اپنی طرف سے زیادہ کردیا ہے؛ جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ نقل کرنے والوں نے اس میں بہت کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔ان لوگوں کا ارادہ یہ تھا کہ اس طرح کے واقعات وحادثات کو لوگوں کے سامنے بڑھا چڑھا کر پیش کریں۔جیسا کہ مغازی اور فتوحات کے ضمن میں اس طرح کی چیزیں زیادہ کی گئی ہیں۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھنے والوں میں ایسے بھی ہیں جو اہل علم ہیں، جیسے کہ علامہ بغوی اور ابن ابی الدنیا؛ وغیرہما۔مگر اس کے باوجود ان کی مرویات میں منقطع آثار اور باطل قصے بھی پائے جاتے ہیں۔ جو واقعات مصنفین نے بغیر اسناد کے ذکر کیے ہیں ان میں بہت سارا جھوٹ ہے۔(منہاج السنۃ)

روافض یوم عاشوراہ کو ماتم کرتے ہیں:

حافظ عماد الدین ابوالفدا ء اسماعیل ابن کثیر متوفی ، ۷۷۴ھ ء لکھتے ہیں کہ روافض نے ۴۰۰ سالوں کی حدود میں اور اس کے قریب قریب حکومت بویہ میں حد سے تجاوز کیا یوم عاشوراہ کو بغداد اور دیگر شہروں میں ڈول بجانا راستوں میں بازاروں میں توڑی اور بھوسہ بکھیر دینا دکانوں پر ٹاٹ لٹکانا اس کا رواج پر گیا تھا۔ لوگ غم اور حزن کا اظہار کرتے لوگ اس رات کو پانی نہ پیتے کیونکہ حضرت حسین کو پیاسا قتل کیا گیا تھا۔ پھر عورتیں بالاحجاب نوحہ کرتی چہروں پر تھپڑ مارتی ننگے پاؤں بازروں کا رخ کرتی اس کے علاوہ بہت سے قبیح بدعات اور رسومات اور خودساختہ رسوائی کے امور انجام دیتے۔ مقصود اس سے بنی امیہ کی حکومت کو رسوا کرنا تھا کیونکہ حضرت حسین کا قتل اسی حکومت میں ہوا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱، ج ۸ ص ۲۰۹)۔

علامہ الذھبی کہتے ہیں کہ ۳۵۲ھ میں عاشورہ (دس محرم) کے روز اہل بغداد کے لئے معز الدولۃ الدیلمی الشیعی نے لازم قرار دیا کہ حضرت حسین بن علیس (رضی اللہ عنہ) پر نوحہ اور ماتم کریں اور حکم دیا کہ آج کے دن بازاروں کو بند کر دیا جائے (اور دروازوں کے سامنے) ٹاٹ اویزاں کئے جائیں اور حورد ونوش کی چیزوں کو پکانے سے باز رہیں اور روافض عورتیں بالوں کو بکھیر کر گھروں سے باہر نکلیں اور اپنے چہروں پر سیاہی مل کر ان پر طماچہ لگائیں۔۔۔۔اس طرح لوگ فتنہ میں ڈالے گئے اور یہ پہلا روز تھا جس میں نوحہ کا اجر کیا گیا (دول الاسلام ج ۱ ص ۱۶۰) معلوم ہوا ماتم ونوحہ کا آغاز چوتھی ہجری سے ہوا ہے اس سے پہلے یہ رسم نہیں تھی۔ اور دولت عبیدیہ فاطمیہ میں بھی اسی طرح ماتم کیا جاتا تھا۔ روافض ورافضیہ کے دور اقتدار میں اس ماتمی جلوس کا سلسلہ عام کیا گیا تھا اور یہ سلسلہ ان تمام ملکوں اور شہروں میں ہوتا تھا جہاں رافضیوں کا زور تھا جیسا کہ اس دور میں بھی یہ رسم بہت جاری ہے اور برائے نام سنی کہلانے والے بھی ان کے جلسوں اور جلوسوں کی زینت بن کر مجمع کو بڑھاتے ہیں۔ ایسے کاموں میں شریک ہوتے ہیں جو نہ صحابہ نے کیا اور نہ اہل بیت کے ائمہ نے کیا

ہے۔ یہ محبت حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) نہیں ہے بلکہ اسوہ ٔ حسینی کے خلاف ہے اور رافضیوں کے نزدیک یوم عاشورہ تو یوم غم وحزن ہے۔

خارجی یوم عاشورہ کو عید بناتے ہیں:

اوراس کے برعکس شام کے خارجیوں کے نزدیک یوم عاشورہ یوم فرح وسرور اور عید ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں اور شام کے خوارج نے یوم عاشورہ کو روافض کے برعکس یہ کیا کہ دانے پکاتے نہاتے، نفیس لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اس دن کو عید مناتے اور اس روز مختلف کھانے پکاتے اور خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ مقصود اس سے روافض وروافض کی مخالفت تھی اور حضرت حسینؓ کے شہید کرنے کے بارے میں یہ تاویل کرتے تھے کہ اتحاد بین المسلمین کو توڑنے اور جس کے ہاتھ پر بیعت ہوگئی تھی۔ بالاتفاق وہ امیر بن گیا تھا اسے معزول اور امارت سے اتارنے (کوفہ) آئے تھے اور صحیح مسلم میں اس کے متعلق رجز اور انتباہ کرنے اور دھمکانے کی روایت آئی ہے۔

اگرچہ جاہل طبقہ نے آپ (رضی اللہ عنہ) کے خلاف تاویل کرکے آپ (رضی اللہ عنہ) کو قتل (شہید) کردیا تھا مگر ان پر تین باتوں کا قبول کرنا لازم وضروری تھا جسکا تذکرہ ماقبل میں ہوچکا ہے مگر حقیقت وہ نہیں جیسا کہ انا زعم تھا بلکہ قدیم وجدید ائمہ کی ایک معتد بہ جماعت نے کوفہ کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ماسوا (اللہ انکا بھلا کرے) آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے قتل صحیح نہ سمجھا اور اہل کوفہ کی اکثریت نے خطاوکتابت کا سلسلہ اس لئے جاری کیا وہ اپنے مذموم مقاصد کو حاصل نہ کرسکیں۔ اس لئے کہ حضرت حسین صورۃ حال کا جائزہ لینے کے بعد واپس جانے کا ارادہ کرلیا تھا تو اب ان کو جانے کی اجازت نہ دی۔ اور ظلما شہید کردیا گیا اس لئے خوارج کی دلیل نہیں بنتی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۹۳)

ماتم کی حرمت

ڈاکٹر علی محمد الصلابی فتاوی ابن تیمیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ کوفہ میں دو گروہ رہتے تھے ایک رافضیوں کا گروہ تھا جو اہل بیت کی محبت و دوستی کو ظاہر کرتے تھے اور یہ باطنی طور پر یا تو بے دین تھے یا جاہل اور خواہش پرست تھے۔اور ایک دوسرا گروہ ناصبیوں (اور خارجیوں) کا تھا جو حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ دشمنی رکھتے تھے جب ان کے درمیان قتال جنگ جاری ہوتی تو (فتنہ برپا کرتے تھے) انہوں نے یوم عاشورہ میں جلسوں وجلوسوں کے بارے میں بہت سی روایات گھڑ لیں تو جب ان دونوں کے درمیان کوئی مصیبت ظاہر ہوتی یعنی ناصبیہ رافضیہ کے تو یہ رافضی یوم عاشورہ کو ماتمی دن بناتے اور ناصبی من گھڑت روایات کی روشنی میں عاشورہ کو عید بناتے کھانے پینے کی چیزوں میں وسعت دیتے۔اور دونوں باطل وغلط ہیں ان (روافض) میں بھی بدعت وگمراہی ہے۔اور ان (نواصب) میں بھی بدعت وگمراہی ہے۔

فَمَنْ جَعَلَ يَوْمَ عَاشُوْرَةَ مَاتَمًا وَّ حَزَنًا وَّ نُبَاحَةً اَوْ جَعَلَهٗ يَوْمَ عِيْدٍ وَّ فَرَحٍ وَّ سُرُوْرٍ فَقَدِ ابْتَدَعَ فِي الدِّيْنِ وَ خَالَفَ سُنَّةَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ (معاویہ بن ابی سفیان ۴۹۹)

جس نے یوم عاشورہ کو ماتم وغم اور نوحہ کا دن بنایا یا اس نے اس کو عید وخوشی اور مسرت کا دن بنا لیا تو اس نے دین میں بدعت نکالی اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی ہے۔

اور آج بھی یہ دونوں قسم کے لوگ وہ جہاں کہیں بھی ہیں ایسا ہی کرتے ہیں اور اہل سنت و جماعت سے اختلاف کرتے ہیں اور عقائد واعمال میں خرابی اور بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔اللہ تعالی امت مسلمہ کو ان خرافات اور گمراہ کن باتوں سے محفوظ رکھے۔آمین

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّه (متفق علیہ)، وہ شخص ہم سے نہیں جس نے رخسار نوچے گریبان پھاڑے اور دور جاہلیت کے دعوی کیئے۔

حضرت ابو مالک اشعری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت میں چار باتیں دور جاہلیت کی ہیں جنہیں لوگ نہ چھوڑیں گے۔ اپنے حسب پر فخر کرنا دوسروں کے نسب پر اعتراض ونکتہ چینی کرنا، ستاروں سے بارش طلب کرنا، والناحیۃ اور ماتم میں نوحہ کرنا اور آپ نے فرمایا نوحہ کرنیوالی جب موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو اسے اس حال میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر رال کا لباس اور جرب کی قمیص ہوگی (مسلم)۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور اسے سننے والی پر لعنت فرمائی ہے (ابوداؤد)۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَنَا بَرِیٌٔ مِّنَ الصَّاقَۃِ وَالْحَاقَۃِ وَالشَّاقَّۃِ (مسلم ۱۶۷)، میں بری ہوں آوازیں نکالنے والی سے بال مٹانیوالی سے اور گریبان پھاڑنے والی سے ۔

یوم عاشورہ کے متعلق جو فضائل وغیرہ کے سلسلہ میں روایات ہیں ان میں سے کوئی بھی ثابت نہیں ہے (الصواعق المحرقۃ ص ۲۶۱)۔

سب صحابہ کرام واہل بیت عظام سے عقیدت ومحبت رکھے اور سب کی تعظیم وتکریم دل سے کرے ان کے درمیان جو لشکر رنجی ہوئی ہوں ان میں نہ پڑے ان کے بارے میں ہم سے باز پرس نہیں ہوگئ ہم سے ہمارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: {تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ} (سورہ بقرہ ۱۳۴)، ایک امت ہے کہ گزر چکی ان کے لیے ہے جو انھوں نے کمایا اور تمہارے لیے ہے جو تم کماؤ اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہوگی۔ اس ماتم کرنے کی بجائے صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یا اللہ ہمیں ہر آزمائش اور امتحان سے محفوظ فرما، ہمیں آنے والی مصیبتوں اور بلاؤں سے بچا۔ ہم

تیرے عاجز بندے ہیں ہماری عاجزی پر فضل فرما۔روحانی، جسمانی اور ہر قسم کی بیماریوں سے نجات کلی عطاء فرما بالخصوص محمد عبدالقاہر مرتضیٰ کو شفاء کلی عطاء فرما۔ اٰمین۔

یااللہ صحابہ کرام واہل بیت اعظام ا کے ذکر کی برکت سے اس محنت اور سعی کو شرف قبولیت عطاء فرما۔

یااللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرے پاک کے وسیلہ سے اس تحریر کو صدقہ جاریہ اور ذریعہ نجات بنا۔

اے رب العلمین میرے لئے نزع، قبر اور حشر کی سب منزلیں آسان فرما۔ یااللہ! میرے پاس کوئی توشۂ اعمال نہیں ہے صرف تیری رحمت کا امیدوار ہوں اپنے اسماء حسنہ اور نیک بندوں کے ذکر کی برکت سے ہر جگہ کامیابی اور کامرانی عطا فرما۔ یارب العلمین ہر نیک حاجت پوری فرما۔ میرے والدین کی بخشش فرما میرے سب اہل خانہ کو ہر بیماری، ہر پریشانی سے محفوظ فرما۔ دین پر استقامت عطا فرما۔ ایمان، جان اور مال کی سلامتی نصیب فرما۔ یااللہ! میری سب تالیفات کو قبول فرما اور ہمارے لئے اور سب معاونین کے لئے ذریعہ نجات بنا۔ آمین

بحسن اہتمامت کار جامی ☆ طفیل دیگراں یابد تمامی

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (سورہ ابراہیم ایت ۳۹، ۴۰)

رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا (سورۃ الفرقان ۷۴)

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا

صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی وَّاٰلِہٖ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰاحِمِیْنَ۔ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِجَاہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسْلِیْمِ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بندہ مسکین ابو عاصم غلام حسین ماتریدی۔

۱۴۴۰ھ ۲۰۱۹ء

ماخذ ومراجع

جن کتابوں سے اس کی تالیف وتدوین اور ترتیب میں استفادہ کیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن	امام احمد رضا خان بریلوی
حزائن العرفان	علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی
جمال القران	پیر محمد کرم شاہ الازہری
انوار البیان	علامہ عبد الحکیم شرف قادری
تاویلات اہل السنۃ	امام ابو منصور محمد ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ
التیسیر فی التفسیر	امام العقائد ابو حفص عمر نسفی
تفسیر سمرقندی (بحر العلوم)	ابو الیث سمرقندی متوفی
تفسیر زاہدی	شیخ ابو نصر احمد (زاہد) بخاری متوفی ۵۴۰ھ

تبیان القرآن	علامہ وھبۃ الزحلی
تفسیر مظہری	علی بن ابی طالب واسرہ
تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی
تفسیرات احمدیہ	شیخ احمد ملاجیون متوفی
تفسیر روح المعانی	علامہ سید محمود الوسی بغدادی متوفی ۱۲۹۰ھ
تفسیر قرطبی	امام ابوعبداللہ محمد قرطبی متوفی ۶۶۸ھ
احکام القرآن	امام ابوبکر احمد جصاص
صحاح ستہ	لائمۃ المحدثین
نعم الباری	علامہ رسول سعیدی
ریاض الصالحین	امام النووی متوفی ۶۷۶ھ
فتح الباری	حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ
عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ
تیسیر القاری شرح بخاری	شیخ نور الحق دہلی متوفی ۱۰۷۳ھ
حقوق الاسلام	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی
ارشاد الساری	شہاب الدین احمد القسطلانی
صحیح ابن حبان	حافظ ابوحاتم محمد بن حبان موفی ۳۵۴
المسدرک	لحالم النیسابوری
المفھم شرح المسلم	امام ابوالعباس احمد بن عمر قرطبی
مرقاۃ شرح مشکوۃ	علامہ علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ

مظاھر حق	علامہ نواب محمد قطب الدین دہلوی متوفی ۱۲۴۹ھ
شفاء بتعریف اا لمصطفی	قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ
مشکوۃ المصابیح	امام ولی الدین محمد بن عبداللہ
تاریخ طبری	امام ابن جریر طبری
تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجر
بغۃ الراند شرح العقائد صفی	شیخ محمد صدیق خان
مجموعہ الفتاوی	شیخ ابن تیمیہ
قید الشرید	علامہ محمد بن طون
انساب الاشراف	امام محمد بلاذری
شرح الشفا	علامہ علی قاری
شرح قصیدہ بدء الامالی	شیخ اخوند ننکری حاری
العمدۃ فی عقیدۃ اہل السنۃ والجماعت	ابوالبرکات عبداللنسفی
فضل الخطاب	خواجہ محمد یارسا
السیرت النبویہ	لابن اسحاق
السیرت النبویہ	حافظ شرف الدین موعن
الدرقانی شرح المواھب	علامہ محمد بن عبدالباقی
حقوق ال البیت	شیخ ابن تیمیہ
الکلام المقبول	مفتی احمد یار خان نعیمی
اسد الغابہ	علامہ اثیر الدین

الصواعق المحرقہ — علامہ محمد بن محمد حجر مکی متوی ۹۷۲ھ

تاریخ الخلفاء — امام جلال الدین سیوطی

مذاہب اسلام — مولانا نجم الغنی

منہاج السنۃ — شیخ ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ

امیر معاویہ پر ایک نظر — حکیم الامت مفتی احمد یار خان متوفی ۱۳۹۱ھ

سبع سنابل — علامہ سید میر احمد بلگرامی متوفی ۱۰۲۰ھ

مناقب السادات (مخطوط) — اضی شہاب الدین دولتا ابادی

فضائل صحابہ — امام احمد بن حنمبل

حقیقت الاسلام (حقوق الاسلام) — قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی

مناقب الزہراء — امام محمد عبد الروف المتاوی

نور الابصار — شیخ مومن متوفی ۱۲۹۰ھ

معاویہ بن ابی سفیان — ڈاکٹر علی محمد صلابی

سیرت امیر الموءمنین خامس الخلفااء الراشدین — ڈاکٹر علی محمد صلابی

اترجمۃ الامام الحسین ومقتلہ من طبقات الکبیر — لابن سعد تحقیق سید عبد العزیز الطباطبانی

البدایہ والنہایہ — حافظ عماد الدین ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ

مکتوبات امام ربانی — امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی متوفی ۱۰۳۲ھ

الصواعق المحرقہ — علامہ محمد بن محمد حجر مکی متوی ۹۷۲ھ

فتاوی رضویہ — امام اہلسنت احمد رضا خان بریلوی متوفی ۱۳۴۱ھ

امیر معاویہ پر ایک نظر — حکیم الامت مفتی احمد یار خان متوفی ۱۳۹۱ھ

سبع سنابل — علامہ سید میر احمد بلگرامی متوفی ۱۰۲۰ھ

شرح بدء الامالی — شیخ اخوند، درویزہ ننکر ہاری

سعادت الکونین فی فضائل الحسنین (مطبوعہ سیالکوٹ) مولانا اکرام الدین دھلوی

شہادت نواسہ سید الابرار — مولانا عبد السلام رضوی

الاکمال فی اسماء الرجال — امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ خطیب تبریزی

نسب نامہ صحابہ واھل بیت — مفتی احمد یار خان

فیصلہ شرعیہ بر حرمت تعزیہ — مولانا محمد مھر الدین

شہید کربلا — مفتی محمد شفیع صاحب

فتاوی عزیزی — شاہ عبد العزیز محدث دھلوی

تہذیب الکمال — حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی

کتاب المغازی — امام شہاب الدین زھری

تاریخ الخمیس — علامہ حسین بن محمد الدیار بکری

السیرت المحمدیۃ — علامہ سید زینی دخلان مکی

امام پاک اور یزید پلید — مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی

مستدرک حاکم

سر الشہادتین — شاہ عبد العزیز محدث دہلوی

کربلا کا سفر — علامہ مشتاق احمد نظامی

سیرت امام حسن وامام حسین — منصور احمد بٹ

سوانح حسنین شریفین — محمد نافع

نورالعین فی مشہد الحسین	علامہ ابو اسحاق اسفرائنی
لمعات التنقیح	
حدیث ثقلین	علامہ محمد نافع
واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر	علامہ عتیق الرحمن
ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی	علامہ محب الدین متوفی ۶۹۴ھ
سیر اعلام النبلا	حافظ شمس الدین محمد الذہبی متوفی ۷۴۸ھ
لطبقات الکبری	امام محمد بن سعد بصری متوفی ۲۳۰

بعض کتب شیعہ

مقتل الحسین	ابو مخنف طرین یحییٰ
جلاء العیون	باقر مجلسی
تاریخ یعقوبی	احمد بن یعقوب
اخبار الطوال	ابی حنیفہ احمد الدینوری
الحسن بن علی	ڈاکٹر شفیق سامرانی
موسوعۃ کربلا	ڈاکٹر لبیب بیضوی

☆مؤلف کی غیر مطبوعہ کتب و رسائل☆

شرح حدیث جبریل	مع شرح حدیث قدسی
مناقب صحابہ	مناقب اہل بیت
ذکر مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	مشعل راہ مع استغفار و توبہ صفحات
شرح فقہ اکبر	سفر نامہ حرمین
شرح قصیدہ بدء الامالی	تذکرہ مجدد الف ثانی
فضائل مکہ مدینہ	فضائل مدینہ منورہ

المختار شرح مختصر المنار	عقائد امام ابو منصور ماتریدی
صدقہ جاریہ کے کام	شرح عقیدہ امام غزالی
شرح حجۃ الوداع (حج نبوی)	تذکرہ شیخ سید عبد القادر جیلانی
منار الانوار مترجم	تسہیل صرف اردو ترجمہ زنجانی
شرح مائۃ عامل (جدید)	شرح عقیدہ امام غزالی

☆ مؤلف کی مطبوعہ کتب ☆

شرف المصطفیٰ فی تفسیر سورۃ الضحیٰ	الفتح القدسی فی تفسیر آیۃ الکرسی
شرح اسماء الحسنیٰ	شرح اسماء المصطفیٰ
عظمت ماہ رمضان	حج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
(مع فضائل شب برات)	عقائد نسفی مترجم
شرح عقائد نسفی	تذکرہ امیر معاویہ
حقوق العباد	معراج مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
تذکرہ امام ابو منصور ماتریدی	سیرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کتاب الحج	مجموعہ اشعار (پنجابی)
فضائل قرآن	جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فضائل صحابہ و اہل بیت	تذکرہ ائمہ دین
شرح عقیدۃ الطحاویہ	شرح قصیدہ بانت سعاد

مکتبۃ المرتضی، مصطفیٰ منزل، ۸۵ بی بلاک کشمیر کالونی، جہلم، پاکستان